بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول الله ﷺ:

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْراً يُّفَقِّهْهُ فِيْ الدِّيْنِ.

(صحيح البخاري ۱/۱۶ رقم: ۷۱، صحيح مسلم ۱/۳۳۳ رقم: ۱۰۳۷)

کتاب النوازل

منتخب فتاویٰ: مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

نائب مفتی واستاذ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

(جلدِ حادی عشر)

بقیہ کتاب البیوع، کتاب الربوا

ترتیب وتحقیق:

(مفتی) محمد ابراہیم قاسمی غازی آبادی

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

- نام کتاب : کتاب النوازل (جلدِ حادی عشر)
- منتخب فتاویٰ : مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری
- ترتیب وتحقیق : مفتی محمد ابراہیم قاسمی غازی آبادی
- کمپیوٹر کتابت : محمد اسجد قاسمی مظفرنگری
- ناشر : **المرکز العلمی للنشر والتحقیق، لال باغ مرادآباد**

09412635154 - 09058602750

- تقسیم کار : فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ دریا گنج دہلی

011-23289786 - 23289159

- اشاعتِ اول : شوال المکرّم ۱۴۳۶ھ مطابق اگست ۲۰۱۵ء
- صفحات : ۵۲۸
- قیمت : ۳۵۰/روپئے

ملنے کے پتے:

- مرکز نشر وتحقیق لال باغ مرادآباد **09058602750**
- مکتبہ صدیق اینڈ کلاتھ ہاؤس لال باغ مرادآباد **09997747293**
- کتب خانہ یحیوی محلّہ مفتی سہارن پور
- کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسائل کی پوچھ تاچھ

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ:

فَسْئَلُوْآ أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○

[الأنبيآء: ۷]

ترجمه : پس پوچھ لو جانکار لوگوں سے اگر تم نہ جانتے ہو۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

إِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّوَالُ.

(سنن أبي داؤد ۱/ ٤٩ رقم: ۳۳٦، سنن ابن ماجة ۱/ ٤٣ قم: ٥٧٢)

ترجمه: عاجز (ناواقف) شخص کے لئے اطمینانِ قلب کا ذریعہ (معتبر اور جانکار لوگوں سے مسئلہ کے بارے میں) سوال کر لینا ہے۔

اِجمالی فہرست

بقیہ کتاب البیوع

کتاب الربوا

❒❖❒

تفصیلی فہرست

بقیہ کتاب البیوع

بیع نامہ اور رجسٹری کے مسائل ٢٥

حقوق کی بیع

بیع سلم

بیع استصناع

بیع صرف

ملکی و بیرونی تجارت

شیئرز کے مسائل ۱۸۲

بیع وفا ۲۱۱

کتاب الربوا

سود کے مسائل ۲۲۶

سودی قرض سے متعلق مسائل ۳۰۲

سود کے مصارف ۳۴۵

جوئے کے مسائل ۴۲۳

بیمہ اور اِنشورنش کے اَحکام ۴۵۵

دین اور قرض کے مسائل ۴۹۴

بیع نامہ اور رجسٹری کے مسائل

معاملہ فسخ ہونے پر بیع نامہ میں دی ہوئی رقم سے زائد لینا؟

سوال (۱۴۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے کچھ اشجار خریدے، وزن پر فی کونٹل اور ایک ہزار روپئے بطور بیعانہ دے دیا بعدہ بائع اپنی بات سے منکر ہوگیا، اور کہنے لگا کہ بلاوزن کے مبہم طریقہ سے خریدلو ورنہ اپنا روپیہ جو بطور بیع نامہ کے دے دیا تھا، اس پر پانچ سو اور مزید لے لوتو یہ پانچ سو زائد روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر بیچنے والا غیر مسلم ہو اور خریدار مسلم ہو اور اس پانچ سو روپیہ کو لے لے تو پھر اس کو کیا کرے؟ آیا اپنے مصارف میں خرچ کرسکتا ہے یا کسی غریب ضرورت مند کو دے دے، جو حکم ہو مفصل تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیعانہ جتنا دیا ہے بس اتنا ہی واپس لیا جائے، اُس سے زیادہ نہ لیا جائے، چاہے بیچنے والا مسلم ہو یا غیر مسلم؛ اس لئے کہ یہ زیادتی بلاعوض ہے۔

عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده رضي اللّٰه تعالیٰ عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم نهی عن بیع العربان. قال مالک: و ذٰلک فیما تری – واللّٰه تعالیٰ أعلم – یشتري الرجل العبد أو الولیدة أو یتکاری الدابة، ثم یقول للذي اشتری منه أو تکاری منه: أعطیتُک دینارًا أو درهمًا أو أکثر من ذٰلک أو أقل علی أني أخذت السلعة أو رکبتُ ما تکاریت منک، فالذي أعطیتُک من ثمن السلعة أو من کراء الدابة، وإن ترکتُ ابتیاع السلعة أو کراء الدابة، فما

أعطيتك لك باطل بغير شيء. (إعلاء السنن، كتاب البيوع / باب النهي عن بيع العربان ١٦٦/١٤ إدارة القرآن كراچی)

وعن أبي حميد الساعدي أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل لمسلم أن يأخذ عصاً بغير طيب نفس منه. قال: ذٰلك لشدة ما حرم الله من قال المسلم على المسلم. (رواه ابن حبان في صحيحه ١١٦٦ موارد، الترغيب والترهيب ٤٢١ رقم: ٢٩٠٤ بيت الأفكار الدولية)

ونهى عن بيع العربان أن يقدم إليه شيء من الثمن، فإن اشترى حوسب من الثمن، وإلا فهو له مجاناً، وفيه معنى الميسر". (حجة الله البالغة / بيوع فيها معنى الميسر ٢٨٨/٢ قديمي)

بيع العربان: وصورته أن يشتري الرجل شيئاً فيدفع إلى المبتاع من ثمن ذٰلك المبيع شيئاً على أنه إن نفذ البيع بينهما، كان ذٰلك المدفوع من ثمن السلعة، وإن لم ينفذ ترك المشتري بذلك الجزء من الثمن عند البائع، ولم يطالبه به، وإنما صار الجمهور إلى منعه؛ لأنه من باب لغرر والمخاطرة وأكل مالٍ بغير عوض. (بداية المجتهد ونهاية المقتصد / الباب الرابع في بيوع الشروط والثنيا ٨/٥، دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۲/۱۱/۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیع نامہ کی رقم مشتری کو واپس کرنا ضروری ہے

سوال (۱۴۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک صاحب نے مکان فروخت کرنا چاہا، دوسرے صاحب نے بیعانہ دے دیا، اب صاحبِ مکان کا ارادہ بدل گیا، تو کیا ان کا بیع نامہ مجھ پر جائز ہے یا ناجائز؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں بیعانہ کی رقم مشتری کو واپس کر دینا

ضروری ہے، بائع کے لئے استعمال جائز نہیں۔ (ایضاح النوادر ۱/۷۸)

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن العربان، قال أبو عبد الله: أن يشتري الرجل دابةً بمائة دينار فيعطيه دينارين عُربانًا، فيقول: إن لم يشتر الدابة فالديناران لك. (سنن ابن ماجة / باب بيع العُربان ۵۰۹ رقم: ۲۱۹۳ دار الفكر بيروت)

ونهى عن بيع العربان أن يقدم إليه شيء من الثمن، فإن اشترى حوسب من الثمن، وإلا فهو له مجانا، وفيه معنى الميسر. (حجة الله البالغة / بيوع فيها معنى الميسر ۲۸۸/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۱۷/۵/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

معاملہ فسخ ہونے پر بیع نامہ کی رقم واپس کرنے سے انکار کرنا؟

سوال (۱۴۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے عمر کی معرفت ابوبکر سے مکان خریدا، خرید نے سے قبل بیع نامہ کے طور پر ۲۰/ ہزار روپیہ ابوبکر کو دے دیا، اور اس کے کچھ عرصہ بعد ابوبکر کو ایک لاکھ روپیہ دیا، اب کسی وجہ سے زید کو مکان پسند نہیں آیا، وہ معاملہ کو فسخ کرنا چاہتا ہے، زید اپنی ادا کی ہوئی رقم واپس لینا چاہتا ہے؛ لیکن ابوبکر کا کہنا ہے کہ صرف بعد کے ایک لاکھ واپس کروں گا، بیع نامہ کی ۲۰/ ہزار رقم واپس نہیں دوں گا؛ کیوں کہ بیع نامہ واپس نہیں کیا جاتا، اور ویسے بھی میرا نقصان ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیع نامہ کی رقم کو روک کر بقیہ ایک لاکھ روپیہ واپس کرنے کی اجازت نہیں؛ بلکہ صرف دو ہی راستے ہیں، یا تو پوری رقم واپس کر کے معاملہ فسخ کر دیا جائے، اور یا پوری رقم وصول کر کے مکان مشتری کے قبضہ میں دے دیا جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ

۹/۲۶۴، فتاویٰ محمودیہ ۱۶۹/۴، احسن الفتاویٰ ۵۰۱/۶، ایضاح المسائل ۱۵۷، ایضاح النوادر ۷۷/۱)

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أنه قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع العُربان: قال مالك: وذٰلك فيما تُرىٰ – والله أعلم – أن يشتري الرجل العبدَ أو يتكارىٰ الدابة، ثم يقول: أعطيك دينارًا على أني إن تركت السلعة أو الكِراءَ فما أعطيتك لك. (سنن أبي داؤد، الإجارة / باب في العربان رقم: ٣٥٠٢، سنن ابن ماجة، كتاب التجارات / باب بيع العُربان ٩ ٥٠ رقم: ٢١٩٣ دار الفكر بيروت)

قال العلامة الخليل السهارنفوري: وما وقع في تفسير العربان في الموطأ هو أوضح مما وقع في أبي داؤد، وتفسير ذٰلك فيما نرى والله أعلم: أن يشتري الرجل العبد أو الوليدة، أو يتكارىٰ الدابة، ثم يقول للذي اشترى منه أو تكارىٰ منه: أعطيك دينارًا أو درهمًا، أو أكثر من ذٰلك أو أقل على أني إن أخذت السلعة، أو ركبت ما تكاريت منك، فالذي أعطيتك هو من ثمن السلعة، أو من كراء الدابة، وإن تركت ابتياع السلعة أو كراء الدابة فما أعطيتك، لك بغير شيء. **قلت**: ويُردُّ العربان إذا ترك العقد على كل حال بالاتفاق. (بذل المجهود في حل سنن أبي داؤد، كتاب الإجارة / باب في العربان ٢٢١/١١ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه)

ويرد العربان إذا ترك العقد على كل حال بالاتفاق. (بذل المجهود في حل سنن أبي داؤد، كتاب الإجارة / باب في العربان ٢٢١/١١ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۲/۲/۱۶ھ

بیعانہ کے روپئے سے مبیع کے نقصان کو وضع کرنا؟

سوال (۱۴۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ایک شخص نے ایک زمین ۴۹/ ہزار روپیوں میں خریدی اور ۵/ ہزار روپیہ بیعانہ بھی دے دیا؛ لیکن اب مشتری بائع سے کہتا ہے کہ ہمارا بیعانہ واپس کردو، ہم زمین نہیں خریدتے، اِسی دوران مشتری نے دوسری جگہ زمین خرید لی، بائع بیعانہ دینے کے لئے راضی نہیں ہے، کہتا ہے کہ ایک شرط پر ہم بیعانہ واپس کر سکتے ہیں، شرط یہ ہے کہ اگر ہماری زمین کم روپیوں میں فروخت ہوئی مثلاً ۴۵/ ہزار میں یا ۴۷/ ہزار میں، تو پہلی صورت میں ۴/ ہزار اور دوسری صورت میں دو ہزار کا نقصان ہوگا؛ لہٰذا جب ہماری زمین فروخت ہوگی جتنا ہمارا اس میں نقصان ہوگا بیعانہ کی رقم میں سے وضع کر کے باقی واپس کردوں گا، اب مشتری اس شرط پر راضی بھی ہوگیا ہے؛ لیکن شریعت کی رو سے یہ وضاحت فرمائیں کہ بیعانہ کی ۵/ ہزار روپیہ سے نقصان کو وضع کرنا درست ہے یا نہیں، یا پورا بیعانہ واپس کرنا ضروری ہے؛ لیکن اس صورت میں بائع کا بھی نقصان ہورہا ہے، برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں مکمل جواب مرحمت فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض بیعانہ وغیرہ دینے سے بیع مکمل نہیں ہوتی ہے، اور بیع کے انعقاد کا اس پر حکم نہیں لگتا ہے، اس لئے اگر خریدار اس کو فسخ کرنا چاہے تو اسے فسخ کرنے کا اختیار رہے؛ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں بائع کو مشتری کا بیعانہ سونپنا ضروری اور لازم ہے، اور بائع کا یہ شرط لگانا کہ اگر زمین کم قیمت میں فروخت ہوگی تو اتنی مقدار کی قیمت تمہارے بیعانہ سے وصول کر لی جائے گی جائز اور درست نہیں ہے، نیز مشتری کا زمین کے کم قیمت میں فروخت ہونے پر نقصان کی بھرپائی کے لئے راضی ہوجانا صرف بائع کے شرط لگانے کی وجہ سے ہے۔ (ایضاح النوادر ۱/۷۷، فتاویٰ محمودیہ ۱۷۰/۱۴)

عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده رضي اللّٰه تعالیٰ عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم نهی عن بیع العربان. قال مالک: وذٰلک فیما تری – واللّٰه تعالیٰ أعلم – یشتري الرجل العبد أو الولیدة أو یتکاری الدابة، ثم یقول للذي اشتری منه أو

تـكـاری مـنـه: أعـطيتُـک ديـنـارًا أو درهـمًا أو أكثر من ذٰلک أو أقل على أني أخذت السـلـعة أو ركبـتُ مـا تـكـاريت منک، فالذي أعطيتُک من ثمن السلعة أو من كراء الـدابة، وإن تـركتُ ابتياع السلعة أو كراء الدابة، فما أعطيتک لک باطل بغير شيء.

(إعلاء السنن، كتاب البيوع / باب النهي عن بيع العربان ١٤/١٦٦ إدارة القرآن كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۵/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

معاملہ فسخ ہوجانے پر بائع کا مشتری کو بیع نامہ کی رقم میں اِضافہ کرکے دینا؟

سوال (۱۴۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے محلّہ میں ایک مکان فروخت ہورہا ہے، مکان مالک سے دو گواہوں کی موجودگی میں ۷/ہزار روپیہ گز کے حساب سے معاملہ طے ہوا، اور بیع نامہ کے طور پر تیس ہزار روپیہ انہوں نے مانگے، اور یہ بھی طے ہوا کہ اگر مکان مالک مکان بیچنے سے مکرتا ہے تو بیع نامہ کی رقم دوگنی دی جائے گی، اور اگر خریدار لینے سے انکار کرے گا تو اس کا بیع نامہ نہیں دیا جائے گا، روپئے لینے کے بعد مکان مالکوں نے یہ بھی کہا کہ سودا اب تمہارا ہوا، اب کوئی زیادہ روپیہ بھی دے گا تو بھی کسی اور کو نہیں دیں گے، اس کے کچھ دن کے بعد مکان کے پڑوسی کو یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے مکان خریدنا چاہا، مگر مالکوں نے دینے سے انکار کردیا، اس پر پڑوسی نے آس پاس کے لوگوں کو جوڑ لیا، مکان مالکوں سے کہا کہ اگر مکان پہلے خریدار کو دیا تو بہن اپنا حصہ دینے کو تیار نہیں ہے، تب مکان مالکوں نے یہ کہا کہ اگر پہلے خریدار کو ۴۰/ہزار روپئے سودے سے الگ زیادہ دیں گے تو ہم مکان آپ کو دیں گے، خریدار ثانی نے یہ بات منظور کرلی، مکان مالک نے انہیں گواہوں کے ہاتھ میں ۳۵۰۰۰/روپیہ بیع نامہ کے علاوہ زیادہ دئے ہم ان روپیوں کو خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں مذکورہ شرائط کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہے،

بائع کے اپنی بات سے پھر جانے کی صورت میں آپ صرف اپنی بیع نامہ کی رقم کے مستحق ہیں، اس سے زائد کا لینا شرعاً قمار، جوا اور سود کے مشابہ ہے، جس کا لین دین مسلمانوں کے لئے قطعاً حرام ہے، یہ بات الگ ہے کہ بائع بدمعاملگی کی وجہ سے شرعاً گنہ گار ہوگا، اس لئے زائد رقم کا واپس کرنا ضروری ہے، استعمال میں لانا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۷۷)

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن العُربان، قال أبو عبد الله: أن يشتري الرجل دابةً بمائة دينار فيعطيه دينارين عُربانًا، فيقول: إن لم يشتر الدابة فالديناران لك. وقيل: يعني والله اعلم: أن يشتري الرجل الشيء فيدفع إلى البائع درهماً أو أقل أو أكثر، ويقول: إن أخذته وإلا فالدرهم لك. (سنن ابن ماجة، كتاب التجارات / باب بيع العُربان ٥٠٩ رقم: ٢١٩٣ دار الفكر بيروت، مشكاة المصابيح ٢٤٨)

نهى عن بيع العربان أن يقدم إليه شيء من الثمن، فإن اشترى حوسب من الثمن، وإلا فهو له مجانا، وفيه معنى الميسر. (حجة الله البالغة، البيوع / المهي عنها لمعنى الميسر ٢٨٦/٢ مكتبة حجاز ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۱/۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

معاملہ فسخ ہونے پر بائع کا مشتری کے دئے ہوئے پیسوں میں سے کٹوتی کرنا؟

سوال (۱۴۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں نے ایک جگہ خریدی کھنڈر مکان کی طرح، جس کی آدھی رقم تین ذمہ داران کے سامنے اَدا کردی تھی، باقی آدھی رقم رجسٹری کے وقت دینی تھی، ذمہ داران کے سامنے طے ہوا تھا کہ جو مقدمے اس مکان پر چل رہے ہیں، وہ رجسٹری سے پہلے پہلے ختم کرانے ہوں گے، رجسٹری کی

میعاد تین مہینے کی تھی، مگر مقدمہ تین مہینے کے اندر ختم ہونا تھا، جوکہ اُنہوں نے نہیں کرایا، اب ایک سال ہو چکا ہے، تیسرا فریق یہ کہتا ہے کہ یہ مکان میرا ہے، میعاد ختم ہوگئی ہے۔ بیچنے والا کہتا ہے کہ اب آپ کی میعاد نکل چکی ہے، میں آپ کے پیسے واپس نہیں دوں گا، اگر دوں گا تو پچاس ہزار روپئے کم کرکے دوں گا، خریدار نے معاہدہ بیع رجسٹرڈ کرانے میں ۱۳/ہزار روپئے کا اِسٹامپ بھی لگایا، اور جسٹری کے لئے ۳۰/ہزار روپیہ کے اسٹامپ بھی خرید لئے گئے، شرعی فیصلہ کیا ہے، اس میں بیچنے والے کے جو ذمہ داران تھے، وہ ان کے سالے تھے جوکہ ان جیسی ہی بات کہہ رہے ہیں، باقی دو ذمہ داران رجسٹری کرانے کے لئے اور مقدمہ ختم کرانے کے لئے اس کے گھر کے بار بار چکر لگا رہے ہیں، جو بات کرنے سے ٹال مٹول کر رہا ہے، جس کو ایک سال ہو چکا ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں دو میں سے ایک کام کرنا لازم ہے: یا تو پہلا معاملہ مکمل طور پر برقرار رکھا جائے اور پوی رقم ادا کرکے آپ کے نام مذکورہ مکان کی رجسٹری کرادی جائے، یا پھر اگر بیچنے والا پہلے معاملہ کو فسخ کرنا چاہئے تو آپ کی طرف پیشگی ادا کردہ کل رقم آپ کو واپس کرے، اس رقم میں سے حسبِ تحریر سوال ۵۰/ ہزار روپئے اس کی طرف سے کاٹ لینے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔

عن ابن حزم عن سلیمان بن البرصاء قال: بایعت ابن عمر فقال لي: إن جائتنا نفقتنا إلی ثلاث لیالٍ، فالبیع بیننا وإن لم تأتنا نفقتنا إلی ذٰلک فلا بیع بیننا وبینک، ولک سلعتک. (إعلاء السنن/ باب خیار لشرط ونفي خیار لغبن ۵۷/۱۴ رقم: ٤٦٢١)

تصح بمثل الثمن الأول وبالسکوت عنه، ویرد مثل المشروط، ولو المقبوض أجود أو أردأ، ولو تقایلا وقد کسدت رد الکاسد. (شامي، البیوع / باب الإقالة، مطلب تحریر مهمّ في إقالة الوکیل بالبیع ۹/۷ ۳۳ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہٗ ۱/۴/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَداءِ ثمن میں تاخیر پر بیعانہ ضبط کرنے اور نہ بیچنے کی صورت میں دوگنا دینے کی شرط لگانا؟

سوال (۱۴۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی پلاٹ یا مکان جائیداد کی فروختگی کے لئے کچھ رقم بطور بیعانہ تاریخ معینہ کے ساتھ خریدار سے لے لی اور اس میں یہ بھی شرط لگالی کہ تاریخ مقررہ پر اگر بقیہ رقم نہ دی تو بیعانہ ضبط ہوجائے گا، اور اگر مالک نہ بیچنا چاہے تو بیعانہ کی رقم کو دوگنی کرکے واپس کرے گا، اس کی کیا صورت ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیعانہ ضبط کرنے یا بیعانہ کی رقم دوگنی دینے کی یہ دونوں شرطیں شرعاً فاسد ہیں، اگر معاملہ نہ ہوسکے تو اصل رقم لوٹانی ضروری ہے، سوخت کرلینا یا دوگنی کرکے وصول کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۶/۱۶۸ ڈابھیل)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا الرِّبَا اَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوْا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [آل عمران: ۱۳۰]

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا يحل مال إمرء مسلم إلا بطيب نفس منه. (مسند أحمد ۵/۷۲، شعب الإيمان للبيهقي ۷۶۹/۲، مشكاة المصابيح ۲۵۵، مرقاة المفاتيح ۳/۳۵۰)

نقل الشيخ ظفر أحمد العثماني التهانوي عن ابن حزم عن سليمان بن البرصاء قال: بايعت ابن عمر فقال لي: إن جائتنا نفقتنا إلى ثلاث ليال، فالبيع بيننا، وإن لم تأتنا نفقتنا إلى ذلک فلا بيع بيننا وبينک، ولک سلعتک. (إعلاء السنن / باب خيار الشرط ونفي خيا الغبن ۱۴/۵۷ رقم: ۴۶۱)

بيع العربان: وصورته أن يشتري الرجل شيئًا فيدفع إلى المبتاع من ثمن

ذٰلک المبیع شیئًا علی أنه نقد البیع بینهما، کان ذٰلک المدفوع من ثمن السلعة، وإن لم ینفذ ترک المشتري بذلک الجزء من الثمن عند البائع، ولم یطالبه به، وإنما صار الجمهور إلی منعه؛ لأنه من باب الغرر والمخاطرة وأکل ما بغیر عوض. (بدایة المجتهد / الباب الرابع في بیوع الشروط ۸/۵ دار الکتب العلمیة بیروت)

وبعد الفسخ لا یأخذه بائعه حتی یرد ثمنه (درمختار) أي ما قبضه البائع من ثمن أو قیمة کما في الفتح. (الدر المختار مع الشامي ۷/۲۹٦ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۱۰/۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زمین میں حق ملکیت سے دست برداری کے بعد رجسٹری اور تعمیر کا خرچ واپس لینا؟

سوال (۱۴۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: محمود عالم ولد فاروق عالم ساکن امروہہ کی منگنی ببلی بنت محمد ناصر صاحب ساکن امروہہ کے ساتھ لگ بھگ چھ سال قبل ہوگئی تھی، منگنی کے تقریباً چار سال بعد ایک قطعہ آراضی فاروق عالم نے جس کا رقبہ ۳۰۰/ گز ہے، زمین مالک سے ٦۰/ ہزار روپیہ معاہدہ دے کر حق تعمیر حاصل کرلیا تھا، اور اس پر عمارت تعمیر کرلی، بروقت رجسٹری اپنے ہونے والے سمدھی محمد ناصر صاحب سے ذکر کیا کہ مذکورہ زمین کی رجسٹری کرانے جارہا ہوں، اس پر محمد ناصر نے کہا کہ مذکورہ آراضی کا باقی ماندہ چارسو گز اور آپ کے معاہدہ شدہ ۳۰۰/ گز کو ملاکر سات سو گز میں خرید کر اپنی بیٹی ببلی کے نام رجسٹری کراکر جہیز میں دیتا ہوں، اور آپ کی تین سو گز کے ساٹھ ہزار روپیہ معاہدہ رقم آپ کو واپس کردوں گا؛ لہٰذا میں نے یہ سوچ کر کہ میرے بیٹے کی بیوی ہی تو ساری زمین کی مالکہ ہوگی، اپنے حق سے دست بردار ہوگیا، اور ساری زمین ببلی کے نام رجسٹری کرادی گئی اور میری رقم محمد ناصر صاحب نے کئی مرتبہ میں کل واپس کردی۔

بعد رجسٹری اٹھارہ ماہ بعد محمد ناصر نے منگنی یک طرفہ طور پر منسوخ کردی، مصالحت کرنے کی کوشش کی گئی، محمد ناصر صاحب نے انکار کر دیا۔ شرعی جواب طلب امور یہ ہیں کہ مذکورہ زمین تین سوگز جس کا میں نے معاہدۂ رقم دے کر تعمیر کرالی تھی، محمد ناصر کی زمین کی سابقہ قیمت دے کر اپنے نام واپس رجسٹری کرانا از روئے شریعت درست ہے یا نہیں؟

محمد ناصر صاحب کا کہنا ہے کہ خرچہ تعمیر عمارت مذکورہ دے دوں گا، زمین کی رجسٹری واپس نہیں لوٹاؤں گا، باہم کئی نشستوں میں کوئی فیصلہ نہیں ہو پایا، صرف ایک بات پر دونوں فریق متفق ہیں کہ شرعی طور پر جو بھی فیصلہ ہوگا وہ ہر دو فریق کو منظور ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مسئولہ صورت میں جب فاروق عالم زمین پر اپنے حق سے دست بردار ہوگیا اور مکمل زمین بلبل کے نام رجسٹری کرادی گئی، اور معاہدۂ بیع کی رقم بھی فاروق عالم کو لوٹا دی گئی، تو اب اس زمین کے کسی حصہ پر فاروق عالم کا حق باقی نہیں رہا، اب اسے اپنا تعمیری خرچ لے کر زمین کو خالی کردینا چاہئے، باقی محمد ناصر نے اگر بلا کسی معقول عذر کے رشتہ نامنظور کیا ہے، تو وہ وعدہ خلافی کا گنہگار ہوگا۔

عن ابن عمر رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا يبع الرجل على بيع أخيه، ولا يخطب على خِطبة أخيه إلا أن يأذن له. (صحيح مسلم / باب تحريم الخطبة على خطبة أخيه حتى يأذن أو يترك ٣/٢ رقم: ١٤١٢ بيت الأفكار الدولية)

استثناء من الحكمين أو الأخير الخ. (مرقاة المفاتيح ٣١٩/٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۸/۸/۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا بیع نامہ میں فرضی طور پر کسی کا نام لکھوانے سے اُس کی ملکیت ثابت ہوجائے گی؟

سوال (۱۵۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: زید اور عمر دو سگے بھائی ہیں، والد کے انتقال کے بعد دونوں میں تقسیم میں اختلاف پیدا ہوا، بڑے بھائی نے پنچایت کے روبرو چاندی کے روپیہ اور زیورات کا مطالبہ کیا کہ والدہ صاحبہ کے پاس اتنے روپئے اور اتنا زیور تھا، پنچوں نے طرف داری کرتے ہوئے بڑے بھائی کی کوئی بات نہیں سنی اور اسے کوئی زیور اور روپیہ نہیں دلوایا اور چھوٹے بھائی نے قسم کھا کر کہا کہ خدا کی قسم میرے پاس کچھ نہیں ہے، موجودہ لوگوں نے بھی یہی کہا کہ چھوٹے بھائی کے پاس کچھ نہیں ہے، سب کچھ بڑے بھائی کے پاس ہے، والدہ بھی انکار کرتی رہیں کہ چاندی کے روپئے میرے پاس نہیں، والدہ چھوٹے لڑکے کے پاس رہیں اور والد بڑے لڑکے کے ساتھ رہے، اسی حالت میں والد صاحب کا پہلے اور والدہ کا ۲؍سال بعد انتقال ہوا۔

بڑے بھائی نے والد صاحب کی زندگی میں رہنے کے لئے آدھ بیگھہ زمین چند لوگوں کی شرکت میں خریدی، مگر یہ سوچ کر کہ والد صاحب زندہ ہیں وہ دل تھوڑا کریں گے ادباً واحتراماً والد صاحب کا نام لکھوادیا، بات کرنے اور لکھنے پیسہ دینے کے وقت والد صاحب موجود نہیں تھے، گھر پر تھے، اب یہ زمین بڑے بھائی نے بیچ دی، تو چھوٹا بھائی بہت سے لوگوں کو اکٹھا کرکے آدھا حصہ لینے کے لئے لے آیا اور آدھا حصہ کا مطالبہ کیا، محض نام ہونے کی وجہ سے پنچوں کی اکثریت یہ کہتی ہے کہ جب باپ کا نام ہے تو حصہ برابر کا ہے، دوسرے کئی لوگ جو اس زمین میں شریک ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ زمین بڑے بھائی ہی نے خریدی ہے، اور خریدتے وقت انہوں نے یہ کہا تھا کہ یہ زمین میں الگ لے رہا ہوں اور آج تک چھوٹے بھائی کا کوئی ذکر نہیں آیا اور نہ وہ خریدنے، پیسہ دینے، لکھوانے اور بیچنے کے وقت کبھی گیا، اور نہ کسی وقت اس کا ذکر دوسرے شریکوں کے سامنے آیا، آج پھر بڑے بھائی نے چاندی کے ۱۳۷؍روپئے اور دس بارہ چیزوں کا مطالبہ کیا (اتنے روپئے تو بڑے بھائی کے شمار کئے ہوئے تھے، جب کہ روپئے اور بھی تھے) پنچ اکثریت جو آج تک کئی پنچایتوں میں طرف داری کرتی رہی ہے اور خود چھوٹا بھائی بھی کہنے لگا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے، سب تقسیم ہو چکا ہے، مگر چند پنچوں نے اس طرف داری کو نہ مانتے ہوئے خود چھوٹے بھائی

سے اللہ اوراس کے رسول کا حوالہ دیتے ہوئے پوچھا، تو اس نے صرف ۳۷؍روپیوں کا اقرار کیا اور زیور کا اب بھی انکار کررہا ہے، جب پنچوں کے کہنے کے مطابق ایک آدمی روپیہ کھودنے گیا، تو بجائے ۳۷؍ کے ۴۶؍روپئے نکلے۔

اِنہیں پنچوں نے اللہ اوررسول کا حوالہ دیتے ہوئے پوچھا تھا کہ ایمان داری سے بتاؤ کہ تمہارے پاس کچھ روپئے وغیرہ ہیں کہ روپئے ۱۳۷ سے بھی زیادہ ہیں اور زیور بھی ہے، مگر طرف داری کرنے والوں کی اکثریت نے ایک نہ سنی اور زمین کی آدھی رقم کا فیصلہ کردیا اور زیور کو چھوڑتے ہوئے صرف ۲۳؍روپئے دلوائے، جب کہ چھوٹے بھائی کا جھوٹی قسم کھانا ظاہر ہوگیا، چھوٹے بھائی کی چوری ثابت ہوگئی کہ اب تک جھوٹی قسمیں کھاکر گاؤں اوررشتہ داری میں بدنام کرتا رہا کہ چاندی کے روپئے اور زیورات اور سب کچھ ان کے پاس ہے، والد صاحب بڑے بھائی کو دے کر مرے ہیں۔

پنچایت کے روبرو کسی نے بڑے بھائی کو جو کہ عالم ہے، نازیبا کلمات کہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا محض نام کی وجہ سے شرعاً حصہ واجب ہے، جب کہ اس میں ادباً واحتراماً یہ عمل کیا گیا ہے، نیز دوسرے شریک بھی بڑے بھائی کو خریدار بتاتے ہیں، اور یہ آج تک کے عمل سے بھی ظاہر ہے۔ جھوٹی قسمیں کھاکر بھائی کا مال ہڑپ کرنے والے کی امامت درست ہے یا نہیں، اور لوگوں کو اس بات پر اعتماد اور بھروسہ کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوسرے کے نام سے فرضی جائیداد خریدنے سے وہ دوسرا شخص شرعاً مالک نہیں ہوتا؛ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں آپ کی وہ جائیداد جو آپ نے اپنے روپیہ سے والد صاحب کے نام پر خریدی ہے اور اس پر برابر آپ ہی کا قبضہ رہا ہے، تو وہ آپ ہی کی ملک ہے، دیگر وارثین کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳؍۱۳۵)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا

اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ﴾ [النساء، جزء آیت: ۲۹]

وإذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع. (الفتاویٰ التاتارخاية ۲۲۲/۸ زکریا)

وشرطه أمور: منها: التراضي، وحكمه: الملک، وهو في اللغة عبارة عن القوة والقدرة، وفي الشريعة: عبارة عن القدرة على التصرفات في المحل بوصف الأختصاص كذا في المنافع. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲۱۲/۸ زکریا)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملک غيره بلا أذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامنًا. (شرح المجلة لسليم رستم ٦١ رقم: ٩٥ كوئٹه)

أعلم أن اسباب الملک ثلاثة: ناقل كبيع وهبة، وخلافة كإرث، وأصالة وهو الأستيلاء، قوله ناقل: أي من مالک إلى مالک. (الدرالمختار مع الشامي / كتاب الصيد ١٠ /٤٧ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۳/۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مکان خریدتے وقت رجسٹری میں اپنے نام کے ساتھ بیٹے کا نام لکھنا؟

سوال (۱۵۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: باپ کا کاروبار تھا، اس نے ایک مکان خریدتے وقت ساتھ میں اپنے ایک بیٹے کا نام بھی ڈال دیا، وہ بیٹا باپ کی ماتحتی میں ہی کام کرتا تھا، بعد میں اس بیٹے کا کنوارے ہونے کی حالت ہی میں انتقال ہوگیا۔ اب سوال یہ ہے کہ باپ نے اپنے مکان میں جو اس کا نام ڈالا تھا، وہ اس کا مالک ہوا یا نہیں؟ اور اگر مالک ہوگیا تو اب اُس پر کس کا حق ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں چوں کہ کاروبار کا اصل ذمہ دار باپ ہی تھا، اور اس نے کسی مصلحت کے تحت مرحوم بیٹے کا نام ڈالا تھا، تو اس نام ڈالنے کی وجہ سے

بیٹے کی ملکیت نہیں آئی؛ لہٰذا مذکورہ مکان پورا باپ ہی کی ملکیت ہے، وہ اس میں جس طرح چاہے تصرف کرسکتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴۹۳/۳)

عن عمرو شعیب عن أبیه عن جده مرفوعًا قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: أنت ومالک لأبیک الخ. (سنن أبي داؤد، کتاب الإجارة / باب في الرجل یأکل من مال ولده رقم: ۳۵۳۰)

الأب وابنه یکتسبان في صنعة واحدة ولم یکن لهما شيء، فالکسب کله للأب إن کان الإبن في عیاله لکونه معینًا له. (شامي، کتاب الشرکة / مطلب: اجتمعا في دار واحدة واکتسبا ولا یعلم التفاوت فهو بینهما بالسویة ۲/۶ ۵۰ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۳/۹/۱۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بغیر تملیک کے محض قانونی گرفت سے بچنے کے لئے زمین بیوی کے نام لکھنا؟

سوال (۱۵۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کی پہلی بیوی کا انتقال لاولد ہونے کی حالت میں ہوا، اس کے بعد زید نے دوسری شادی کی؛ لیکن دوسری بیوی سے بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی؛ البتہ دوسری بیوی کے پہلے شوہر سے تین اولادیں تھیں: (۱) عمر (۲) بکر (۳) زینب۔ زید نے دوسرے نکاح کے بعد اپنی دوسری اہلیہ کے نام سے ایک زمین خریدی، اپنی بیوی کے نام کرنے کا مقصد تھا کہ اپنے نام کرنے میں جو جھگڑے پیدا ہوتے، اس سے بچنے کے لئے ایسا کیا تھا، ملکیت اپنی ہی رکھی تھی، بیوی کو مالک نہیں بنایا تھا، صرف اس کے نام کردیا تھا، اب اس دوسری اہلیہ کا انتقال ہوگیا، تو کیا وہ زمین مرحومہ کی اولاد کے درمیان تقسیم ہوگی یا وہ زمین زید ہی کی ملکیت میں رہے گی؟ اور اس میں زید کو تصرف کے حقوق حاصل ہوں گے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ صورت میں جب کہ آپ کا بیوی کو مالک بنانے کا کوئی قصد نہ تھا، محض قانونی گرفت سے بچنے کے لئے زمین اس کے نام کرائی تھی، تو ایسی صورت میں اس پر بیوی کی ملکیت ثابت نہ ہوگی، اور وہ زمین بیوی کے وارثین میں تقسیم نہیں کی جائے گی۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۳۶، فتاویٰ رحیمیہ ۹/۲۸۶)

وبيع التلجئة: وهو أن يظهر عقدًا وهما لا يُريدانِه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة؛ بل هو كالهزل. (درمختار) هي ما ألجئَ إليه الإنسان بغير اختياره وذٰلک أن يخاف الرجل السلطان، فيقول لآخر أني أظهر أني بعت وليس ببيع في الحقيقة، وإنما هو تلجئة وليشهد على ذٰلک قوله كالهزل، أي في حق الأحكام. (الدر المختار مع الشامي / باب الصرف، مطلب في بيع التلجئة ٧/٤٢٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۲/۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شوہر کے روپیہ سے زمین خرید کر بیوی کا اپنے نام کرانا؟

سوال (۱۵۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید برسہابرس ہندوستان سے باہر ملازمت کرتے رہے، زید کی فیملی ہندوستان میں تھی، اِس دوران زید کی بیوی فاطمہ نے اپنے شوہر سے زمین خریدنے کی خواہش کی، زید نے منع کردیا کہ زمین خریدنے کی ضرورت کیا ہے؟ مگر فاطمہ کے اصرار پر زید وہاں سے پیسے بھیجتے، اور یہ زمین خرید لیتی، اس دوران جتنی زمین خریدیں، سب فاطمہ اپنے نام لکھواتی رہی، اس پر زید کو کبھی کوئی اعتراض نہیں ہوا؛ کیوں کہ وہ سمجھتے رہے کہ بیوی کے نام گویا میرے نام ہے، اب فاطمہ کہتی ہے کہ میرے شوہر نے یہ ساری جائیداد مجھے دے دی ہے یا یہ کہ میں نے اپنے خرچہ میں سے بچا بچا کر زمین خریدی ہے؛ لہٰذا یہ میری ہے۔ واضح رہے کہ فاطمہ کے پاس ان دنوں کوئی آمدنی کے ذرائع نہیں

تھے، اورشوہرکا کہنا ہے کہ جتنی زمین فاطمہ نے خریدی ہے، ہرموقع پرمیں نے روپئے دئے ہیں۔
اب سوال یہ ہے کہ محض کاغذات کی بنیاد پر یہ ساری جائیداد فاطمہ کی ہوگی یاشوہرکی ملکیت رہے گی،
اورفاطمہ اگر کاغذاتی قوت کی بنیاد پرشوہرکی مرضی کے خلاف جائیداد بیچ ڈالےتو بیع نافذ ہوگی؟ اور
اس کے بدلہ حاصل شدہ رقم فاطمہ کے لئے جائز ہوگی؟ شرعی طور پرکسی بھی جائیداد کی ملکیت کے
لئےمحض کاغذکافی ہیں؟ جس کے نام کاغذ ہےاس کی ملکیت کہلائے گی یا جس کے روپئے سےخریدا
گیاہے،اس کی ملکیت کہلائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں زیدشوہرکےدعویٰ کےمطابق؛ کیوں کہ
اس نےخریدکردہ زمینوں پر بیوی کو مالکانہ حقوق دینے کاانکارکیاہے، اوراس کے انداز سے ایسا
معلوم ہوتاہے کہ وہ بیوی کومحض وکیل کےطور پرسمجھتارہاہے، پس اگروہ اپنے دعویٰ میں سچا ہےتواس
صورت میں مذکورہ جائیدادیں محض بیوی کے نام ہونے سے بیوی کی ملکیت قرارنہیں دی جائے گی،
اورگوکہ ملکی قانون کےاعتبار سے بیوی کو ان میں تصرف کا حق حاصل ہو؛لیکن شریعت کی رو سے
بیوی کے لئے ان جائیدادوں میں شوہرزید کی اجازت کے بغیرکسی طرح کےتصرف کا یا خرید
وفروخت کاحق نہ ہوگا۔

الوكالة إقامة الغير مقام نفسه في تصرف معلوم. (معجم المصطلحات والألفاظ
الفقهية ٣/٤٩٦)

والأصل في هٰذه المسائل أنه إذا أتى بلفظ ينبئ عن تمليك الرقبة يكون
هبة وإذا كان منبئًا عن تمليك المنفعة يكون عارية. (الفتاوىٰ الهندية/ كتاب الهبة ٤/٣٧٦)

قلت: فقد أفاد أن التلفظ بالإيجاب والقبول لا يشترط؛ بل تكفي القرائن
الدالة على التمليك كمن دفع لفقير شيئًا وقبضه ولم يتلفظ واحد منهما
بشيء. (شامي ٨/٤٩٠ زكريا)

وشرط المعقود عليه ستة: كونه موجوداً ...... وكون الملك للبائع فيما

يبيعه لنفسهٖ. (شامي، كتاب البيوع / مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة ۱۵/۷ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۲/۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا محض رجسٹری میں نام لکھوانے سے ملکیت ثابت ہوجاتی ہے؟

سوال (۱۵۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید وبکر (دو بھائی مع اہلیہ) والدین ایک ساتھ رہتے ہیں، زید بحرین میں ملازم ہے، زید کے ایک رشتہ دار نے زید کے لئے زمین خریدی، جس کی کل قیمت زید نے ادا کردی، رجسٹری میں زید کے بھائی بکر کا بھی نام ہے، زمین میں شرعاً بکر کا حق ہوتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں اگر زید نے اپنی ذاتی رقم سے مذکورہ زمین خریدی ہے، اور اس میں کسی مصلحت سے اپنے بھائی بکر کا نام رجسٹری میں ڈلوادیا ہے؛ لیکن اس کا ارادہ بکر کو مالک بنادینے کا نہیں ہے، تو ایسی صورت میں یہ پوری کی پوری زمین شرعاً صرف زید ہی کی سمجھی جائے گی، بکر اس کا مالک نہ ہوگا، اور اگر زید کا ارادہ شروع سے ہی اپنے بھائی بکر کو مالک بنادینے کا تھا تو حکم دوسرا ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۳۶، فتاویٰ رحیمیہ ۹/۲۸۶)

وبيع التلجئة: وهو أن يظهر عقدًا وهما لا يُريدانِه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع في الحقيقة؛ بل هو كالهزل. أي في حق الأحكام. (الدر المختار مع الشامي / باب الصرف، مطلب في بيع التلجئة ۷/۵۴۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۳/۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا مشترکہ زمین کی رجسٹری میں شریکین کے ساتھ کسی اور کا نام آنے سے وہ حصہ دار بن جائے گا؟

سوال (۱۵۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: میرا نام محمد بشیر ولد بھولا میاں ہے، عمر ۵۸/سال۔ عبدالعزیز ولد محمد اسماعیل میرا ماموں زاد بھائی اور برادر نسبتی ہے، عبدالعزیز نے ایک روز مجھ سے کہا کہ مولانا آزاد بنکر کالونی اشوک نگر میں ایک اچھا پلاٹ بکنے والا ہے، امید ہے کہ ستر ہزار روپے میں مل جائے گا، میں پچاس ہزار روپے کا انتظام کرسکتا ہوں، تم حبیب نگر ٹیکہ والا اپنا مکان بیچ کر پچیس ہزار روپیہ کا انتظام کرلو، تو ہم دونوں مل کر وہ پلاٹ خرید لیں گے، میں نے عبدالعزیز کی اس تجویز کو منظور کرلیا، اور ہم متفق ہو گئے، عبدالعزیز نے کہا کہ میں اس پلاٹ کا سودا کرتا ہوں اور اگر پٹ گیا تو کچھ بیعانہ دے کر چند مہینہ کی مہلت لے لیتا ہوں، اور تم اپنا مکان بیچنے کی کوشش میں لگ جاؤ۔

عبدالعزیز نے اس پلاٹ کا سودا ۶۹/ ہزار روپیہ میں طے کرلیا، اور بیعانہ دے کر چند ماہ کی مہلت لے لی، خدا کے فضل سے میرا مکان بھی جلد ہی بک گیا اور میں نے ۲۵/ہزار روپیہ بھائی عبد العزیز کو دے دیا، اس پلاٹ کا رقبہ ۳۹۰۰/مربع فٹ ہے، یہ غالباً ۱۹۸۵ء کا واقعہ ہے، عبدالعزیز نے بینک سے قرض لے کر ۸۸-۱۹۸۷ء میں اس پلاٹ پر ایک مکان بنوایا، جس میں اس کے چھ پاورلوم چلتے ہیں، ایک حصہ میں رنگ کھاتہ ہے، جہاں سوت کی رنگائی ہوتی ہے، چار دوکانیں نکالی گئی ہیں جو کرایہ پر دی گئی ہیں، اور ان دوکانوں سے دو ہزار روپیہ ماہوار کرایہ وصول ہوتا ہے، جو انہی کے پاس جاتا ہے، اس کے علاوہ ایک عارضی کمرہ ہے جو تین سو روپیہ ماہوار پر دیا گیا ہے، جو کھلی جگہ ہے وہ بھی انہی کے استعمال میں ہے، مجھے اس پلاٹ پر صرف 12 × 10 مربع فٹ جگہ دی گئی ہے، جس میں میرے صرف دو پاورلوم چلتے ہیں۔

اس پلاٹ کی رجسٹری عبدالعزیز کے اور میرے نام پر ہونی چاہئے تھی؛ لیکن رجسٹری کے دن مجھے معلوم ہوا کہ جس سرکاری اسٹامپ پر رجسٹری ایک دن پہلے ہی لکھوائی گئی تھی اس میں عبدالعزیز اور اس کے پانچ دیگر بھائیوں کے نام ہیں، اور ایک نام میرا ہے، اس بارے میں مجھ سے کوئی مشورہ نہیں کیا گیا تھا، چوں کہ ہمارے تعلقات بہت قریبی اور بہت اچھے تھے، اس لئے مجھے ایسا کوئی خدشہ محسوس نہیں ہوا کہ میرے ساتھ کوئی ناانصافی کی جائے گی، میں نے یہ سوچا کہ ان

سب بھائیوں کا کاروبار مشترک ہے؛ اس لئے عبدالعزیز نے اپنے دیگر بھائیوں کا نام ڈالا ہوگا کہ ان بھائیوں کوکوئی اعتراض نہ ہو۔

اب عبدالعزیز اوران کے پانچ بھائیوں کا کہنا ہے کہ اس پلاٹ کے سات حصے ہوں گے، اور مجھے محمد بشیر کوصرف ساتواں حصہ ملے گا، میرا مطالبہ یہ ہے کہ پلاٹ کی زمین کے صرف تین حصے ہوں گے، اس میں سے ایک حصہ میرا ہوگا اور دو حصے عبدالعزیز کے ہوں گے، اب عبدالعزیز نے جو اپنے بھائیوں کے نام ڈالیں ہیں وہ عبدالعزیز کے حصہ میں سے اپنا اپنا حصہ لے سکتے ہیں یانہیں، اوراس پلاٹ میں میرے حصہ کی جوز مین عبدالعزیز کے استعمال میں ہے اوراس سے جوآمدنی آج تک ہوئی ہے اس میں میرا حصہ بنتا ہے یانہیں؟ دریافت طلب امر یہ ہے کہ میں اپنے مطالبہ میں شرعاً وقانوناً حق بجانب ہوں یانہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برتقدیرِ صحتِ سوال مسئولہ صورت میں جب کہ ۶۹/ ہزار کی زمین میں ۲۵/ ہزار روپئے آپ کے شامل ہیں، تو اسی تناسب سے تہائی سے کچھ زائد حصہ کے آپ مالک سمجھے جائیں گے، اوراس حصہ میں کسی دوسرے کا کوئی حق نہ ہوگا، محض رجسٹری کرانے سے عبدالعزیز کے دیگر بھائی اس میں شرعاً شریک نہ ہوں گے؛ البتہ اس دوران عبدالعزیز نے آپ کے حصہ سے جونفع کمایا ہے اس کے آپ مستحق نہیں ہیں۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه رفعه قال: إن اللّٰه عزوجل يقول: أنا ثالث الشريكين مالم يخن أحدهما صاحبه، فإذا أخانه خرجت من بينهما. رواه أبوداؤد، وزاد رزين: وجاء الشيطان. (سنن أبي داؤد رقم: ۳۳۸۳ المشكاة على هامش المرقاة ۱۲۶/۶ رقم: ۲۹۳۳ دارالكتب العلمية بيروت)

عن السائب من يزيد عن أبيه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا يأخذ أحدكم عصا أخيه لاعباً جاداً، فمن أخذ عصا أخيه فليردها إليه. (سنن الترمذي رقم: ۲۱۶۰،

سنن أبي داؤد رقم: ٣٠٠٥، مسند أحمد ٢٢١/٤، مرقاة المفاتيح ١٣٦/٦ رقم: ٢٩٤٨ دارلكتب العلمية بيروت)

وأما الشركة بحسب الختلاط، فإذا أذن كل واحد لصاحبه في التصرف، فما حصل من الربح يكون بينهما على قدر المالين، فتسمى شركة العنان. (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع / باب الشركة والوكالة ١٢١/٦ دارالكتب العلمية بيروت)

بخلاف الشركة حيث لا يملكها ...... وبهٰذا علم أنه ليس للشريک أن يشارک. (البحر الرائق / كتاب الشركة ١٧٨/٥ كراچی)

ولا يضمن الغاصب منافع ما غصبه ......، ولا نسلم أنها متقومة في ذاتها متقوم ضرورة عند ورود العقد ولم يوجد العقد. (الهداية ٣٦٧/٣-٣٦٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۸/۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رجسٹری فیس سے بچنے کے لئے زمین کی فرضی قیمت لکھانا؟

سوال (۱۵۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا رجسٹری کے وقت سرکاری فیس سے بچنے کے لئے زمین کی اصل قیمت کو چھپا کر ایک فرضی اور معمولی قیمت کو متعین کر کے رجسٹرڈ کرنا جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیع میں اصل قیمت وہ ہوتی ہے جو عاقدین کی رضامندی سے آپس میں زبانی طے ہو، اب اگر رجسٹری فیس سے بچنے کے لئے تحریر میں کچھ کم رقم لکھوائی، تو اس سے اصل معاملہ پر کوئی فرق نہ پڑے گا؛ لہٰذا فی نفسہٖ اس تدبیر میں کوئی حرج نہیں ہے۔

والأثمان المطلقة لا تصح إلا أن تكون معروفة القدر والصفة. (الهداية / كتاب البيوع ٤/٣)

قوله: إلا أن تكون الخ، وصورة الأثمان المطلقة قبل بيان القدر والصفة، ما

إذا قال: اشتريت هٰذا الشيء بالذهب ولم يبين قدره ولا وصفه، وكذا لو قال بالدراهم: وبيان القدر أن يقول: عشرة أو خمسة، وبيان الصفة أن يقول: بخاری سمرقندي. (الكفاية شرح الهداية ٥/ ٤٦٨-٤٦٩ بحواله: التعليقات على الهداية ٥/٨ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۱۱/۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رجسٹری کے بعد بائع کا زمین اپنے قبضہ میں رکھ کر کرایہ وصول کرنا؟

سوال (۱۵۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے ایک زراعت کی زمین ۵۰/ لاکھ روپئے کی غیر مسلم سے خریدی۔ پیسہ دے دیا، رجسٹری بھی کرالی۔ اس شرط پر کہ جب غیر مسلم کے پاس ۵۰/ لاکھ روپئے آئیں گے، تو غیر مسلم زید کو پیسہ دیدے گا، اور اپنی زمین واپس لے لے گا، اور جب تک پیسہ نہیں دے گا، وہاں تک ماہانہ زمین کا ۵۰/ ہزار روپیہ کرایہ دے گا۔ زمین غیر مسلم کے قبضہ میں ہی ہے، رجسٹری اگرچہ زید کے نام کرادی، تو کیا اس طرح معاملہ کرنا درست ہے؟ زید غیر مسلم سے ماہانہ کرایہ لے سکتا ہے؟ کسی نے زید سے منع کیا، تو زید کا کہنا ہے کہ ہندوستان دار الحرب ہے۔

(۲) غیر مسلم نے زید سے اس زمین کو ماہانہ ۵۰/ ہزار کرایہ پر لے لی، حالاں کہ اس علاقے میں اتنی زمین کا کرایہ ۵۰/ ہزار سالانہ چلتا ہے، تو کیا اس طرح کرائے پر دینا جائز ہے؟

(۳) مسئلہ مذکورہ میں غیر مسلم نے زید کو زمین کا قبضہ دیا ہی نہیں ہے، صرف پیسہ لے کر شرطیہ رجسٹری کرالی ہے۔ قبضہ غیر مسلم کا ہی ہے اور ۵۰/ ہزار روپیہ کرایہ دیتا ہے۔

(۴) زید نے غیر مسلم سے ۵۰/ لاکھ روپیہ میں اس شرط کے ساتھ زمین خریدی کہ جب میرے پاس پیسے آئیں گے، تو یہ زمین ۵۰/ لاکھ میں ہی تجھے مجھ کو لوٹانی پڑے گی، تو کیا اس شرط کے ساتھ خریدنا جائز ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲-۳) اگر اصل بیع کے ساتھ بھی یہ شرط لگی ہوئی

ہے کہ بائع رجسٹری کرانے کے باوجود مذکورہ زمین اپنے ہی قبضہ میں رکھے گا اور اس کا مقررہ ماہانہ کرایہ ادا کرتا رہے گا۔ تو یہ معاملہ ''صفقةٌ في صفقةٍ'' (ایک معاملہ میں دوسرا معاملہ مشروط کرنا) ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ نیز حقیقت کے اعتبار سے اس میں شئ مرہون سے انتفاع کا شبہ بھی پایا جاتا ہے، اس لئے زید کو کرایہ سے جو آمدنی ہوگی وہ اس کے لئے حلال نہ ہوگی اور ہندوستان میں غیر مسلموں کے ساتھ بھی عقودِ فاسدہ اِسی طرح ناجائز ہیں، جس طرح مسلمانوں کے ساتھ ناجائز ہیں، فتویٰ اسی پر ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن بيعتين في بيعة. (سنن الترمذي ٢٣٣/١)

عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن صفقتين في صفقة واحدة. (المسند لإمام أحمد ٣٩٨/١ رقم: ٣٧٨٢)

عن عائشة رضي اللّٰه عنه قالت: قال رسو ل اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ما بال أناس يشترطون شروطًا ليس في كتاب اللّٰه من اشترط شرطًا ليس في كتاب اللّٰه فهو باطل، وإن شرط مأة شرط شروط اللّٰه أحق وأوسق. (صحيح البخاري ٢٨٨/١ رقم: ٢١٠٧)

عن فضالة ابن عبيد رضي اللّٰه عنه صاحب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه من الربوا. (إعلاء السنن ٥٠١/٤، فيض القدير رقم: ٦٣٣٦)

وإن كان الشرط شرطًا لم يعرف ورود الشرع بجوازه في صورة وهو ليس بمتعارف إن كان لأحد المتعاقدين فيه منفعة أو كان للمعقود عليه منفعة والمعقود عليه من أهل أن يستحق حقًا على الغير، فالعقد فاسد وتفسير منفعة المعقود عليه ما قال في الكتاب إذا باع عبدًا بشرط أن لا يبيعه ولا يهبه ولا يخرجه عن ملكه بوجه من الوجوه وفي هٰذا الشرط منفعة المعقود عليه وتفسير منفعة أحد

الـمتـعاقدين أن يقول البائع للمشتري: اشتره على أن أهب لک کذا أو أقرضک کذا فالبيع فاسد أيضًا. (الفتاویٰ التاتارخانية ۴۱۰/۸ - ۴۱۱، مجمع الأنهر ۹۱/۳، تبيين الحقائق ۳۹۲/۴)

لأن زيادة منفعة مشروطة في البيع تكون ربا؛ لأنها زيادة لا يقابلها عوض في عقد البيع، وهو تفسير الربوا، والبيع الذي فيه الربوا فاسد أو فيه شبهة الربا وإنها مفسدة للبيع كحقيقة الربا؛ وهٰذا لأن فساد البيع في مثل هٰذه الشروط لتضمنها الربا، وذٰلک بزيادة منفعة مشروطة في العقد لا يقابلها عوض. (بدائع الصنائع ۳۷۷/۴- ۳۷۹)

لا انتفاع به مطلقًا لا باستخدام ولاسكنى ولا لبسى ولا إجارة ولا إعارة، سواء كان من مرتهن أوراهن إلا باذن كل للآخر، وقيل: لا يحل للمرتهن؛ لأنه ربا، وقيل إن شرطه كان ربا وإلا لا (درمختار) وفي الشامي: قال في المنح: وعن عبد اللّٰه محمد بن أسلم السمرقندي وكان من كبار علماء سمرقند أنه لايحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه، وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفی دينه كاملا فتبقى له المنفعة فضلا فيكون ربا، وهٰذا أمر عظيم، قلت: والغالب من أحوال الناس أنهم إنما يريدون عند الدفع الانتفاع ولولاه لماأعطاه الدرهم وهٰذا بمنزلة الشرط؛ لأن المعروف كالمشروط، وهو مما يعين المنع، أقول أهدى المستقرض للمقرض إن كانت بشرط كره ويؤ يده قوله الشارح الآتی آخر الرهن أن التعليل بأنه ربا يفيد أن الكراهة تحريمية. (الدر المختار مع الشامي ۸۲/۱۰- ۸۳ زكريا)

(۴) یہ بیع الوفاء کی ایک شکل بن سکتی ہے،اس کی فقہاء نے ضرورۃً اجازت دی ہے۔

بيع المعاملة وبيع الوفاء واحد وأنه بيع فاسد؛ لأنه بيع بشرط لا يقتضيه العقد وأنه يفيد الملک عند اتصال القبض به كسائر البيوع الفاسدة مذكورة في فتاویٰ أبي بكر بن الفضل. (الفتاویٰ السراجية ۴۲۲)

وقيل: بيع يفيد الانتفاع به، وفی إقالة شرح المجمع عن النهاية وعليه الفتویٰ. (الدر المختار ۴۲۵/۷ زكريا)

والأصح عندي أنه بيع فاسد يوجب الملك بعد القبض، وحكمه سائر البيوعات الفاسدة؛ لأنه بيع بشرط لا يقتضيه العقد، وقد نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيع وشرط. (حاشية چلپی علی تبيين الحقائق ۲۳۸/۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۶/۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زمین فروخت کرنے کے بعد پرانی قیمت پر مشتری سے اِقالہ کرنا

سوال (۱۵۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اختری بیگم نے آج سے بارہ سال پہلے عبدالغنی سے ایک قطعہ اراضی چوبیس گز جگہ خرید کر اپنے داماد محمد عمر کے نام کرکے مالک بنا دیا تھا، اب عبدالغنی کے دوسرے لڑکے محمد فاروق اور محمد عثمان غنی یہ کہتے ہیں کہ عبدالغنی نے جو مکان بارہ سال پہلے اختری بیگم کو ۲۷ر ہزار میں بیچا تھا، وہ ۲۷ر ہزار روپئے واپس لے لو، اور ہمیں ہمارے والد کی زمین واپس کردو۔ تو کیا یہ اس طرح بیچی ہوئی زمین کو ان کی رضامندی کے بغیر واپس لینا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ خریدنے والی اختری بیگم کا پانچ سال پہلے انتقال ہو چکا ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حسبِ تحریر سوال جب کہ بارہ سال پہلے عبدالغنی نے ۲۷ر ہزار روپئے کے بدلے میں اپنی ۲۴ر گز اراضی اختری بیگم کے ہاتھ فروخت کردی تھی، اور اختری بیگم نے وہ زمین اپنے داماد محمد عمر کے نام کرکے اسے مالک بنا دیا تھا، تو اب بعد میں عبدالغنی کے لڑکوں کو یہ حق نہیں ہے کہ محمد عمر کی مرضی کے بغیر پرانی قیمت پر اس جگہ کو واپس لینے کا مطالبہ کریں؛ البتہ اگر محمد عمر اس مطالبہ پر خود راضی ہو تو اُسے اختیار ہے۔

وشرط صحة الاقالة رضا المتقائلين. (الفتاویٰ الهندية ۱۵۷/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۱۴۳۵/۵/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حقوق کی بیع

حقِ تعلّی کو بیچنا

سوال (۱۵۹):-کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زمین کے مالک نے زمین پر گھر بنایا اوپر مزید کالم بڑھا کر چھت ڈال دی، یعنی سلیپ بھی ہوگیا، بندہ نے اس ڈھانچہ کو ڈیڑھ لاکھ میں خریدا، اور یہ طے ہوا کہ یہ مالک زمین اپنے ٹھیکے دار سے مزید ایک لاکھ میں مکمل گھر بنادے گا کمرے وغیرہ، اور جیسے جیسے کام ہوتا رہے گا بندہ سے روپیہ لیتے رہیں گے، معمولی کام نیچے کا باقی ہے، گراونڈ فلور مالک مکان کا ہے، اور خود بھی رکھ سکتے ہیں، کسی اور کو بھی دے سکتے ہین، میرے نام خریداری اس ڈھانچے کے وقت ڈیڑھ لاکھ میں ہوئی، اور اس خریداری کاغذ میں یہ لکھا گیا ہے کہ نیچے کی اصل زمین میں اوپر والوں کا بھی برابر کا حق ہوگا؛ تا کہ بلڈنگ گرجانے کے وقت اوپر والے خالی ہاتھ نہ رہ جائیں، عموماً یہاں پر تین چار منزلہ عمارت ہوتی ہے، حاصل یہ کہ اوپر جو فلیٹ ہے اس کا میں مالک ہوں، اس کو بیچ بھی سکتا ہوں، ایسے ہی اوپر کا ٹیرسٹ سب سے اوپر والے کے استعمال میں رہے گا، گاہے گاہے نیچے والے استعمال کریں گے، سب سے اوپر پانی کی ٹنکی اور زینہ سب کا مشترک رہے گا، نیچے کا کمرہ بندہ کے اب تک اس پر مع خریداری کے ڈھائی لاکھ سے زائد لگ چکے ہیں، ایک طالب علم کے اشکال پر بندہ متوجہ ہوا، اس کا کہنا ہے کہ یہ سب بیع فاسد کا معاملہ ہے۔

اب مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ خریداری جائز ہوئی یا نہیں؟ اگر بیع فاسد ہوئی تھی تو اب میرے ان تصرفات کی بناء پر بندہ اس فلیٹ کا مالک کامل طریقہ پر ہوگیا یا نہیں؟ آئندہ میں اپنا فسٹ فلور والا فلیٹ بیچنا چاہتا ہوں تو بیچنے کی کیا شکل صحیح ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: یہاں دو چیزیں ایک تو وہ مٹیریل جو فلیٹ یا مکان میں لگتا ہے اس کا خریدنا، بیچنا اور تصرف میں لانا، سب بلاشبہ جائز ہے؛ کیوں کہ یہ مال ہے، دوسری چیز ہے اصل زمین (گراونڈ فلور) اور تعمیری سامان (جو فسٹ فلور کے فلیٹ میں لگا ہے) کے بغیر صرف حق تعلی (اوپر رہنے کا حق) فروخت کرنا اس کو عام فقہی عبارتوں میں ناجائز کہا گیا ہے۔ علامہ کاسانیؒ ایک جزئیہ لکھتے ہیں:

سفل وعلو بين رجلين إنهدما فباع صاحب العلو علوه لم يجز؛ لأن الهواء ليس بمالٍ. (بدائع الصنائع ۱٤٥/٥)

مگر اس دور کے معتبر اور محقق عالم ومفتی حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے فقہی عبارتوں پر غور وخوض کر کے حق مرور میں جواز بیع کو پیش نظر رکھ کر یہ رائے قائم فرمائی ہے کہ حق تعلّی وغیرہ بھی چند شرائط مثلاً:

(۱) وہ حق فی الحال ثابت ہو۔

(۲) وہ حق اصالۃً ثابت ہو۔

(۳) وہ حق قابلِ انتقال ہو۔

(۴) اس کی تجدید ممکن ہو اور وہ مستلزم جہالت نہ ہو۔

(۵) اور تاجروں کے لین دین میں اس کی حیثیت اموال واعیان کی ہو) کے ساتھ بیچا جاسکتا ہے۔ (فقہی مقالات ۱۹۲/۱)

موجودہ دور میں تعمیر شدہ فلیٹوں کی خرید وفروخت میں تو اشکال ہی نہیں؛ کیوں کہ وہ تعمیر کی بیع قرار دی جاسکتی ہے، اور غیر تعمیر شدہ وہ فلیٹ جس کے نیچے کی منزل تعمیر ہو چکی ہو، اس میں شرائط جواز پائے جانے کی صورت میں جواز کا فتویٰ دیا جاسکتا ہے، اور آپ نے جو صورت تحریر فرمائی ہے اس میں جواز کی سبھی شرطیں پائی جاتی ہیں؛ کیوں کہ اوپر کے فلیٹ کا ڈھانچہ موجود ہے؛ لہٰذا مفتی

صاحب موصوف کی رائے کے مطابق آپ مذکورہ فلیٹ کے کلی طور پر مالک ہیں اور جب چاہیں اسے دوسرے کے بدست فروخت کرنے کے بھی مجاز ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ:احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۵/۱۲/۳ھ

الجواب صحیح:شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کتاب کی طرح کیسٹ اور سی ڈی کے جملہ حقوق محفوظ کرنا؟

سوال (۱۶۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا جملہ حقوق محفوظ کرنا ازروئے شرع جائز ہے، اگر ہے تو کیا حقوقِ طباعت کتب کے ساتھ ساتھ کیسٹ وغیرہ کے حقوق کا حکم بھی یکساں ہے یا کچھ فرق ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مصنف کو اپنی کتاب کے جملہ حقوق محفوظ کرانا شرعاً جائز ہے، اسی طرح کیسٹ اور سی ڈی کے حقوق بھی محفوظ کرائے جاسکتے ہیں۔ (مستفاد: فقہی مقالات ۱/۲۲۵، فتاویٰ رحیمیہ ۳/۲۴۳)

عن أسمر بن مضرس رضي اللّٰه عنه قال: أتيت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فبايعته، فقال: من سبق إلى ماء لم يسبقه إليه مسلم فهو له. (سنن أبي داؤد ۲/۴۳۷)

وإن كان العلامة المناوي رحمه اللّٰه تعالىٰ رجّح أن هٰذا الحديث وارد في سياق إحياء الموات، ولكنه نقل عن بعض العلماء أنه يشمل كل عين وبئر ومعدن، ومن سبق لشيء منها، فهي له، ولا شك أن العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب. (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، بيع الحقوق المجردة / حق الابتكار وحق الطباعة ۱۲۱-۱۲۲ دار العلوم كراچی)

والمؤلف قد بذل جهدًا كبيرًا في إعداد مؤلفه، فيكون أحق الناس به، سواء فيما يمثل الجانب المادّي وهو الفائدة التي يستفيدها من علمه، أو

الجانب المعنوي وهو نسبة العمل إليه. (الفقه الإسلامي وأدلته، القسم الثاني: النظريات الفقهية / المبحث الرابع: أحكام الحق، حق التاليف والنشر والتوزيع ٤/٢٨٦٦ رشيدية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۳؍۷؍۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جملہ حقوق محفوظ شدہ کتابوں کی فوٹو کاپی کرانا

سوال (۱۶۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: یہ تو معلوم ہے کہ جملہ حقوق محفوظ شدہ کتب کی طباعت محفوظ کرنے والے کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے، تو کیا اس کتاب کی فوٹو اسٹیٹ کرنا بھی جائز نہ ہوگا، اگر جائز ہے تو طباعت اور فوٹو اسٹیٹ میں کیا فرق ہے؟ ان دونوں کی حقیقت کے بارے میں مطلع فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حقوق محفوظ والی کتاب کا فوٹو اسٹیٹ کرانا یا اپنی ضرورت کے لئے کسی خرید کردہ کیسٹ کی نقل کرانا شرعاً یا اخلاقاً یا قانوناً کسی بھی طرح ممنوع نہیں ہے؛ کیوں کہ اس سے حقوق محفوظ کرانے والے کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا، ضرر اس وقت پہنچتا ہے جب کہ کتاب کو باقاعدہ طبع کرا کے یا کیسٹ کو سیکڑوں کی تعداد میں نقل کرا کے بازار میں فروخت کیا جائے۔ (تفصیل دیکھئے: فقہ البیوع، للشیخ المفتی محمد تقی العثمانی ۲۸۶ مکتبہ معارف القرآن کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۳؍۷؍۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سی ڈی کا کوڈ توڑ کر اُس کی بلا اجازت کاپی کرنا؟

سوال (۱۶۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دورِ جدید میں کمپیوٹر ہر ہر خطہ میں پھیلتا جارہا ہے، اُس کی ایک سی ڈی کیسٹ ہوتی ہے، جو عام ٹیپ ریکارڈ کی کیسٹ کی طرح ہوتی ہے، اِسی طرح اسے بھی ریکارڈ (رائٹ) کرکے دس بنائی

جاسکتی ہے، اور اس کی اصل کاپی تیار کرنے میں کسی ایک آدمی کی سالہا سال کی محنت صرف ہوتی ہے، اور وہ بہت ساری کیسٹ بنا کر اسے ۱۲/۱۰ یا ۱۵/ ہزار روپیہ میں ایک کیسٹ بیچتا ہے، اور اسے ریکارڈ رائٹ کرنے میں صرف ڈیڑھ دوسو روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے، تو صرف ڈیڑھ دوسو روپیہ خرچ کرکے ۱۵/ ہزار روپیہ کا فائدہ اٹھانا اس کے لئے جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہو تو یہ بھی بتائیں کہ ٹیپ ریکارڈ کی کیسٹ اور مذکورہ کمپیوٹر کی کیسٹ کے مابین حکما کچھ فرق ہے یا نہیں؟

نوٹ :- معلوم نہیں کہ اس اصل کاپی تیار کرنے والے نے اپنے حقوق محفوظ کئے یا نہیں، مگر قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حقوق محفوظ ہیں۔

نیز آج اس کمپیوٹر کے دور میں اس طرح کی کیسٹ کی ضرورت ہر کمپیوٹر داں کو پیش آتی ہے، اور سب نے صرف ڈیڑھ سو روپیہ سے ہی اپنی ضرورت پوری کرتے ہیں؛ لہٰذا مذکورہ سوالات کا جواب دلائلِ فقہیہ سے دے کر ممنون فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سی ڈی کیسٹ اور ٹیپ ریکارڈ کیسٹ میں کچھ فرق ہے، ٹیپ ریکارڈ کیسٹ کا حال تو یہ ہے کہ جو شخص بھی چاہے اُس کو اپنے ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ دوسری کیسٹ میں منتقل کرسکتا ہے؛ لیکن سی ڈی کیسٹ بھر کر اس کو محفوظ کرنے والا شخص اپنے تحفظ کے واسطے سی ڈی کھولنے کے لئے کچھ کوڈ نمبرات مقرر کرتا ہے، جب تک ان کوڈ نمبرات کا علم نہیں ہوگا، اس سی ڈی کو کمپیوٹر کے ذریعہ دوسری سی ڈی یا فلاپی میں منتقل نہیں کیا جاسکتا، گویا کہ جس سی ڈی کے حقوق محفوظ ہوتے ہیں، اس کا کوڈ عام لوگوں کے لئے نامعلوم ہوتا ہے، جب تک اس کوڈ کا علم نہ ہوجائے وہ سی ڈی خود بخود محفوظ سمجھی جاتی ہے۔ یہ بات ٹیپ ریکارڈ کی کیسٹ یا کتابوں میں نہیں پائی جاتی؛ لہٰذا ایسی سی ڈی کیسٹ جب تک محفوظ رہے (یعنی اس کا کوڈ معلوم نہ ہو) اس کی کاپی کرنا یا اس کی کاپی کرنے کی کوشش کرنا کسی کے لئے جائز نہ ہوگا، اور جو شخص کسی طرح چوری چھپے کوڈ معلوم کرکے اس کے تالے کو توڑ دے گا، وہی اس کا حق تلف کرنے والا سمجھا جائے گا؛ لیکن اس کا کوڈ

ٹوٹ جانے کے بعد جب اس کی شہرت عام ہوجائے تو جو لوگ اس کی کاپیاں کریں گے یا کاپی شدہ سی ڈی خریدیں گے، ان کو کوئی گناہ نہ ہوگا؛ کیوں کہ کوڈ معلوم ہونے سے سی ڈی کا تحفظ خود بخود ختم ہوچکا ہے، اور اب وہ سی ڈی بنانے والے کے حق کو تلف کرنے والے نہیں کہلائیں گے۔

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا ضرر ولا ضرار من ضار ضاره الله ومن شاق شاقه الله عليه. (المستدرك للحاكم ٦٧١/٢)

بخلاف المشتري شراء فاسدًا إذا باعه من غيره بيعًا صحيحًا؛ فإن الثاني لا يؤمر بالرد، وإن البائع مامور به؛ لأن الواجب للرد قد زال ببيعه. (شامي ٣٠٠/٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۳/۷/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۵/ ہزار روپئے ماہانہ کے بدلے پھیری کا حق فروخت کرنا؟

سوال (۱۶۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں نے پونہ میں ایک پھیری نکالی ہے، بہت محنت کرکے دوکان داروں کو اپنا سامان دینے کے لئے مقرر کیا ہے، میں کبھی ایسا کر لیتا ہوں کہ دو چار مہینے کے لئے جب گھر آتا ہوں تو کسی کو اس پھیری کے لئے طے کر دیتا ہوں کہ آپ مجھے ہر مہینہ پانچ ہزار روپئے دینا، اس سے اوپر جتنا آپ کمائیں وہ آپ کا ہے، کیا میرا یہ طریقہ صحیح ہے؟ اور بہت پھیری والے ایسا کرتے ہیں اور آپسی رضامندی سے طے کرتے ہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پھیری کے حق کو متعین قیمت مثلاً پانچ ہزار روپئے پر بیچنا جائز نہیں ہے؛ البتہ جواز کی شکل یہ نکل سکتی ہے کہ آپ اپنی غیر موجودگی میں پھیری کرنے

والے کے ساتھ شرکتِ وجوہ کے اعتبار سے نفع میں کسی حصہ فیصدی کے شریک بن جائیں، مثلاً بیس یا تیس فیصدی نفع آپ کا ہوگا، بقیہ پھیری کرنے والے کا ہوگا، تو یہ معاملہ درست ہوجائے گا۔

لا یجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردة علی الملک، قال في البدائع: الحقوق المجردة لا تحتمل التملیک. (شامي ۳۳/۷ زکریا)

أما شرکة الوجوه فهو أن یشترکا ولیس لهما مال لکن لهما وجاهة عند الناس، فیقولا: اشترکنا علی أن نشتري بالنسیئة ونبیع بالنقد علی أن ما رزق اللّٰه سبحانه وتعالیٰ من ربح فهو بیننا علی شرط کذا، کذا في البدائع ...... (الفتاویٰ الهندیة ۳۲۷/۲)

وشرطها أي شرط العقد عدم ما یقطعها کشرط دراهم مسماة من الربح لأحدهما. (الدر المختار مع الشامي ۴۷۴/۶-۴۷۵ زکریا)

ومقتضی ذٰلک أن یجوز النزول عن حق الابتکار أو حق الطباعة لرجل آخر بعوضٍ یأخذه النازل، لکن هٰذا إنما یتأتی في أصل حق الابتکار وحق الطباعة، أما إذا قرن هٰذا الحق بالتسجیل الحکومي الذي یبذله المبتکر من أجله جهده وماله ووقته، والذی یعطي هٰذا الحق مکانة قانونیة تمثلها شهادة مکتوبة ید المبتکر وفي دفاتر الحکومة، وصارت تعتبر في عرف التجار مالاً متقومًا، فلا یبعد أن یصیر هٰذا الحق المسجّل ملحقًا بالأعیان والأموال بحخکم هٰذا العرف السائر، وقد أسلفنا أن للعرف مجالاً في إدراج بعض الأشیاء في حکم الأموال والأعیان؛ لأن المالیة – کما حکینا عن ابن عابدین رحمه اللّٰه تعالیٰ – تثبت بتمول الناس، وأن هٰذا الحق بعد التسجیل یحرز إحراز الأعیان ویُدّخر لوقت الحاجة إدخار الأموال.

(بحوث في قضایا فقهیة معاصرة، بیع الحقوق المجردة / حق الابتکار وحق الطباعة ۱۲۲ دار العلوم کراچی)

والقول بجواز الاعتیاض عن حق المؤلف بالمال لا یتعارض مع نص، إنما یتعارض مع القیاس، والقیاس یترک بالعرف العام باتفاق العلماء. هٰذا إذا

سلمنا أن حق المؤلف عن الحقوق المجردة، وهٰذا غير مسلّم إنما المسلّم والمقرر أنه من القسم الثاني من الحقوق التي تثبت لأصحابها ابتداءً، فلا يكون القول بجواز الاعتياض بالمال متعارضًا مع نص ولا مع قياس. (حق الابتكار في الفقه الإسلامي المقارن ١٨٠ مؤسسة الرسالة بيروت، وكذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي ١٢١/٢ رقم المادة ٢١٦، بحواله: تعليقات فتاویٰ محمودیة ١٨٦/١٦ ڈابھیل)

ذكر العلامة خالد الأتاسي شراح المجلة أنه إذا كانت الحقوق المجردة لا يجوز بيعها عند الحنفية؛ فإنهم يجيزون الاعتياض عنها عن طريق الصلح حيث قال: وعلى ما ذكروه من جواز الاعتياض عن الحقوق المجردة بمال ينبغي أن يجوز الاعتياض عن حق التعلّي، وعن حق الشرب، وعن حق المسيل بمال؛ لأن هٰذه الحقوق لم تثبت لأصحابها لأجل دفع الضرر عنه؛ بل ثبتت لهم ابتداءً بحق شرعي. (شرح المجلة للأتاسي ١٢١/٢، بحوالة: بحوث في فقه المعاملات المالية المعاصرة ٤١٠ دار البشائر الإسلامية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۲/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حقوق کی بیع کی بعض صورتیں

سوال (۱۶۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل بڑے شہروں میں یہ طریقہ رائج ہے کہ:

الف: - کوئی شخص میڈیکل اسٹوروں پر دوائی سپلائی کرتا ہے اور مثلاً اس کے سو دوکانوں سے روابط ہیں، اور اس نے لمبی محنت کرکے ان دوکانوں سے ربط پیدا کیا ہے، اب اگر وہ اس جگہ کو چھوڑ کر کہیں اور جانے کا ارادہ کرتا ہے تو ان متعینہ سو دوکانوں کی سپلائی کو کسی دوسرے کے ہاتھ متعین قیمت پر فروخت کرکے چلا جاتا ہے، گویا کہ وہ سپلائی کے حق کی قیمت دوسرے سے وصول کرتا ہے۔

ب:- کوئی بڑی بلڈنگ جس میں دسیوں فلیٹ ہوتے ہیں، جب تیار ہوتی ہے تو اخبار کا ہاکر اس کے منتظم سے بات کر کے یہ طے کرالیتا ہے کہ ان سب فلیٹوں میں اخبار ڈالنے کا حق میرا ہوگا، چناں چہ جب وہ فلیٹ آباد ہوتے ہیں تو یہی ہاکر ان کی طلب پر اخبار ڈالتا ہے، اور دوسرے ہاکر کو وہاں آنے کی اجازت نہیں ہوتی، پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہ ہاکر اس جگہ کام کرنے سے ہٹنا چاہتا ہے تو مذکورہ بلڈنگ میں اپنے اخبار ڈالنے کے حق کو کسی دوسرے شخص کی طرف معقول معاوضہ لے کر منتقل کردیتا ہے۔

ج:- اسی طرح بیکری کے پھیری لگانے والے لوگ اپنی ایک لائن بناتے ہیں اور بعد میں اس لائن کو دوسرے کے ہاتھ عوض لے کر فروخت کردیتے ہیں، وغیرہ۔ تو ان رائج صورتوں کے پیش نظر سوال یہ ہے کہ:

(۱) مذکورہ مروجہ معروف حقوق کے بدلہ میں عوض لینا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

(۲) اور اگر کسی نے اس طرح عوض لے لیا ہو تو وہ اب اس رقم کا کیا کرے؟

(۳) کیا عرفِ عام کی وجہ سے اس طرح کے حقوق کو مالِ متقوم کی حیثیت دی جاسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سوال میں جن حقوق کی بیع کا ذکر کیا گیا ہے، یہ شرعاً لازمی حقوق میں داخل نہیں ہیں؛ کیوں کہ میڈیکل اسٹور والا ہرگز اس کا پابند نہیں ہے کہ وہ کسی متعین سپلائر ہی سے دوا خریدے، یہی حال اخبار کے ہاکروں اور بیکری کے سامان کی پھیری لگانے والوں کا ہے، اور یہ سب جانتے ہیں کہ ان سپلائیروں کے گاہک گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں، اس لئے انہیں حقوقِ لازمہ کے درجہ میں رکھ کر اس کے عوض کا مطالبہ کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔

وفي الأشباه: لا يجوز الاعتياض عن الحقوق المجردة، وفي الشامي قال في البدائع: الحقوق المفردة لا تحتمل التمليک ولا يجوز الصلح عنها، أقول: وكذا لا تضمن بالإتلاف، قال في شرح الزيادات للسرخسي ...... وإتلاف مجرد

الحق لا يوجب الضمان؛ لأن الاعتياض عن مجرد الحق باطل. (شامي ۳۳/۷-۳٤ زكريا)

وعلى هٰذا لا يجوز الاعتياض عن الوظائف بالأوقاف. وفي الشامي: لأن بيع الحق لا يجوز كما في شرح الآداب وغيره. (شامي ۳۳/۷-۳٤ زكريا)

الحقوق المجردة لا يجوز الاعتياض عنها كحق الشفعة، فلو صالح عنه بمال بطلت ورجع به، وفي الحموي: والمعتمد لا، لأنه حق من الحقوق، وبيع الحقوق بالإنفراد لا يجوز. (الأشباه والنظائر ۳۳۰/۱-۳۳۱ كراچی)

وبطل بيع ما ليس بمال، والمال ما يميل إليه الطبع، ويجري فيه البذل والمنع. (شامي ۲۳۵/۷ زكريا)

(۲) اگرکسی شخص نے مذکورہ حقوق کا عوض لے لیا ہے تو اعلیٰ بات یہ ہے کہ وہ دینے والے کولوٹا دے ورنہ صدقہ کردے؛ تاہم اگر دینے والے نے خوش دلی سے دیا ہو تو اس کے استعمال کی گنجائش نکل سکتی ہے؛ اس لئے کہ اس میں دواؤں، اخبارات اور بیکری کے سامان کی خریدنے والوں کی طرف رہنمائی کرکے انجام کار دلال کی صورت سامنے آتی ہے، جس کی اجرت حلال قرار دی گئی ہے۔

عن سفيان عن حماد: أنه كره أجر السمسار إلا بأجر معلوم. (المصنف لابن أبي شيبة ۳۳۹/۱۱ رقم: ۲۲٤۹۸)

حدثنا ليث أبو عبد العزيز قال: سألت عطاء عن سمسرة؟ فقال: لا بأس بها. (المصنف لابن أبي شيبة ۳۳۹/۱۱ رقم: ۲۲۵۰۱)

ولم ير ابن سيرين وعطاء وابراهيم والحسن بأجر السمسار بأساً. (صحيح البخاري ۳۰۳/۱)

(۳) عرفِ عام کی بنیاد پر مذکورہ حقوق کو شرعاً متقوم تو قرار نہیں دیا جاسکتا؛ لیکن دلالی پر قیاس کرتے ہوئے خریداروں کی رہنمائی کے عمل کو موجبِ اجرت بنانا متصور ہے، یہ ایسے ہی

ہے جیسا کہ زمین وغیرہ فروخت کرنے والا خریدار کی رہنمائی کرکے اپنی اجرت وصول کرتا ہے۔

إجارة النادي والسمسار والحمامي ونحوها جائزة للحاجة. (الأشباه والنظائر ٢/٦٠ كراچي)

والسمسار اسم لمن يعمل للغير بالأجر بيعاً وشراءً، ومقصوده من إيراد الحديث بيان جواز ذٰلک. (المبسوط للسرخسي ١١٥/١٥)

سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجوا أنه لا بأس به، وإن كان في الأصل فاسداً لكثرة التعامل وكثير من هٰذا غير جائز فجوزوه لحاجة الناس إليه كدخول الحمام. (شامي ٨٧/٩ زكريا)

أجرة السمسار والمنادي والحمام وما أشبه ذٰلک مما لا تقدير فيه للوقت، ولا مقدار لما استحق بالعقد وللناس فيه حاجة، فكانت جائزة، وإن كان في الأصل فاسداً لحاجة الناس إلى ذٰلک. (الفتاویٰ الولوالجية ٣٤٤/٣)

أجرة السمسار والمنادي والحمامي والصكاك وما لا يقدر فيه الوقت ولا العمل تجوز لما كان للناس به حاجة ويطيب الأجر المأخوذ لو قدر أجر المثل. (شامي ٦٤/٩ زكريا)

ومن ذٰلک أجرة السمسار والدلال؛ فإن الأصل فيه عدم الجواز لكنهم أجازوه لحاجة الناس إليه. (الفقه على المذاهب الأربعة مكمل ٦٧٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ١٦/٢/١٤٣١ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیع سلم

بیع سلم کی ایک صورت اور اس کا حکم

سوال (۱۶۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جو فیکٹری تیل نکالتی ہے وہ چلنے سے ایک دو ہفتہ پہلے اپنے مالک کا بھاؤ طے کردیتی ہے، اور کچھ کم زیادہ روپیہ بھی لے لیتے ہیں، فیکٹری مالک نے جب تیل طے کیا تھا تو اس وقت اس پر اپنا کوئی تیل نہیں تھا، فیکٹری چلانے پر وہ مال دیتا، اگر کسی وجہ سے فیکٹری نہیں چلی، تو فیکٹری مالک بازار سے خرید کر تیل دے گا، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب ہم طے کرتے ہیں تو بھاؤ زیادہ ہوتے ہیں، اور جب مال دیتے ہیں تو بھاؤ کم ہوتا ہے، کبھی طے کرتے وقت بھاؤ کم ہوتا ہے، اور مال دیتے وقت بھاؤ بازار میں زیادہ ہوتا ہے، جو طے ہوتا ہے اس کو دونوں پوری طرح ملا دیتے ہیں، اور کبھی مال نہیں دیا گیا، بھاؤ بازار کے حساب سے نفع نقصان لگا کر پورا روپیہ کا بھگتان کردیا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہ صورت بیع سلم کی ہے اور حسبِ شرائط جائز ہوسکتی ہے۔ البتہ اگر مال نہ دیا جائے تو اصل ثمن واپس لوٹانی ہوگی، اس میں کمی بیشی سود میں داخل ہوکر حرام ہوگی۔

عن ابن عمر رضي الله عنه أن رجلاً أسلف رجلاً في نخل، فلم تخرج تلك السنة شيئًا فاختصما إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: بم تستحل ماله، أردد عليه ماله؟ ثم قال: لا تسلفوا في النخل حتى يبدو صلاحه. (سنن أبي داؤد، البيوع / باب في السلم في ثمرة بعينها ۲/۴۹۱ رقم: ۳۴۶۷)

السلم عقد مشروع بالكتاب وهو آية المداينة. (الهداية ۷۵/۳)

الإقالة جائزة في البيع بمثل الثمن الأول. (الهداية ۵۲/۳)

ولو انقطع بعد الاستحقاق خير رب السلم بين انتظار وجوده والفسخ، وأخذ رأس ماله. (الدر المختار مع الشامي / باب السلم ۴۵۹/۷ زكريا)

أي لا يجوز السلم في الشيء المنقطع لفوات شرطه، وهو أن يكون موجودًا من حين العقد إلى حين المحل، حتى لو كان منقطعًا عند العقد أو عند المحل أو فيما بين ذٰلک لم يجز؛ لأنه غير مقدور التسليم ...... فيتضرر رب السلم ...... فرب السلم بالخيار إن شاء فسخ العقد وأخذ رأس ماله. (البحر الرائق / باب السلم ۱۵۸/۶ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۹/۲/۱۴۱۲ھ

ثمن کے عوض دھان اور گیہوں لینے کی شرط لگانا؟

سوال (۱۶۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم نے ایک آدمی کو ۶/ ہزار روپئے اس شرط پر دئے کہ فصل کٹنے پر ۶/ کوئنٹل باسمتی دھان اور ۶/ کوئنٹل گیہوں آپ مجھے دیں گے، تو کیا شرعاً اس طرح معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں ذکر کردہ صورت بیع سلم ہے، اس میں اگر دھان اور گیہوں کی ادائیگی کا وقت اور تاریخ متعین کردی جائے تو یہ معاملہ جائز ہوگا۔

عن ابن عباس رضي اللّٰہ عنهما قال: قدم رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم المدينة وهم يسلفون في الثمار السنة والسنتين والثلاث، فقال من أسلف في شيء فليسلف في كيل معلوم ووزن معلوم إلى أجل معلوم، متفق عليه. (مشكاة المصابيح ۲۵۰/۱)

عـن ابـن عبـاس رضي اللّٰه عنهما في السلف في الكرابيس، قال: إذا كان ذرع معلوم إلى أجل معلوم فلا بأس. (السنن الكبریٰ للبیهقي، البیوع / باب السلف في الحنطة والشعیر والزبیب ۸/۳٤٥ رقم: ۱۱۲۹۸)

السلم عقد مشروع بالكتاب ......، وهو جائز في المكيلات والموزونات لـقوله عليه السلام: ''من أسلم منكم فليسم في كيل معلوم ووزن معلوم إلى أجل معلوم". (الهداية / باب السلم ۳/۷٦، البحر الرائق ٦/۱٥٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۶/۱۸ ۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیع سلم کی صورتیں اور اُن کا حکم

سوال (۱۶۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی ایک آدمی نے دوسرے آدمی سے کہا کہ ایک ہزار روپیہ ہم کو دیجئے، ہم اس روپیہ سے زراعت کریں گے، اور بکنے والی اشیاء میں سے ایک کوئنٹل دے دیں گے، اس نے منظور کر لی اور ایک ہزار روپیہ اس کو دے دیا اور فصل تیار ہونے کے بعد اس نے ایک کوئنٹل لے لیا تو کیا یہ صورت کہ روپیہ کے بدلہ میں دوسری جنس کی چیز لینا صحیح ہوگا، جب کہ روپیہ دینے والے نے فصل حاصل کرنے سے کئی ماہ قبل ہی روپے دے دیا ہو یا یہ صورت سود میں داخل ہوکر نا جائز ہوگی۔ دوسری صورت اس میں یہ ہے کہ روپے دینے والے نے یہ کہا کہ تم کو ہم تین سو روپیہ دیں گے، خواہ تم اس کو زراعت میں خرچ کرو یا اور کسی ضرورت میں خرچ کرو، ہم کو اس سے کوئی مطلب نہیں، روپے لینے والے نے کہا ٹھیک ہے ہم آپ سے تین سو روپیہ لے جاتے ہیں، ابھی تو دے نہیں پائیں گے، البتہ کچھ کم وبیش تین چار ماہ کے بعد جب دھان کٹے گا تو اس تین سو روپیہ کے عوض ایک کوئنٹل دھان دے دوں گا، اور روپے دینے والے کو روپے دیتے وقت یہ بات معلوم ہے کہ ابھی تین سو روپیہ دے دئے تو دھان کاٹنے کے بعد جب ہم کو دھان ملے گا تو اس وقت ایک کوئنٹل کی قیمت کم

وبیش ساڑھے چار سو روپیہ ہوگا، کچھ دن اور ٹھہر کر بیچ دیں گے، تو اس وقت ایک ہی کوئنٹل کی قیمت پانچ سو یا ساڑھے پانچ سو ہو جائے گی، اور کچھ دن ٹھہر کر بیچنے پر اس کی قیمت چھ سو یا ساڑھے چھ سو ضرور ہو جائے گی، اور اگر موقع آیا تو ایک ہی کوئنٹل کی قیمت سات سو تک ہو جائے گی، مذکورہ بالا سوال کے جواب میں کسی مولوی صاحب نے کہا کہ اس میں حد سے زیادہ فائدہ ہے، اس لئے سود میں داخل ہو کر ایسا کرنا صحیح نہ ہوگا۔

ایک دوسرے عالم دین نے بتایا کہ پہلی اور دوسری دونوں صورت جائز ہے، اور اس صورت کو فقہ کی اصطلاح میں بیع سلم کہتے ہیں؛ لہٰذا معاملہ اس طرح کرنا چاہئے کہ میں تم سے ایک کوئنٹل دھان ادھار ایک ہزار کے بدلہ فروخت کرتا ہوں اور یہ دھان فلاں وقت ادا کروں گا، مسئلہ مذکورہ کے متعلق ایک مولوی صاحب نے کہہ دیا کہ یہ صورت صحیح نہیں اور دوسرے مولوی صاحب اس کو بیع سلم میں داخل کر کے جائز قرار دیتے ہیں، اور حوالہ تو کسی نے بھی نہیں دیا، اس لئے اس بارے میں اشتباہ ہے، عقل تو دوسرے مولوی صاحب کی بات تسلیم کرتی ہے؛ لیکن دلیل نہیں؛ اس لئے تسکین قلب نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں مذکورہ دونوں صورتیں بیع سلم میں داخل ہو کر جائز ہو سکتی ہیں، بشرطیکہ یہ قید نہ لگائی جائے کہ اِسی روپیہ کی زراعت وتجارت سے حاصل شدہ اناج اور جنس ادا کی جائے گی، بس معاملہ مطلق رہنا چاہئے کہ فلاں مقررہ معلومہ وقت پر فلاں جنس ادا کردی جائے گی، جس کی قیمت پہلے ہی لے لی گئی ہے، خواہ ادائیگی کے وقت بازار کا بھاؤ کچھ بھی ہو۔

عن محمد بن حمزة بن يوسف بن عبد اللّٰه بن سلام عن أبيه عن جده قال: قال عبد اللّٰه بن سلام رضي اللّٰه عنه: إن اللّٰه لما أراد هدي زيد بن سعنة، فذكر الحديث إلى أن قال: فقال زيد بن سعنة: يا محمد! هل لک أن تبيعني تمرًا معلومًا إلى أجل معلوم من حائط بني فلان، قال: لا يا يهودي! ولكني أبيعک تمرًا معلومًا

إلـى كـذا و كـذا مـن الأجـل، ولا أسـمـي من حائط بني فلان، فقلت: نعم، فبايعني فأطلقت همياني وأعطيته ثمانين دينارًا في تمر معلوم إلى كذا وكذا من الأجل. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، البيوع / باب لا يجوز السلف حتى يكون بصفة معلومة لا تتعلق بعين ٢/٨ ٣٤ رقم: ٢٨٩ ١١)

هـو ...... بيـع آجل وهو المسلم فيه بعاجل وهو رأس المال. (الدر المختار / باب السلم ٧/ ٤٥٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/ ۱۰/ ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تیل کی فصل کٹنے سے پہلے تیل کا سودا کرنا؟

سوال (۱۶۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مینتھے کا تیل کاشت کار حضرات فصل کے دوران ہی بیچ دیتے ہیں، مثلاً اگر بازار میں موجودہ تیل کی قیمت ۴۰۰/ روپئے کلو ہے، تو کچھ کم ریٹ میں بیع کر دیتے ہیں، مثلاً ۳۰۰/ روپئے میں، کیا اس طرح کی بیع جائز ہو جائے گی؟ اور اس طرح فصل کے دوران تیل کا ضرورت کے مطابق یا بلاضرورت سودا کرنا صحیح ہو جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہ معاملہ بیع سلم کے دائرہ میں آسکتا ہے، اگر مجلس عقد میں خریدار پوری قیمت ادا کردے اور اس کو تیل دینے کا وقت اور دیگر ضروری باتیں متعین ہو جائیں تو یہ معاملہ درست ہو جائے گا، اور اگر نقد قیمت مجلس عقد میں ادا نہ کی جائے، یا ادائیگی کا وقت وغیرہ متعین نہ ہو تو یہ معاملہ درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: محمودیہ ۱۱/ ۲۸۹)

عـن ابـن عبـاس رضـي الـلّٰه عنهما قال: قدم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم المدينة وهم يسلفون بالثمر السنتين والثلاث، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: مـن أسلف في شيء ففي كيل معلوم ووزن معلوم إلى أجل معلوم. (صحيح البخاري، السلم / باب السلم في وزن معلوم ١/ ٢٩٩ رقم: ٢١٨٨، صحيح مسلم، المساقاة / باب السلم ٢/ ٣١ رقم: ١٦٠٤)

عـن محمد بن حمزة بن يوسف بن عبد اللّٰه بن سلام عن أبيه عن جده قال: قـال عبـد الـلّٰـه بـن سلام رضي اللّٰه عنه: إن اللّٰه لما أراد هدي زيد بن سعنة، فذكر الحديث إلى أن قال: فقال زيد بن سعنة: يا محمد! هل لک أن تبيعني تمرًا معلومًا إلـى أجل معلوم من حائط بني فلان، قال: لا يا يهودي! ولكني أبيعک تمرًا معلومًا إلـى كـذا وكـذا مـن الأجـل، ولا أسـمـي من حائط بني فلان، فقلت: نعم، فبايعني فأطلقت همياني وأعطيته ثمانين دينارًا في تمر معلوم إلى كذا وكذا من الأجل. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، البيوع / باب لا يجوز السلف حتى يكون بصفة معلومة لا تتعلق بعين ٣٤٢/٨ رقم: ١١٢٨٩)

عـن ابـن عمر رضي اللّٰه عنهما عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه نهى عن بيـع الكالئ بالكالئ هو النسيئة بالنسيئة. (المستدرك على الصحيحين للحاكم أبي عبد اللّٰه ٨٨/٣ رقم: ٢٣٤٣، سنن الدار قطني ٦٠/٣ رقم: ٣٠٤٢)

الشـرط الـعـاشـر: قبض رأس المال في المجلس، سواء كان رأس المال شيئًا يتعين بالتعيين أو لا يتعين. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٣٣٨/٩ زكريا)

السادس: أن يكون مقبوضا فی مجلس السلم، سواء كان رأس المال دينا أو عينا عند عامة العلماء استحسانا. (الفتاوىٰ الهندية ١٧٩/٣) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۲۹/۵/۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

گیہوں کی خریداری میں بیع سلم کرنا؟

سوال (۱۶۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دو شخص آپس میں گیہوں کی خرید وفروخت کا معاملہ گیہوں کی پیداوار کے سیزن کے علاوہ دنوں میں کرتے ہیں، نیز گیہوں کی بازار کی قیمت سے کم قیمت پر اس طرح طے کرتے ہیں کہ خریدنے والا نقد دام دے دیتا ہے، اور بیچنے والے سے کہتا ہے کہ تو فلاں مہینے میں مجھے گیہوں دے دینا، چناں چہ بیچنے والا اُسے قبول کر لیتا ہے؟

مثال کے طور پر ماجد نے ساجد سے کہا کہ تم مجھ سے مئی کے مہینے میں ۱۰/کوئنٹل گیہوں ۶۰۰/روپئے کوئنٹل کے حساب سے لے لینا، مجھے گیہوں کی قیمت ابھی دے دو (واضح رہے کہ یہ معاملہ جنوری کے مہینے میں ہورہا ہے) چناں چہ ساجد نے رقم ادا کردی، حالاں کہ بازار میں گیہوں ۸۰۰/روپئے کوئنٹل فروخت ہورہا ہے؟ بینوا توجروا

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ معاملہ بیع سلم کا ہے، اگر بیع سلم کی سبھی شرائط موجود ہوں، مثلاً نقد رقم ابھی مکمل ادا کردیا جائے، گیہوں کی کوالٹی وغیرہ متعین ہو، ادائیگی کا وقت اور جگہ متعین ہو، تو یہ معاملہ بلا شبہ جائز ہے۔

عن شعبة قال: أخبرني محمد أو عبد اللّٰه بن أبي المجالد قال: اختلف عبد اللّٰه بن شداد بن الهاد، وأبو بردة في السلف، فبعثوني إلى ابن أبي أوفى فسألته، فقال: إنا كنا نسلف على عهد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وأبي بكر وعمر في الحنطة والشعير والزبيب والتمر وسألت ابن أبزى فقال: مثل ذٰلک. (صحيح البخاري، السلم / باب السلم في وزن معلوم ۲۹۹/۱ رقم: ۲۱۹۰)

وشرعًا بيع آجل، وهو المسلم فيه بعاجل، وهو رأس المال الخ. (الدر المختار مع الشامي / باب السلم ۳٤۸/۷ زكريا)

وشرط بيان جنس ونوع وصفة وقدر وأجل ...... وقدر رأس المال إن تعلق العقد بمقداره كما في مكيل ...... ومكان الإيفاء فيما له حمل ومؤنة ...... وقبض رأس المال قبل الافتراق. (تنوير الأبصار مع الدر المختار / باب السلم ٤٦۱/۷-٤٦٤ زكريا، كذا في البحر الرائق / باب السلم ۲٦٥/٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۷/۹/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیع استصناع

عقدِاستصناع

سوال (۱۷۰): -کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مالی معاملات میں ایک اہم صورت استصناع کی ہے۔عقد استصناع سے متعلق اگر چہ نصوص میں بھی اشارات ملتے ہیں؛ لیکن فقہاء کے بیان کے مطابق اس کی اصل بنیاد عرف و عادت اور تعامل ہے۔یوں تو استصناع بھی عقد معاوضہ ہی کی ایک شکل ہے؛ لیکن اس عقد کا ایک امتیازی پہلو یہ ہے کہ سلم کی طرح یہ بھی بیع معدوم کی ممانعت سے مستثنیٰ ہے اور مزید ایک اہم بات یہ ہے کہ اس میں عوضین کو ادھار رکھا جاسکتا ہے، اس لئے معاملات میں اس عقد کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، موجودہ دور میں اسلامی مالیاتی ادارے اس کو تمویل واستثمار کی ایک شکل کے طور پر بھی استعمال کرتے ہیں۔گزشتہ زمانوں میں فقہاء نے استصناع کی جو مثالیں دی ہیں وہ چھوٹی اور معمولی چیزوں سے متعلق ہیں جنھیں آرڈر پر تیار کرایا جاتا تھا۔موجودہ عہد میں آرڈر پر تیار کی جانے والی اشیاء اور خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا ہے۔اس پس منظر میں چندسوالات آپ کی خدمت میں پیش ہیں:

(۱) موجودہ دور میں کس طرح کی اشیاء میں عقد استصناع جاری ہوسکتا ہے اور اس سلسلے میں اصول کیا ہوگا؟

(۲) استصناع خود بیع ہے یا وعدۂ بیع؟

(۳) ظاہر ہے کہ استصناع میں خریدار جس چیز کو خریدتا ہے وہ عقد کے وقت معدوم ہوتی ہے۔تو جیسے وہ ایک معدوم چیز کو خرید رہا ہے۔کیا مبیع یعنی مصنوع کو وجود میں آنے سے پہلے وہ اسے کسی اور سے اور پھر یہ دوسرا خریدار کسی تیسرے شخص سے خرید کرسکتا ہے اور سلسلے وار بیع کی تمام

صورتیں بیع معدوم سے مستثنیٰ ہوں گی؟ آج کل خاص کر فلیٹس کی خرید وفروخت میں کثرت سے اس طرح کی بات پیش آتی ہے۔

(۴) استصناع کا تعلق صرف ان اشیاء سے ہے جو اموال منقولہ کے قبیل سے ہیں یا اموال غیر منقولہ۔ جیسے بلڈنگ وغیرہ سے بھی؟

(۵) اسلامی مالیاتی ادارے استصناع کو بطور استثمار استعمال کرنے کے لئے ایک ایسا طریقہ اختیار کرتے ہیں جسے وہ استثناء موازی یا متوازی کہتے ہیں۔ یہ معاملہ بنیادی طور پر تین فریقوں کے درمیان ہوتا ہے۔ جس میں مالیاتی ادارے کی حیثیت درمیانی فریق کی ہوتی ہے۔ ادارہ ایک شخص سے آرڈر حاصل کرتا ہے اور دوسرے شخص کو خود آرڈر کرتا ہے اور دونوں کی قیمت میں ایسا فرق رکھتا ہے پہلے کہ پہلے شخص سے جو زیادہ رقم حاصل ہو وہ اس کا نفع ہو جائے۔ اس صورت میں شرعاً کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

(۶) عقد استصناع میں بعض دفعہ ثانی کو مناسب رقم بطور بیعانہ کے دینی پڑتی ہے اگر صانع آرڈر کے مطابق مال تیار کردے؛ لیکن خریدار اس کو لینے سے مکر جائے تو بائع اس رقم کو ضبط کرسکتا ہے یا اس رقم سے اپنے نقصان کی تلافی کرسکتا ہے؟ واضح ہو کہ عام طور پر ایسی صورتوں میں مطلوبہ ڈیزائن کے مطابق کثیر مقدار میں کسی چیز کی تیاری کا آرڈر دیا جاتا ہے۔ اگر خریدار بعد میں مکر جائے تو بائع کے لئے اس کو فروخت کرنا بہت دشوار ہوتا ہے۔ کیوں کہ ضروری نہیں کہ اس ڈیزائن یا معیار کی چیز مارکیٹ میں دوسرے لوگوں کو مطلوب ہو۔

(۷) اگر کسی چیز کا آرڈر دیا جائے اور مصنوع کے لئے موجودہ مٹیریل خریدار خود فراہم کردے تو یہ عقد استصناع کے حکم میں ہوگا یا اجارہ کے؟ عقد استصناع میں اگر آرڈر کے مطابق چیز نہ پائی جائے تو خریدار کو رد کرنے کا اختیار ہوتا ہے؟ کیا اس صورت میں بھی آرڈر دینے والے کو اس کا حق حاصل ہوگا اور اگر آرڈر دینے والے کو اس کا قبول کرنا ضروری ہو تو مکمل طور پر آرڈر کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے جو نقصان ہوا ہے کیا وہ ثانی سے اس کا جرمانہ وصول کرسکتا ہے؟

(۸) عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کی تاریخ مقرر ہو جائے مگر بائع اسے وقت پر فراہم نہ کر پائے تو کیا خریدار اس کا تاوان وصول کرسکتا ہے؟ واضح ہو کہ بعض اوقات خریدار اسی مقررہ تاریخ کے لحاظ سے اپنے گاہک سے معاملہ طے کرتا ہے اگر بائع مقررہ وقت پر مبیع تیار کرکے حوالے نہ کرے اور اسے بر وقت مارکیٹ سے وہی شے حاصل کرکے اپنے گاہک کو دینی پڑے تو اس کو مارکیٹ سے گراں قیمت پر یہ شے خریدنی پڑتی ہے اور دہرا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ ایک تو اس نے سامان زیادہ قیمت پر خریدا، دوسرے جب خود اس کا آرڈر موصول ہوگا تو اب اس شے کو فروخت کرنا دشوار ہو جائے گا اور نیا خریدار تلاش کرنا پڑے گا۔

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ہر وہ سامان جس میں استصناع کا عرفِ عام ہو، اور نمونہ دکھا کر اس کی صفات وغیرہ متعین کی جاسکتی ہوں، اس میں شرعاً عقد استصناع جاری ہوسکتا ہے، گویا کہ استصناع کا مدار لوگوں کے عرف ورواج پر ہے، اسی اصول کی روشنی میں عقد استصناع کے جواز اور عدم جواز کا فیصلہ کیا جائے گا، چناں چہ موجودہ دور میں مصنوعات کے اندر امپورٹ، ایکسپورٹ کا زیادہ تر مدار عقد استصناع پر ہے کہ مشتری نمونہ دیکھ کر آرڈر دیتا ہے، اور بائع اسی نمونہ کی روشنی میں آرڈر تیار کرتا ہے۔

وإنما جوزنا الاستصناع فيما فيه تعامل ففيما لا تعامل نأخذ بأصل القياس. (المبسوط ۷٤/۸)

ثم إنما جاز الاستصناع فيما للناس فيه تعامل إذا بين وصفا على وجه يحصل التعريف، أما فيما لا تعامل فيه ...... لم يجز. (الفتاویٰ الهندية ۲۰۷/۳، تبيين الحقائق ٥٢٦/٤-٥٢٧ زكريا)

وأما شرائط جوازه، فمنها بيان جنس المصنوع ونوعه وقدره وصفته؛ لأنه لا يصير معلوماً بدونه، ومنها أن يكون مما يجري فيه التعامل بين الناس من أواني الحديد والرصاص والنحاس والزجاج والخفاف والنعال ولجم الحديد

للدواب ونصول السيوف والسكاكين والقسي والنبل والسلاح كله الطشت والقمقمة ونحو ذٰلک، ولا يجوز في الثياب؛ لأن القياس يأبى جوازه، وإنما جوازه استحساناً لتعامل الناس ولا تعامل في الثياب. (بدائع الصنائع ۹۴/٤ زکریا)

وأما الاستصناع فلإجماع الثابت بالتعامل من لدن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم إلى يومنا هٰذا وهو من أقوى الحج. (تبيين الحقائق ۵۳٦/٤ زکریا، بدائع الصنائع ۹۳/٤، الموسوعة الفقهية ۲۲۸/۳)

ولأنه يجوز فيما فيه تعامل لا فيما لا تعامل فيه. (عناية مع الفتح زکریا ۱۰۸/۷ زکریا، ومثله في البحر الرائق ۲۸۵/٦، مجمع الأنهر ۱٤۹/۳، عقود رسم المفتي ۱۸۳)

(۲):- استصناع بجائے خود انجام کے اعتبار سے بیع ہے، اسی لئے اس پر بیع کے احکامات جاری ہوتے ہیں، مثلاً مشتری کو خیار رویت ملتا ہے، جو بیع ہی کا اثر ہے، اور فریقین میں سے کوئی بھی بغیر دوسرے کی اجازت کے اسے اپنے طور پر فسخ کرنے کا مجاز نہیں ہوتا؛ جیسا کہ فقہی عبارات سے واضح ہے۔

إذا انعقد الاستصناع فليس لأحد العاقدين الرجوع. (مجلة الأحكام العدلية رقم المادة: ۳۹۲، بحواله: بحوث في فقه المعاملات المالية المعاصرة ۱٤۹)

وأما معناه فقد اختلف المشائخ فيه، قال بعضهم: هو مواعدة وليس ببيع، وقال بعضهم: هو بيع لكن للمشتري فيه خيار وهو الصحيح، بدليل أن محمداً رحمه اللّٰه ذكر في جوازه القياس والاستحسان وذٰلک لا يكون في العدات، وكذا أثبت فيه خيار الرؤية وأختص بالبياعات، وكذا يجري فيه التقاضي وإنما يتقاضى فيه الواجب لا الموعود. (بدائع الصنائع ۹۳/٤ زکریا)

والصحيح أنه يجوز بيعاً لا عدة، والمعدوم قد يعتبر موجوداً حكماً، وفي حاشيته: أشار به إلى أنهم اختلفوا في جواز الاستصناع هل بيع أو عدة؟ فقال:

والصحيح أن الاستصناع يجوز بيعاً أي من حيث البيع لا عدة أي لا من حيث الوعد. (البناية ٣٧٤/٨)

لكن الصحيح من المذهب جوازه بيعاً؛ لأن محمداً ذكر فيه القياس والاستحسان، وهما لا يجريان في المواعدة، وفرع على كونه بيعاً بقوله فيجبر الصانع على عمله ولو كان عدة لم يجبر ولا يرجع المستصنع عنه أي عن أمره ولو كان عدة لجاز رجوعه. (مجمع الأنهر ١٥٠/٣، شرح المجلة ٢١٩/١، الدر المختار مع رد المحتار ٤٧٥/٧ زكريا، الفتاویٰ التاتارخانية ٤٠٠/٩ زكريا، الفتاویٰ الهندية ٥١٧/٤، الفقه الإسلامي وأدلته ٣٩٢/٤، فتح القدير ١٠٨/٧)

(۳):- استصناع کا معاملہ جس مشتری اور بائع کے درمیان طے ہوتا ہے، وہ ضرورۃً شئ مستصنع کو موجود مان کر جائز قرار دیا گیا ہے، اس حد تک تو اس عقد میں کوئی خرابی نہیں؛ لیکن اگر مشتری اس عقد کی مبیع (شئ مصنوع) کو جو ابھی وجود میں نہیں آئی ہے، کسی تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا چاہے تو یہ معاملہ جائز نہ ہوگا؛ کیوں کہ یہ بیع قبل القبض کے درجہ میں ہے، اور جس طرح بیع سلم میں مسلم فیہ کو قبضہ سے پہلے بیچا نہیں جاسکتا، اسی طرح بیع استصناع میں شئ مصنوع کو بھی قبضہ سے پہلے بیچنا جائز نہ ہوگا، اور یہاں یہ نہ کہا جائے کہ جیسے بیع اول مبیع معدوم ہونے کے باوجود جائز قرار دی گئی تھی، اسی طرح بیع ثانی کو بھی جائز سمجھا جائے؛ کیوں کہ عرف ورواج یہ ہے کہ مشتری اول مثلاً اپنا بُک کرایا ہوا فلیٹ (جو ابھی تعمیر نہیں ہوا) تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرتا ہے، تو یہ فروختگی بیع استصناع میں داخل نہیں ہوسکتی؛ کیوں کہ فروخت کرنے والا نفع کے ساتھ بیچ کر درمیان سے الگ ہوجاتا ہے، اور ذمہ دار فلیٹ بنانے والا ذمہ دار رہ جاتا ہے، جسے اس دوسری بیع سے کوئی نفع حاصل نہیں ہوتا، اور نہ ہی نیا خریدار اس سے براہِ راست معاملہ کرتا ہے، اس لئے شئ مصنوع کے وجود میں آنے اور اس پر قبضہ سے پہلے دوسری بیع کی گنجائش نہ ہوگی اور یہ ''ربح مالم یضمن'' کی ممانعت میں داخل ہوگا۔

كيف يـجـوز أن يـكـون بيـعـاً والمعدوم لا يصلح أن يكون مبيعاً؟ وتقرير الـجواب أن المعدوم قد يعتبر حكماً أي من حيث الحكم كالناسي للتسمية عند الـذبـح، فـإن التسـمية جعـلـت موجودة لعذر النسيان، والطهارة للمستحاضة جعـلـت موجودة لعـذر جـواز الـصـلاة لـئـلا تتضـاعف الواجبـات فكذٰلک المستصنع المعدوم جعل موجوداً حكماً لتعامل الناس. (البناية ٣٧٤/٨)

ولا يـجـوز التـصـرف في رأس مال المسلم والمسلم فيه قبل القبض، أما الأول فـلما فيه من تفويت القبض المستحق بالعقد، وأما الثاني فلأن المسلم فيه مبيع والتصرف في المبيع قبل القبض لا يجوز. (الهداية ٩٧/٣)

وأمـا بيـان ما يجوز من التصرف في المسلم فيه ومالا يجوز فنقول وباللّٰه التـوفيق: لا يجوز استبدال المسلم فيه قبل قبضه، بأن يأخذ رب السلم مكانه من غير جنسه لما ذكرنا أن المسلم فيه وإن كان دينا فهو مبيع، ولا يجوز بيع المبيع المنقول قبل القبض. (بدائع الصنائع ٤٥١/٤ زكريا)

(۴):- چوں کہ آج کل بلڈنگوں وغیرہ کی تعمیر میں استصناع کا عرف عام ہو چکا ہے، اس لئے اس میں بھی بلاشبہ استصناع جائز ہوگا۔

يـجـب أن يعلم بأن الاستصناع جائز في كل ما جرى التعامل فيه. (الفتاویٰ التاتارخانية ٤٠٠/٩ زكريا)

جـوازه مـع أنـه القياس يأباه ثبت بتعامل الناس فيختص بما لهم فيه تعامل ويبقى الأمر فيما وراء ذٰلک موكولاً إلى القياس. (بدائع الصنائع ٤٤٤/٤ زكريا)

لأنه يجوز فيما فيه تعامل لا فيما لا تعامل فيه. (عناية مع الفتح ١٠٨/٧ زكريا)

وإنـمـا يشـمـل أيضاً إقامة المباني وتوفير المساكن المرغوبة وقد ساعد كـل ذٰلک فـي التـغـلـب على أزمة المساكن ومن أبرز الأمثلة والتطبيقات لعقد

الاستصناع بيع الدور والمنازل والبيوت الكنية على الخريطة ضمن أوصاف محددة. (الفقه الإسلامي وأدلته ٤٠٢/٤)

إذا قال رجل لواحد من أهل الصنائع إصنع لي الشيئ الفلاني بكذا قرشاً وقبل الصانع ذٰلک انعقد البيع استصناعاً مثلاً تقاول مع نجارٍ على أن يصنع له زروقاً أو سفينةً وبين طولها وعرضها وأوصافها اللازمة وقبل النجار انعقد الاستصناع. (شرح المجلة ٢١٩/١، رقم المادة: ٣٨٨)

(۵):- کاروباری فریق بن کر اور بیع کے حقوق کی ذمہ داری لے کر اگر کوئی اسلامی مالیاتی ادارہ ایک شخص سے آرڈر حاصل کر لے اور پھر وہ آرڈر کسی دوسرے ذریعہ سے تیار کرا کے مشتری کو مہیا کرائے تو اس کے لئے درمیانی نفع حاصل کرنا حلال ہے؛ کیوں کہ یہاں دو معاملے الگ الگ ہیں اور اسلامی مالیاتی ادارہ بذاتِ خود عقد میں فریق بن رہا ہے، پس اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

يجوز فيما فيه تعامل لا فيما لا تعامل فيه. (عناية ١٠٨/٧)

(٦):- بیعانہ کے طور پر پیشگی ثمن لینے میں تو کوئی حرج نہیں؛ البتہ اگر خریدار آرڈر دینے کے بعد مکر جائے تو شرعاً اس کو بائع کی اجازت کے بغیر ایسا کرنے کا حق نہیں ہے، اس کو مجبور کیا جائے گا کہ اپنا آرڈر وصول کر کے پوری قیمت ادا کرے؛ تاہم چوں کہ استصناع باقاعدہ بیع ہے، اس لئے بائع وصول شدہ رقم کے بقدر اپنی واجبی قیمت بدرجہ اولیٰ لے سکتا ہے، اور جس قدر سامان کی قیمت اس نے وصول کی ہے، وہ سامان مشتری کو کسی بھی طرح پہنچا دے، اور یہاں یہ شبہ نہ ہو کہ عقد تو مثلاً ایک ہزار پیس پر ہوا تھا اور قیمت صرف دوسو پیس کی وصول ہوئی؛ کیوں کہ ہم یہ کہیں گے کہ جب ہر عدد کی الگ الگ قیمت طے ہوتی ہے تو بیع کا تعلق مستقل طور پر ہر عدد سے ہو جاتا ہے، اور عدد کی کمی بیشی سے قیمت میں بھی کمی بیشی ہوتی ہے، جو بالکل واضح ہے، اور فریقین کو اس حد تک عقد قبول کرنے کا اختیار ملتا ہے۔

ولو قال بعتكها على أنه مائة درهم بمائة درهم، كل ذراع بدرهم

فوجدها ناقصة، فالمشتري بالخيار إن شاء أخذها بحصتها من الثمن وإن شاء ترک؛ لأن الوصف وإن کان تابعاً لکنه صار أصلاً بأفراده بذکر الثمن فنزل کل ذراع بمنزلة ثوب. (هداية الأمين ٢٢/٣)

فإن أفرد بالثمن وهو إذا قال علی أنها مائة بمائة کل ذراع بدرهم صار أصلاً. (فتح القدير ٢٥٢/٦)

(۷):- مسئولہ صورت میں اگر آرڈر دہندہ صانع کو مصنوع کے لئے موجودہ میٹریل خود فراہم کرے تو یہ عقد استصناع نہ ہوکر اجارہ ہوجائے گا، اور اجارہ میں معاہدہ کے مطابق کام نہ ہونے کی صورت میں آرڈر دہندہ کو رد کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا؛ بلکہ اس کو قبول کرنا ضروری ہوگا، اور اجیر کو اجر مثل دینا ضروری ہوگا، اس کے علاوہ آرڈر دہندہ مذکورہ صورت میں صانع سے کوئی جرمانہ وصول کرنے کا حق دار نہ ہوگا۔

ولو أسلم غزلاً إلی حائک لينسج له سبعاً في أربع فحاکه أکثر من ذٰلک أو أصغر فهو بالخيار إن شاء ضمنه مثل غزله وسلم له الثوب، وإن شاء أخذ ثوبه وأعطاه الأجر إلا في النقصان فإنه يعطيه الأجر بحسب ذٰلک ولا يجاوز به ما سمی. (المبسوط ٨٦/١٥)

فإن سلم إلی حداد حديداً ليعمل له إناءً معلوماً بأجر معلوم، أو جلداً إلی خفاف ليعمل له خفاً معلوماً بأجر معلوم فذٰلک جائز ولا خيار فيه؛ لأن هٰذا ليس باستصناع بل هو استئجار فکان جائزاً. (بدائع الصنائع ٩٦/٤)

والاستصناع أن يکون العين والعمل من الصانع، فأما إذا کان العين من المستصنع لا من الصانع يکون إجارة ولا يکون استصناعاً. (الفتاویٰ التاتارخانية ٣٤٧/١٥ زکريا، شرح المجلة ٦٩/١)

إذا فسد العقد وجب أجر المثل بعد الفراغ من العمل علی ما جری فيه العرف من أهل تلک الصناعة. (الفتاویٰ التاتارخانية ١٣٦/١٥ زکريا)

(۸):- عقد استصناع میں بروقت مبیع مصنوع کی حوالگی نہ ہونے پر مبیع کی قیمت میں کمی کرنے کی شرط لگانا صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے؛ لہٰذا اسے تاوان سے تعبیر کرنے کے بجائے مبیع مصنوع کی قیمت میں کمی کرنے سے تعبیر کرنا بہتر ہوگا اور اس کی شرعاً گنجائش ہے۔

ولو دفع إليه ثوباً ليقطعه قميصاً و اشترط عليه إن خاطه اليوم فله درهم وإن لم يفرغ منه اليوم فله نصف درهم عند أبي حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ إن خاطه اليوم فله درهم وإن لم يفرغ منه اليوم فله أجر مثله لا ينقص عن نصف درهم ولا يجاوز به درهماً، وقال أبويوسف ومحمد رحمهما اللّٰه تعالىٰ وهو على ما اشترط إذا فرغ منه اليوم فله درهم وإن فرغ منه بعد ذٰلک فله نصف درهم.

(المبسوط ۹۹/۱۵-۱۰۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۵/۳/۱۸ھ

بھٹہ والوں کا متعینہ مہینہ پر اینٹ دینے کے وعدہ سے پیشگی رقم وصول کرنا؟

سوال (۱۷۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے علاقہ میں بھٹہ چالو ہونے سے پہلے لوگوں سے پیشگی رقم عام نرخ سے کم پر جمع کراتے ہیں، جس میں تاریخ ودن کا تعین کئے بغیر مہینہ کا تعین ہوتا ہے کہ فلاں مہینہ میں اینٹ دوں گا یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عرف میں مہینہ متعین کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مہینہ ختم ہونے سے پہلے موعودہ شئ دے دوں گا، اِس اعتبار سے صورتِ مسئولہ میں اینٹیں دینے کی مدت متعین ہے؛ لہٰذا یہ معاملہ استصناع شرعاً درست رہے گا۔

كـذا تستفـاد من العبارة الآتية: أو كان التاجيل إلى فطر النصارىٰ بعد ما شرعوا في صومهم؛ لأن مدة صومهم بالأيام معلومة فلا جهالة فيه. (الهداية ٤٥/٣)

ثـم إنـما جـاز الاسـتـصـناع فيما للناس فيه تعامل إذا بين وصفا على وجه يـحـصـل التـعريف، أما فيما لا تعامل فيه ...... لم يجز. (الفتاوىٰ الهندية ٢٠٧/٣، تبيين الحقائق ٥٢٦/٤-٥٢٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۳/۷/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مُہر بنوانے کیلئے پیشگی رقم دیکر مالک ایک سال تک نہیں آیا؟

سوال (۱۷۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے پاس کسی آدمی نے ۱۰۰/روپئے رکھ کر اپنا کام بتادیا کہ مُہر بنادینا اور پیسے دینے والا ہندو تھا؛ لیکن اب اس رقم کو ایک سال ہوجائے گا، وہ آدمی لوٹ کر نہیں آیا، اب اس روپیہ کو ہم کسی کام میں لے لیں یا کسی غریب کو دے دیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہ صورت بیع استصناع کی بن سکتی ہے، اور بیع استصناع میں پیشگی رقم لینا کاریگر کے لئے جائز ہے؛ لہٰذا آپ مذکورہ شخص کے لئے مہر بنا کر رکھ دیں اور اس کے جمع کردہ سو روپئے اپنے ذاتی استعمال میں لے آئیں، جب وہ شخص آئے گا، تو اُس کی مہر اُس کے حوالہ کردیں، اگر مہر اس کی مرضی کے مطابق نہ ہوا اور وہ اپنے سو روپیہ واپس لینے کا مطالبہ کرے، تو آپ اس معاملہ کو فسخ کرکے اس کے روپئے واپس بھی کرسکتے ہیں۔

الاستصناع جائز في كل ما جرى التعامل فيه. (الفتاوىٰ الهندية ٢٠٧/٣)

ولـه أي للآمر أخذه وتركه بخيار الرؤية، ومفاده: أنه لا خيار للصانع بعد رؤية الـمـصنوع له وهو الأصح. (الـدر الـمـختـار / باب اسم مطلب: ترجمة البردعي ٤٧٦/٧

زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہٗ ۱؍۴؍۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیلنڈر میں دعاءِ سحر وافطار کی تقدیم وتاخیر کی وجہ سے کیلنڈر واپس کرنا؟

سوال (۱۷۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کا مشغلہ خطاطی ہے، اور طباعت بھی کرادیتا ہے، اسی مشغلہ کے پیشِ نظر زید سے مدرسہ مفتاح العلوم جامع مسجد سیوہارہ کے کیلنڈر چھپوائے، جس کی رقم میں نے مدرسہ والوں کے بھروسے پر اپنی جیب سے خرچ کردی، اس کیلنڈر میں ایک غلطی بھولے سے ہوگئی، جس کی وجہ سے مدرسہ مفتاح العلوم کے مہتمم صاحب نے ایک ہزار کیلنڈر واپس کردیئے، اور جو رقم طے کی تھی، دینے سے انکار کردیا۔

غلطی:- نیت روزہ نیچے سیٹ ہوگئی، اور دعا افطار اوپر، طبع شدہ کیلنڈر پیش ہے، کیا یہ شرعی غلطی ہے؟ اور مدرسہ مفتاح العلوم کے مہتمم صاحب کو زید کی رقم اس کو نہ دینا شرعی اعتبار سے جائز ہے؟ اُمید ہے کہ واضح جواب تحریری عنایت فرمائیں گے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ معاملہ بیع استصناع کا ہے، چوں کہ زید نے حسبِ شرط کیلنڈر چھپوا دیا ہے، اس لئے زید اپنی مقررہ رقم کا اہل مدرسہ مذکورہ سے مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہے، اور نیت روزہ، اور دعائے افطار کا اوپر نیچے ہونا ایسی غلطی نہیں کہ اس کی بنا پر پورے کیلنڈر کو ناقابلِ قبول قرار دے دیا جائے، اس لئے اہل مدرسہ پر لازم ہے کہ وہ کیلنڈر لے کر زید کو اس کی قیمت ادا کردیں، ورنہ وہ مؤاخذہ دار رہیں گے۔

عن أبي یوسف أنہ لا خیار لھما، أما الصانع فلما ذکرنا أولاً، وأما المستصنع فلأن الصانع أتلف مالہ بقطع الصرم وغیرہ لیصل إلی بدلہ، فلو ثبت لہ الخیار تضرَّر الصانع؛ لأن غیرہ لا یشتریہ بمثلہ، ألا تری! أن الواعظ إذا

استصنع منبرا ولم يأخذه، فالعامي لا يشتريه أصلاً. (العناية شرح الهداية مع فتح القدير / باب السلم ۱۱٦/۷ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶؍۱۰؍۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ماربل تیار کرنے کے لئے پیشگی رقم دے کر وعدے سے پہلے ہی مطالبہ کرنا؟

سوال (۱۷۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے بکر کو اس کی ماربل کی دوکان پر بھاؤ طے کرکے مثال کے طور پر ۱۲۰۰؍روپئے فٹ طے ہوا، بکر نے پیشگی رقم وصول کرلی اس وعدے پر کہ میں آپ کو ماربل تیار ہونے پر دوں گا، بکر نے کسی دوسرے شخص سے بھی پیشگی رقم لے رکھی ہے، بکر نے زید سے اس وعدہ پر لی ہے کہ میں پہلے اس شخص کو مال دوں گا، جس نے رقم پہلے دی ہے، اب زید دوکان مالک پر دباؤ بناتا ہے، اور پولیس وغیرہ سے دھمکی دلاتا ہے کہ مجھے مال دو، ورنہ میرے پیسے واپس کرو اور جتنے پیسے زید سے بکر نے لئے تھے، اس سے زیادہ کی رقم مانگتا ہے، اب یہ زائد رقم زید کو لینا جائز ہوگی، یا ناجائز ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے جس قیمت پر مال لینے کا معاہدہ کیا ہے، اُسی قیمت پر وہ مالک سے مقررہ مال لینے کا حق دار ہے؛ لیکن اگر وہ معاملہ کو فسخ کرنا چاہے تو قیمت سے زائد مالک سے واپس نہیں لے سکتا، یہ زائد قیمت اس کے لئے حلال نہ ہوگی۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما أنه كره أن يبتاع البيع ثم يرده ويرد معه دراهم. (السنن الكبرىٰ للبيهقي / باب من أقال المسلم الخ ۳٤۹/۸ رقم: ۱۱۳۰۹)

عن الأسود أنه كره أن يردها ويرد معها شيئًا، هٰذا الذي يشتري السلعة فيقول: أقلني ولک كذا وكذا. (المصنف لعبد الرزاق / باب الرجل يشتري السلعة فيقول

۱۹/۸ رقم: ۱٤۱۳۱)

والثاني: تصح بمثل الثمن الأول وبالسكوت عنه. (الدر المختار مع الشامي، باب الإقالة / مطلب: تحرير مهمّ في إقالة الوكيل بالبيع ۳۳۹/۷ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۴/۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مال تیار کرانے کے لئے آرڈر کے پیسے دے کر مال بنوانے سے اِنکار کرنا؟

سوال (۱۷۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے آرڈر کے طور پر ستر ہزار روپئے دئے، باقی روپئے بعد میں دینے کو کہا تھا، اب وہ شخص کام کے لئے منع کرتا ہے، جب کہ میں نے ستر ہزار روپئے میں سے بیع نامہ کے طور پر ۳۵ / ہزار روپئے دوسرے کو مال تیار کرانے کے لئے دے دیئے، اب جب کہ وہ شخص کام نہیں کرانا چاہتا ہے، تو میں اس کو اس کے ستر ہزار روپئے واپس کردوں یا نہیں؟ میں نے جس کو روپئے بیع نامہ کے طور پر دیئے ہیں، اُس کی ذمہ داری میری ہوگی، یعنی اُس کی رقم بھی میں ہی اَدا کروں گا، جب کہ اُس سے واپسی کی اُمید نہ ہو، جب کہ صاحبِ رقم نے مجھ سے مطالبہ بھی نہیں کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں دو معاملات الگ الگ ہیں: ایک معاملہ اُس شخص کے ساتھ ہے جس نے آپ کو آرڈر دیا ہے، اور دوسرا معاملہ اُس کے ساتھ ہے جس کو آپ نے آرڈر دیا ہے، یہ دونوں بیع استصناع کے معاملات ہیں، اِس میں عقد کے وقت ہی بیع کا انعقاد ہوجاتا ہے، اور کسی ایک فریق کو دوسرے فریق کی رضا مندی کے بغیر بلا وجہ شرعی کے فسخ کا حق باقی نہیں رہتا، اب پہلے معاملہ میں اگر وہ مابقیہ رقم دینے سے منع کر رہا ہے، تو آپ کو دونوں اختیار ہیں، یا تو آپ اس کی بات مان کر اُس کے ستر ہزار روپئے واپس کردیں، اور معاملہ کو فسخ کردیں، یا

آپ اُس کی بات کوتسلیم نہ کریں اور مابقیہ رقم کا اُس سے مطالبہ جاری رکھیں، اگر آپ راضی نہ ہوں تو وہ شرعاً اس عقد کو باقی رکھنے کا پابند ہے، اور بہر صورت یعنی خواہ پہلا عقد باقی رہے نہ رہے، اس کا کوئی اثر دوسرے عقد پر نہیں پڑے گا، اور آپ دوسرے فریق کی رضامندی کے بغیر اپنے دئے ہوئے ۳۵۰۰۰/ روپئے واپس نہیں لے سکتے؛ اس لئے کہ دونوں معاملات الگ الگ ہیں، ایک دوسرے پر موقوف نہیں ہیں، اگر آپ کا فریق مخالف معاملہ ختم کرنے پر راضی نہ ہو، تو اس کی بقیہ رقم آپ کو بہر حال ادا کرنی پڑے گی۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲۵)

فيجبر الصانع على عمله، ولا يرجع الآمر عنه. (تنوير الأبصار / باب السلم، مطلب في الاستصناع ٤٧٥/٧ زكريا)

وكذٰلك قال: لو قبض الآخر فإن يملكه ولو كان مواعدة لا معاقدة لكان لا يصير ملكًا له، فدل على أنه ينعقد معاقدة لا مواعدة، وفي السغناقي: والأصح أنه ينعقد معاقدة. (الفتاویٰ التاتارخانية / الفصل ٢٥ الاستصناع ٤٠٠/٩)

والصحيح أنه يجوز بيعا لا عدة. (الهداية ١٠٠/٣) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۷/۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کھال اور جوتے میں بیع استصناع کی صورتیں

سوال (۱۷۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: یہ مسئلہ معلوم ہونے کے بعد کہ جو چیز ابھی ہمارے قبضہ میں نہ ہو اس کا بیچنا جائز نہیں، بڑی الجھن پیدا ہوگئی ہے؛ کیوں کہ آج کل بیشتر تجارتیں اسی نوعیت کی ہوتی ہیں، بڑی تجارتوں میں آج ایسا نہیں ہوتا کہ چیز پہلے سے تیار رکھی جائے، پھر اس کا معاملہ کیا جائے، یہ تقریباً ناممکن ہے؛ کیوں کہ جو چیز ہم تیار کریں اس کا خریدار کو پسند آنا کوئی ضروری نہیں، اس لئے ہوتا یہ ہے کہ تاجر کے پاس اپنی مصنوعات کے نمونے ہوتے ہیں، خریدار اُن کا معائنہ کرنے کے بعد اسی بنی ہوئی چیز

کو پسند کرلیتا ہے، یا اس کا ڈیزائن اپنے پاس سے دیتا ہے، جب ڈیزائن کا انتخاب ہو جاتا ہے تو اب معاملہ کیا جاتا ہے، مثلاً کوئی تاجر جوتے کی خریداری کرنا چاہتا ہے تو اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ خریدار جوتے کا کوئی خاص نمونہ طے کرتا ہے، اس کی تمام تفصیلات طے کی جاتی ہیں کہ کس قسم کا مال چاہئے؟ کتنا مال چاہئے اور کتنی مدت کے اندر چاہئے؟ اور ڈیزائن کی لاگت کے حساب سے مطلوبہ مال کی قیمت بھی متعین ہو جاتی ہے، اور جب معاملہ کی تمام تفصیلات طے ہو جاتی ہیں تو بیچنے والا معاہدہ کے مطابق مال تیار کرتا ہے، مطلوبہ مال کی سپردگی علی الفور نہیں ہو سکتی؛ بلکہ اس میں دو تین ماہ کا وقت لگتا ہے اور یہ بھی ممکن نہیں کہ فروخت کرنے والا تاجر اپنی مرضی سے خود ہی مختلف ڈیزائن کے جوتے پہلے سے تیار رکھے؛ بلکہ خریدار کے انتخاب کے بغیر کوئی بھی تاجر مال کی تیاری کا خطرہ اپنے سر نہیں لے سکتا؛ کیوں کہ اس کا خریدار کو پسند آنا کوئی ضروری نہیں، اس لئے آرڈر ملنے پر ہی کام شروع کیا جا سکتا ہے، جب آرڈر مل جاتا ہے تو مختلف مرحلوں میں چیز کارخانوں میں بن کر تیار ہوتی ہے، اس میں کافی وقت لگتا ہے اور کافی محنت صرف ہوتی ہے، آرڈر لینے والا خام مال خریدتا ہے اور مختلف مرحلوں میں اس کو تیار کرتا ہے، یہاں تک کہ مقررہ مدت کے اندر اندر چیز بن کر تیار ہو جاتی ہے، اور معاملہ کے مطابق سپردگی عمل میں آتی ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وقت پر چیز تیار نہیں ہو پاتی تو تیاری کے لئے مزید مہلت لے لی جاتی ہے اور مقررہ مدت سے کچھ تاخیر سے مال سپرد کر دیا جاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جب فروخت کرنے والے تاجر کے پاس معاملہ کے وقت وہ چیز موجود ہی نہیں ہے جس کو وہ بیچ رہا ہے تو کیا یہ معاملہ شرعاً جائز ہوگا؛ کیوں کہ جس چیز کا معاملہ ہوا ہے وہ چیز معاملہ کے وقت ہمارے قبضہ میں بالکل نہیں ہوتی، پھر بھی اس کو قیمت طے کر کے بیچ دیا جاتا ہے، تو کیا خرید وفروخت کا یہ طریقہ درست ہے؟ اگر یہ طریقہ درست نہیں تو پھر صحیح طریقہ کیا ہے؟ شرعی طور پر اس کا کیا متبادل ہے، جو دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق ہو، براہ کرم اس کی مکمل وضاحت فرمائیں۔

تجارت کا یہ طریقہ صرف مصنوعات تک محدود نہیں ہے؛ بلکہ اور بہت سی چیزوں میں بھی

یہی طریقہ رائج ہے، جیسے کھال کی تجارتوں میں بھی یہی صورت ہوتی ہے، مثلاً خریدار نمونہ دکھلا کر مخصوص کھال جیسے بھینس کی کھال یا بکری کی کھال وغیرہ کی ایک مخصوص مقدار کا آرڈر دیتا ہے، گنتی کے حساب سے نہیں؛ بلکہ اسکوائر فٹ (مربع قدم) کے حساب سے کہ مثلاً خریدار آرڈر دیتا ہے کہ بکری کی کھالیں دباغت کرکے اور رنگ وغیرہ کرکے دیں، اس کی بھی سب تفصیلات طے کی جاتی ہیں، مثلاً کتنے اسکوائر فٹ کھال کی ضرورت ہے، کھالوں کی رنگت کیا ہوگی؟ دباغت کی کیا نوعیت ہوگی؛ کیوں کہ دباغت کے بھی مختلف طریقے ہوتے ہیں، اسی طرح کھالوں کی موٹائی (تھکنس) کتنی ہوگی؟ نیز درجہ بھی طے ہوتا ہے کہ وہ کھالیں کس گریڈ کی ہوں گی؟ وغیرہ وغیرہ، اور اسکوائر فٹ کے حساب سے فی اسکوائر فٹ قیمت بھی متعین ہوجاتی ہے، جب کہ فروخت کرنے والے تاجر کے پاس اس وقت وہ کھالیں قطعاً موجود نہیں ہوتیں، اور یہ بھی ناممکن ہے کہ وہ آرڈر سے پہلے ہی اپنی مرضی سے دباغت شدہ مال کا اسٹاک تیار رکھے یہ خطرہ کوئی تاجر اپنے سر نہیں لے سکتا کہ پہلے ہی سے مال تیار کرلے؛ کیوں کہ اس کا تیار شدہ مال منتخب ہوجائے، اس کی کوئی ضمانت نہیں، اس لئے آرڈر ملنے کے بعد ہی فروخت کرنے والا تاجر کچے مال کی خریداری کرتا ہے، اور کافی محنت اور صرفہ لگانے بعد کئی مرحلوں میں جاکر کھال کی دباغت مکمل ہو پاتی ہے، یعنی یہ ممکن ہی نہیں کہ ہم اپنی مرضی سے کھالیں تیار کرلیں اور بعد میں خریدار انہیں خرید لے؛ کیوں کہ ہمارا اپنی پسند سے تیار کیا ہوا مال خریدار کو بھی پسند آجائے، یہ بالکل ضروری نہیں، بس اس کے انتخاب پر ہی ہمیں تیار کرنا پڑتا ہے؛ کیوں کہ دباغت بھی علی الفور نہیں ہوتی؛ بلکہ اس میں کافی وقت لگتا ہے، لگ بھگ دو تین ماہ کا عرصہ لگ جاتا ہے، ایسی صورت میں خریدار کے آرڈر سے پہلے کھالیں تیار رکھنا پھر معاملہ کرنا تقریباً ناممکن ہے، تو ہوتا یہی ہے کہ خریدار سے آرڈر لینے کے بعد ہی تاجر کچا مال خریدتا ہے، اور کئی مرحلوں میں تیار کرکے وقت مقررہ پر سپردگی کردیتا ہے، یا اگر مال ابھی تیار نہ ہو تو خریدار سے مزید مہلت لے کر تیاری کے بعد سپرد کرتا ہے، تو کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟ اگر یہ طریقہ صحیح نہیں تو صحیح طریقہ کیا ہے؟ شرعی طور پر اس کا متبادل کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت میں بیع کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں، اُن میں ایک قسم بیع استصناع کی ہے، جس میں مبیع فی الحال موجود نہیں ہوتی؛ لیکن نمونہ دکھا کر اس کی تفصیلات طے کر لی جاتی ہیں، اور وقتِ معینہ پر شرائط کے مطابق لین دین ہوتا ہے، اس طرح کی بیع استحساناً جائز ہے اور آپ نے جوتوں اور کھالوں کی تجارت کی جو شکلیں سوال میں لکھی ہیں وہ بھی بیع استصناع کی صورتیں ہیں، ان میں اگر معاملہ آپسی رضامندی سے طے شدہ ہوا ور مبیع اور ثمن میں کوئی جہالت نہ ہو، اور بعد میں فریقین میں نزاع کا اندیشہ نہ ہو، تو مذکورہ معاملات شرعاً درست ہیں، یہ بیع قبل القبض کی ممانعت میں داخل نہیں؛ بلکہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

عن أنس رضي اللّٰه عنه قال: اصطنع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم خاتمًا، فقال: إنا قد اصطنعنا خاتمًا ونقشنا فیه نقشاً فلا ینقش أحد علیه. (المسند لإمام أحمد ۱۰۱/۳ رقم: ۱۲۰۱۳، السنن الکبریٰ للنسائي ۴۵۶/۵ رقم: ۹۵۴۵)

یجب أن یعلم بأن الاستصناع جائز في کل ما جریٰ التعامل فیه کالقلنسوة والخف والأواني المتخذة من الصفر والنحاس وما أشبه ذٰلک استحساناً .... وذکر صدر الإسلام صورته في الجامع الصغیر: أن یجيء إنسان إلی اٰخر فیقول له: اخرز لي خفاً صفته کذا، وقدره کذا بکذا درهماً. ویسلم له جمیع الدراهم أو لا یسلم أو یسلم بعضه. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۴۰/۹ رقم: ۱۳۷۱۶ زکریا)

جاز استحساناً تبعاً للعین. والقیاس أن لا یجوز، ولکنا جوزناه استحسانًا للتعامل الراجح إلی الإجماع العملي من لدن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم إلی الیوم بلا نکیر الخ. ووجه الاستحسان: الإجماع الثابت بالتعامل بأن الناس في سائر الأعصار تعارفوا الاستصناع فیما فیه تعامل من غیر نکیر. (فتح القدیر ۱۱۴/۷ دار الفکر بیروت، البحر الرائق ۱۷۰/۶ کوئٹه)

الاستصناع في الاستحسان جاز؛ لأن الناس تعاملوه في سائر الأعصار من غيـر نـكيرٍ فكان إجماعًا منهم على الجواز فيترک القياس، ثم هو بيع عند عامة مشـائخنا الخ. (بـدائع الـصـنـائـع، كتـاب البيـوع / قبيل شرائط جواز السلم ٤/٤٤ ٤ زكريا، شامي ٧/٤٧٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۳/۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیع صرف

کیا گلٹ کے روپیوں کا تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے؟

سوال (۱۷۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل کے چلنے والے گلٹ کے روپیوں کو یا کاغذ کے روپیوں کو کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا ناجائز ہے؟ مثلاً پچاس پیسے کے سکہ کو ایک روپیہ کے سکے کے عوض، یا کاغذ کے پانچ روپئے کے نوٹ کو دس روپئے کے نوٹ کے عوض بیچ سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نوٹوں اور سکوں کا تبادلہ کمی زیادتی کے ساتھ جائز نہیں۔

عن أبي بكرة رضي اللّٰه عنه قال: نهى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عن الفضة بالفضة، والذهب بالذهب إلا سواء بسواء، وأمرنا أن نبتاع الذهب في الفضة كيف شئنا، والفضة في الذهب كيف شئنا. (صحيح البخاري، البيوع / باب بيع الورق بالذهب نسيئة ۲۹۱/۱ رقم: ۲۱۳۲)

عن معتمر بن سليمان قال: سمعت عبد العزيز بن حكيم يقول: شهدت ابن عمر وأتاه رجل من أهل البصرة، فقال: إني جئت من عند قوم يصرفون الدراهم الصغار، فيأخذون بها كبارًا، قال: أيزدادون؟ قال: نعم، قال: لا، إلا وزنًا بوزنٍ. (المصنف لابن أبي شيبة / باب من قال: الذهب بالذهب ۴۷۴/۱۱ رقم: ۲۲۹۴۹)

بيع الفلس بجنسه متفاضلاً على أوجه أربعة: بيع فلس بغير عينه بفلسين بغير أعيانهما، وبيع فلس بعينهٖ بفلسين بغر أعيانهما، وبيع فلس بغير عينهٖ

بفلسين بأعيانهما، وبيع فلس بعينهٖ بفلسين بأعيانهما، والكل فاسد سوى الوجه الرابع. أما الأول: فلأن الفلوس الرائجة أمثال متساوية قطعًا لاصطلاح الناس على أهدار قيمة الجودة، منها فيكون أحد الفلسين فضلاً خاليًا عن العوض مشروطًا في العقد وهو الربا. وأما الثاني؛ فلأنه لو جاز أمسک البائع الفلس المعين وطلب الآخر وهو فضل خال عن العوض. وأمّا الثالث؛ فلأنه لو جاز قبض البائع الفلسين وردّ إليه أحدهما مكان ما استوجبه في ذمتهٖ فيبقى الآخر له بلا عوض. (العناية مع فتح القدير ١٦٢/٦ رشيدية)

ومشايخنا لم يفتوا بجواز ذٰلک في العدالی والغطارفة؛ لأنها أعز الأموال في ديارنا، فلو أبيح التفاضل فيه ينفتح باب الربوا. (الهداية ٩٣/٣ إدارة المعارف) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۱/۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک ہی ملک کے سکے کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا؟

سوال (۱۷۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض جگہ پچاس پیسے کا سکہ نہیں چلتا ہے، وہاں ایک روپیہ کے عوض پچاس پیسے کے دس سکے مل جاتے ہیں، کیا اس طرح خرید کر پچاس پیسے کے سکوں کو اس جگہ استعمال کرنا جائز ہے؟ جہاں پچاس پیسے کا سکہ چلتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک ہی ملک کی کرنسی ہونے کی صورت میں ایک روپیہ کے پچاس پیسے کے دس سکے لینا جائز نہیں؛ لیکن اگر ملکی کرنسی الگ الگ ہو مثلاً پاکستانی روپیہ اور ہندوستانی سکہ یا ہندوستانی روپیہ اور پاکستانی سکہ، تو اب ایسی رضامندی سے کمی بیشی کی اجازت

ہے؛ اس لئے کہ ہر ملک کی کرنسی الگ الگ جنس کے درجہ میں ہے۔ (ایضاح النوادر ۱۲۱)

عن أبي بكرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ولا تبيعوا الذهب بالذهب إلا بسواء، والفضة بالفضة إلا سواء بسواء، وبيعوا الذهب بالفضة، والفضة بالذهب كيف شئتم. (صحيح البخاري / باب بيع الذهب بالذهب ۱/ ۲۹۰، رقم: ۲۱۲۷، صحيح مسلم / باب النهي عن بيع الورق بالذهب دينًا ۲/ ۲٥ رقم: ۱٥۹۰، سنن الترمذي ۱/ ۲۳٥ رقم: ۱۲٥۸، سنن أبي داؤد / باب في الصرف ۲/ ٤۷٥ رقم: ۳۳٤۸)

عن عبادة الصامت رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الذهب بالذهب ...... فإذا اختلف هٰذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم إذا كان يدًا بيد. (صحيح مسلم / باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقدًا ۲/ ۲٥ رقم: ۱٥۸۷)

ويجوز بيع الفلس بالفلسين بأعيانها عند أبي حنيفة وأبي يوسف، وقال محمد: لا يجوز؛ لأن الثمنية تثبت باصطلاح الكل، فلا تبطل باصطلاحهما، وإذا بقيت أثمانًا لا تتعين فصار كما إذا كان بغير أعيانهما ...... الخ. (الهداية ۳/ ۸٥)

بيع الفلوس بمثلها، كالفلس الواحد بالفلس الواحد الآخر، وهٰذا إنما يجوز إذا تحقق القبض في أحد البدلين في المجلس قبل أن يفترق المتبايعان؛ فإن تفرقا ولم يقبض أحد شيئًا فسد العقد؛ لأن الفلوس لا تتعين، فصارت دَينًا على كل أحد، والافتراق عن دَين بدَين لا يجوز. (تكملة فتح الملهم ۱/ ٥۸۷)

وإذا عدم الوصفان الجنس والمعنى المضموم إليه حل التفاضل والنَّساء لعدم العلة المحرمة، والأصل فيه الإباحة. (الهداية ۳/ ٦۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۱/۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ڈالر کی روپئے کے بدلے ادھار بیع کرنا؟

سوال (۱۷۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: زید کے پاس سوڈالر ہیں، عمر اسے خریدنے والا ہے، عمر کہتا ہے کہ ابھی ڈالر دے کر روپئے لوگے تو بازاری قیمت مثلاً چار ہزار روپئے ملے گا، اور اگر ابھی ڈالر دے کر اس کے عوض میں ایک ماہ بعد روپیہ لوگے تو ساڑھے چار ہزار روپئے ملے گا، اور اگر دو مہینہ بعد لوگے تو پانچ ہزار روپئے ملیں گے، واضح رہے کہ عمر ڈالر اور دوسری اشیاء کا کاروبار کرتا ہے، اب یں سوال یہ ہے کہ اس طرح کا لین دین ان دونوں کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ مدلل جواب تحریر فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روپئے پیسے اور ڈالر دونوں ثمن عرفی ہیں، جو قدر (کیل وزن) میں داخل نہیں ہیں، اور الگ الگ ملکوں کی کرنسی ہونے کی وجہ سے دونوں کی جنسیں بھی مختلف ہیں، بریں بناء ان دونوں کرنسیوں کا آپس میں کمی بیشی اور ادھار کے ساتھ تبادلہ جائز ہے؛ البتہ دو باتوں کا لحاظ ہونا چاہئے:

(۱) مجلس عقد میں بدلے میں دی جانے والی کرنسی کی مقدار طے ہوجائے، تاکہ آئندہ نزاع کا اندیشہ نہ رہے۔

(۲) ایک کرنسی پر مجلس عقد میں پوری طرح قبضہ پایا جائے؛ تاکہ اُدھار در اُدھار بیع کی حرمت متحقق نہ ہو، خلاصہ یہ ہے کہ مسئولہ صورت میں ڈالر کی روپئے کے بدلے میں ادھار بیع درست ہے؛ لیکن ڈالر پر مجلس میں قبضہ ہونا چاہئے، اور روپئے کی مقدار جتنی بھی طے ہو، کر لینی چاہئے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱۱۹)

عن کان لا یری بأسًا بالثوب بالثوبین نسیئة إذا اختلفا ویکرھه من شيء واحد، قال الثوري: لا بأس بالنسمة بالنسمتین إذا اختلفا. (المصنف لعبد الرزاق / باب البز بالبز ۳۵/۸ رقم: ۱٤۱۹۷)

وإذا عدم الوصفان والمعنی المضموم إلیه حل التفاضل والنساء لعدم العلة المحرمة. (الهدایة / باب الربا ۷۹/۳، الفتاویٰ التاتارخانیة ۳٤۸/۸ زکریا)

إن الأوراق النقدية ثمن عرفي ليست ثمنًا حقيقيًا والربا يجري في الثمن الخلقي الذاتي إذا في الأوراق النقدية في مختلف الدولة ينفى القدر والجنس، أما الجنس فظاهر الاختلاف الدولة، وأما القدر؛ لأنها ليست من جنس الآثمان الخلقية؛ بل عرفية، فيجوز التفاضل والنسية إلا أن القبض على أحد البدلين ضروري؛ لئلا يقع في بيع الكالي بالكالي. (التبيان من زكاة الأثمان ٩/٤ ٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۵/۱۴۳۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سونے کے پرزے والی گھڑی کو اُدھار فروخت کرنا؟

سوال (۱۸۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گھڑی یا اور کوئی چیز جس میں سونے کا کچھ حصہ ہوتا ہے، اس کی ادھار خرید وفروخت کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سونے کے پرزے والی گھڑی یا اس طرح کی کسی چیز کو روپیوں کے بدلے میں ادھار خریدنا جب ہی جائز ہوسکتا ہے جب کہ کسی ایک جانب قبضہ کا تحقق ہو جائے، اگر بائع یا مشتری کسی کی طرف سے قبضہ کا تحقق نہ ہو تو یہ معاملہ جائز نہ ہوگا۔

قال ابن عابدين: سئل الحانوتي عن بيع الذهب بالفلوس نسيئة؟ فأجاب بأنه يجوز إذا قبض أحد البدلين. (شامي، البيوع / باب الربا، مطلب: استقراض الدراهم عددًا ٤/٧ ٤١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳۰/۱/۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سونا چاندی کی اُدھار خرید وفروخت کرنا؟

سوال (۱۸۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: سونا اور چاندی اُدھار خریدنا اور اُدھار فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سونے چاندی کو روپئے پیسے کے بدلے ادھار خرید وفروخت کرنا جائز ہے؛ لیکن مجلسِ عقد میں سونے یا چاندی یا اُس کے بدل پر قبضہ ہوجانا لازم ہے۔

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: كنت أبيع الذهب بالفضة أو الفضة بالذهب، فأتيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فأخبرته بذٰلك، فقال: إذا بايعت صاحبك فلا تفارقه، وبينك وبينه لبس. (السنن الكبرىٰ للنسائي / أخذ الورق من الذهب ٤/٣٣ رقم: ٦١٧٥)

عن أبي قلابة أن طلحة اصطرف دنانير بورق، فنهاه عمر أن يفارقه حتى يستوفي. (المصنف لابن أبي شيبة / باب من قال: إذا صرفت فلا تفارقه ١١/٤٧٥ رقم: ٢٢٩٥٣)

لو باع فضة بفلوس؛ فإنه يشترط قبض أحد البدلين قبل الافتراق لا قبضهما. (شامي ٧/٥٢٢ زكريا، البحرالرائق ٦/١٩٤)

لم يشترط في بيع الفلوس بالدراهم أو الدنانير قبض البدلين قبل الافتراق، ويكتفي بقبض أحد البدلين. (الفتاوىٰ الهندية ٣/٢١٧، المحيط البرهاني ٨/٢٩٧) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۱۱/۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

سونا خریدتے وقت کچھ رقم اُدھار کرنا؟

سوال (۱۸۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض خریدار سونا خریدتے ہیں، اور قیمت پوری ادا نہیں کرتے؛ بلکہ کچھ رقم ادھار رکھتے ہیں، تو کیا اس طرح کا معاملہ درست ہوسکتا ہے؟ بصورت دیگر درست ہونے کے لئے کیا شکل اختیار کی جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سونے کو روپئے کے بدلے میں خریدا جارہا ہے اور

سونے پر خریدار نے مجلسِ عقد میں قبضہ کرلیا ہے، تو یہ معاملہ شرعاً درست ہے، اور اگر سونے پر مجلسِ عقد میں قبضہ نہیں ہوا، تو یہ معاملہ درست نہیں ہوگا۔

لم يشترط في بيع الفلوس بالدراهم أو الدنانير قبض البدلين قبل الافتراق، ويكتفي بقبض أحد البدلين. (الفتاویٰ الهندية ۲۱۷/۳، المحيط البرهاني ۲۹۷/۸)

لو باع فضة بفلوس فإنه يشترط قبض أحد البدلين قبل الافتراق لا قبضهما. (شامي ۵۲۲/۷ زكريا، البحرالرائق ۱۹۴/۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۱۱/۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۸ر کیریٹ سونے والی انگوٹھی کو ۲۰ر کیریٹ کی بتا کر فروخت کرنا؟

سوال (۱۸۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض زیور تیار کرنے والے سونے کے اندر حسبِ ضرورت دھات مکس کرتے ہیں، مثلاً ایک انگوٹھی ۲۲ر کیریٹ کی ہے، تو اس میں ۲۰ر کیریٹ سونا ہوتا ہے اور ۲ر کیریٹ دھات ہوتی ہے، جو انگوٹھی کو ڈھالنے کے لئے ملائی جاتی ہے، ہم انگوٹھی فروخت کرتے وقت ۲۲ر کیریٹ سونا کہہ کر فروخت کرتے ہیں۔ اور بعض زیور تیار کرنے والے ضرورت سے زیادہ دھات مکس کرتے ہیں، مثلاً ۱۸ر کیریٹ سونا اور ۴ر کیریٹ دھات؛ لیکن ہم دوکان والے ایسی انگوٹھی کو ۲۲ر کیریٹ سونا کہہ کر فروخت کرتے ہیں، جب کہ اس میں ملاوٹ زیادہ ہوتی ہے۔ ہم جن تاجروں سے اس قسم کا زیور خریدتے ہیں وہ بھی ۲۲ر کیریٹ سونا کہہ کر ہی ہمیں فروخت کرتے ہیں، چنانچہ ہم بھی گاہک کو ۲۲ر کیریٹ کہہ کر ہی فروخت کرتے ہیں اور یہی عرف مارکیٹ اور بازار کے اندر چلتا ہے۔ عوام کو اس بات کا صحیح پتہ نہیں چلتا ہے کہ انگوٹھی اور زیورات کے اندر ملاوٹ کس قدر کی گئی ہے، یہ صرف دوکاندار سمجھتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ ہم جن لوگوں سے ۲۲ر کیریٹ سونے کی انگوٹھی جس میں ضرورت سے زائد ملاوٹ ہوتی ہے۔ عوام کو کس طرح فروخت کریں؟ آیا اس نقص کو واضح کریں یا

عرف کے مطابق چلیں؟

نوٹ:- اگر ہم اس نقص کو واضح کرتے ہیں تو ہماری تجارت متاثر ہو جائے گی؛ اس لئے کہ لوگ یہ کہہ کر بدنام کریں گے کہ فلاں دوکان میں اس قسم کی انگوٹھی اور زیور فروخت ہوتا ہے، چوں کہ دوسری دوکان والے گاہکوں کے سامنے اس قسم کی کوئی وضاحت نہیں کرتے ہیں۔ برائے کرم اس کا تشفی بخش جواب تحریر فرمائیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیرا

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۱۸/ کیریٹ والی سونے کی انگوٹھی کو ۲۲/ کیریٹ کہہ کر فروخت کرنا ایک طرح کا دھوکہ ہے، خریدار کے سامنے اصل صورتِ حال کی وضاحت لازم ہے ورنہ گنہگار رہوگا، اور یہ بات کہ صحیح صورتِ حال بیان کرنے سے تجارت متاثر ہوتی ہے، تجربہ کے خلاف ہے، عموماً دیکھا گیا ہے کہ جو تاجر اصل صورتِ حال سامنے رکھ کر خرید وفروخت کرتا ہے، تو لوگوں کے درمیان اس پر اعتماد بڑھ جاتا ہے اور تجارت میں منجانب اللہ برکت ہوتی ہے؛ اس لئے مسلمان تاجر کو غلط بیانی سے احتراز کرنا لازم ہے۔

عن حكيم بن حزام رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: البيعان بالخيار ما لم يتفرَّقا، فإن صدقا وبيَّنا بورکَ لهما في بيعِهما، وإن كتما وكذبا مُحِقَتْ بركةُ بيعِهما. (صحيح البخاري رقم: ۲۰۷۹، صحيح مسلم رقم: ۱۵۳۲، سنن الترمذي رقم: ۱۲٤٦، المسند لإمام أحمد ٤۰۳/۳، مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع / باب الخيار ۳۸/٦ رقم: ۲۸۰۲ دار الكتب العلمية بيروت)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم مر برجل يبيع طعامًا، فسأله كيف تبيع فأخبره، فأوحى إليه أن أدخل يدک فيه، فأدخل يده فيه فإذا هو مبلول، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ليس منا من غش. (سنن أبي داؤد ٤۸۹/۲)

كتمان عيب السلعة حرام، وفي البزازية، وفي الفتاوى: إذا باع سلعة معيبة عليه البيان. (البحرالرائق ٦/٥ ٣ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۱۱/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سونے کے کھوٹ کو مشتری کے سامنے ظاہر کر کے فروخت کرنا؟

سوال (۱۸۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر ہم ۱۰ ر گرام سونا تیار کرتے ہیں تو ۱۰ ر گرام سونا تیار کرنے میں کچھ سونا کم ہوجاتا ہے جیسے کہ ڈائی میں پالش میں چھلائی میں اور گھسنے میں کم بھی ہوتا ہے تو اگر ہم ۱۰ ر گرام سونے میں ۲ ر گرام کھوٹ ملاکر دیتے ہیں اور گاہک سے کہہ بھی دیتے ہیں کہ اس سونے میں ۱۰ ر گرام میں ۲ ر گرام کھوٹ ہے، تو ایسی صورت میں جو مزدوری ہمای ہوگی وہ درست ہوگی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں جب کہ آپ نے گاہک کے سامنے کھوٹ ظاہر کردیا تو یہ بیع جائز ہے، اور اس کی آمدنی بھی حلال ہے۔

عن عقبة بن عامر الجهني رضي اللّٰه عنه قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: المسلم أخو المسلم، ولا يحل لمسلم إن باع من أخيه بيعًا فيه عيب أن لا يبينه له. (السنن الكبرىٰ للبيهقي / باب ما جاء في التدليس و كتمان العيب ٥/٣٢٥ رقم: ١٠٧٣٤ دار الكتب العلمية بيروت)

عن واثلة بن الأسقع قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: من باع عيبًا لم يبينه لم يزل في مقت اللّٰه ولم تزل الملائكة تلعنه. (سنن ابن ماجة، أبواب التجارات / باب من باع عيبًا فليبينه ٢/١٦٢ رقم: ٢٢٤٧)

فإن قال البائع: أنا أقبله كذلك كان له ذٰلك لأن الامتناع لحقه وقد

رضي به. (الهداية ٣/٢٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۲/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

صراف کا لوگوں سے پیشگی قسط وار رقم وصول کر کے زیور فروخت کرنا؟

سوال (۱۸۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک زیور کی دکان سے یہ اشتہار شائع ہوا ہے کہ ماہانہ ۱۵۰ روپئے کے حساب سے پندرہ یا تیس مہینے رقم جمع کرنی ہے، پندرہ مہینوں کی کل رقم دو ہزار ڈھائی سو اور تیس مہینے کی کل رقم ساڑھے چار ہزار روپیہ ہوتی ہے، مقررہ مدت (پندرہ یا تیس مہینے) کے بعد دکان دار پندرہ ماہ کی اسکیم میں ڈھائی سو روپئے کا اضافہ کر کے کل ڈھائی ہزار کا کوئی زیور اور تیس مہینے کی اسکیم میں پانچ سو روپیہ کا اضافہ کر کے کل پانچ ہزار کی لاگت کا زیور پیش کریں گے، اور دکان دار نے اپنی طرف سے اس اضافہ کا نام بونس رکھا ہے۔ حل طلب سوال یہ ہے کہ از روئے شرع زیور کی خریداری کی یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ اگر یہ صورت ناجائز ہے تو جواز کی کوئی متبادل شکل ہوسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مجہول اور غیر متعین زیور کے ساتھ یہ معاملہ ناجائز ہے؛ البتہ اگر ابھی سے زیور اور اس کا وزن متعین ہو اور قسطیں بھی متعین ہوں، اور بعد میں کسی کمی بیشی کی شرط یا احتمال نہ ہو، اور نہ دھوکہ کا اندیشہ ہو تو یہ ادھار بیع جائز ہوگی، اور جس چیز کو وہ بونس قرار دے رہے ہیں، وہ اصل مبیع میں شامل ہوجائے گا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۶/۵۱۸)

قال العلامة المفتي محمد تقي العثماني حفظه اللّٰه بعد البحث الطويل في هٰذه المسئلة: فإن هٰذه الأوراق صارت أثمانًا عرفيةً مبتذلةً الخ.

فالحكم بعدم أداء الزكاة بأوراق العملة، وبحرمة شراء الذهب والفضة بها فيه حرج عظيم، والمعهود من الشريعة السمحة في مثله السعة والسهولة.

(تکملة فتح الملهم ۱/ ۵۲۰ دار العلوم کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۶/۱۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کن چیزوں کی اُدھار خرید وفروخت کرنا جائز ہے؟

سوال (۱۸۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: وہ کون سی چیزیں ہیں جن کو اُدھار خریدنا اور فروخت کرنا جائز نہیں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیع صرف یعنی سونے چاندی کی آپس میں بعینہٖ بالمقابل خرید وفروخت کرتے وقت ادھار جائز نہیں ہے؛ بلکہ بدلین پر قبضہ مجلسِ عقد میں ضروری ہے، اب اگر سونے کی بیع سونے کے بدلے یا چاندی کی بیع چاندی کے بدلے ہورہی ہے، تو قبضہ کے ساتھ دونوں طرف وزن میں برابری بھی ضروری ہے، اور اگر سونے کی بیع چاندی سے یا چاندی کی بیع سونے سے ہورہی ہے تو وزن میں برابری ضروری نہیں؛ لیکن دونوں جانب قبضہ لازم ہے۔

عن عبادة بن الصامت رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الذهب بالذهب والفضة بالفضة...... مثلاً بمثل، سواء بسواء، يدًا بيد، فإذا اختلفت هٰذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم إذا كان يدًا بيد. (صحيح مسلم ۲/ ۲۵)

فإن باع فضةً بفضةٍ أو ذهبًا بذهبٍ لا يجوز إلا مثلا بمثل – إلى قوله – ولا بد من قبض العوضين قبل الافتراق. (الهداية / باب الصرف ۳/ ۱۰۴ ديوبند، ۵/ ۲۵۳ مكتبة البشرىٰ كراچی)

فلو تجانسا شرط التماثل والتقابض، أي النقدان بأن يبيع أحدهما بجنس الآخر فلا بد لصحته من التساوي وزنا، ومن قبض البدلين قبل الافتراق.

(البحر الرائق / كتاب الصرف ۶/ ۱۹۲ كراچی)

وإن باع الذهب بالفضة جاز التفاضل لعدم المجانسة، ووجب التقابض.

(الهداية / كتاب الصرف ٣/٤ ١٠)

وإن لم يكونا من جنس واحد بأن باع الذهب بالفضة يشترط التقابض فيه، ولا يشترط التساوي كذا في التبيين. (الفتاویٰ الهندية ٣/٨ ٢١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۱۱/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۵۰/ پرسینٹ چاندی کو ۶۰/ پرسینٹ بتا کر زیور فروخت کرنا؟

سوال (۱۸۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم چاندی گاہک کو یہ کہہ کر دیتے ہیں کہ اس میں ۶۰/ پرسنٹ چاندی ہے اور آپ کو یہ ۶۰/ روپئے تولہ پڑے گا اور چاندی اس میں ۵۰/ روپئے کی ہے، تو اس صورت میں جو مزدوری ہوگی وہ درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ بیع دھوکہ اور خداع پر مشتمل ہے؛ اس لئے کہ آپ گاہک کو ۶۰/ پرسنٹ چاندی تیار بتا رہے ہیں اور زیور میں صرف ۵۰/ پرسنٹ چاندی ہے؛ لہٰذا اِس طرح بیع کرنا ممنوع ہے، اگر اس طرح بیچ دیا اور خریدار کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ اس میں چاندی کم ہے تو اسے بربناء عیب واپسی کا حق ہوگا۔

عن محمد أن رجلاً باع عبدًا له بقصاص شعره كية، فخاصمه إلى شريح، فقال: كتمت الشين وواريته فلم يجزه ورده. (المصنف لابن أبي شيبة، البيوع / في الذي يرد منه ٤/١١ ٦٥ رقم: ٢٣٦٠٥، المصنف لعبد الرزاق، البيوع / باب البيع بالبراءة ولا يسمي اللداء ٨/١٦١ رقم: ١٤٧١٦)

عن حجاج بن يسار أن رجلاً اشترى من رجل أزقاقًا من سمن، ونقد

صـاحبـه فـنـقـصـت الزقاق، فأراد أن يقاصه ببعض الدراهم، فقال ابن عمر: خذ بيـعک جـميعًا، أو رده جميعًا. (الـمـصنف لابن أبي شيبة، البيوع والأقضية / في الرجل يشتري المتاع أو الغلام فيجد ببعضه عيبًا ۱۱/ ۱٤۱ رقم: ۲۱۷۰۵)

وإذا اطـلـع الـمشتـري عـلـى عيـب فـي المبيع فهو بالخيار إن شاء أخذه بجميع الثمن وإن شاء رده. (الهداية ۲۳/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۲/۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ملکی و بیرونی تجارت

ہندوستانی مصنوعات کا غیر ملکوں کو برآمد کرنا اور امریکی مصنوعات کا ہندوستان کو درآمد کرنا؟

سوال (۱۸۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: درآمد وبرآمد کا کاروبار کرنے والے بڑے تاجروں کے لئے اُلجھنیں اور زیادہ ہیں، ہندوستان سے بیرونی ممالک برآمد ہونے والی چیزں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اُن میں بہت ساری چیزیں ہیں، دوائیاں، کپڑے، چمڑے کی بنی ہوئی اشیاء، ظروف وغیرہ، اُن میں بہت بڑی تعداد مسلمان تاجروں کی ہے، کیا ان کو امریکہ وبرطانیہ اور دیگر اتحادی ملکوں سے تجارتی روابط بالکل ختم کرنے پڑیں گے؟ اگر ایسا ہے تو پھر مسلمان تاجروں کے لئے متبادل کیا ہے؟ کیا درآمد وبرآمد کا کاروبار ہی بند کردیا جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستانی مصنوعات کے غیر ممالک میں برآمد کے کاروبار میں اصل نفع ہندوستانی تاجروں کو ہوتا ہے؛ لہٰذا اپنی ملکی مصنوعات امریکہ وغیرہ وفروخت کرنا منع نہیں ہوگا؛ البتہ جنگی حالات میں امریکی مصنوعات کے ہندوستان میں درآمد کی شکل میں کراہت ہوگی، جب کہ کوئی شرعی مجبوری نہ ہو، مثلاً بعض دوائیں یا سرجری کے آلات پوری دنیا میں صرف امریکہ یا برطانیہ ہی میں دستیاب ہیں، تو مجبوراً انہیں وہاں سے منگانا انسانی ضرورت کی بنا پر جائز ہوگا؛ اس لئے کہ اصول ہے کہ ’’ضرورت کی بنیاد پر بعض ممنوع اشیاء کی اجازت ہوتی ہے‘‘۔

الحاجة تنزل منزلة الضرورة، عامةً أو خاصةً. (شرح المجلة لسليم رستم باز ۳۳ رقم المادة: ۳۲ المكتبة الحنفية كوئٹه، الأشباه والنظائر / القاعدة الخامسة، الفن الأول ۹۳ كراچی)

الضرورات تبيح المحظورات. (الأشباه والنظائر، الفن الأول / القاعدة الخامسة ۱٤۰ مكتبة دار العلوم ديوبند، ۸۷ إدارة القرآن كراچی، شرح المجلة ۲۹ رقم المادة: ۲۱ كوئٹه، قواعد الفقه ۸۹ رقم: ۱۷۰ دار الكتاب ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۸/۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس کیمیکل کے حصول کے بغیر تجارت نہ چل سکے اُس کا درآمد کرنا؟

سوال (۱۸۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: درآمد وبرآمد کا کاروبار کرنے والے اپنے کارخانوں کی بیشتر ضروریات اُنہیں ملکوں سے درآمد کرتے ہیں، اگر چہ بمشکل اُن کا متبادل تلاش کیا جاسکتا ہے، مگر کافی دشواری کے بعد۔ ہم کھال کے تاجروں کے لئے دباغت دینے کے لئے ضروری کیمیکل ودیگر اشیاء بیشتر امریکہ وغیرہ ملکوں سے درآمد کرتے ہیں، ہندوستان اور برصغیر کے دیگر ممالک کے مقابلہ میں یوروپی ممالک کی چیزیں عمدہ ہوتی ہیں، اور عرصۂ دراز سے تقریباً ۲۰-۲۵/ سال سے یہ تجارت جاری ہے، تو کیا یہ سلسلہ بند کرنا ضروری ہے؟ ایسی صورت میں مسلمان تاجروں کی مشکلات بے حد بڑھ جائیں گی، جس سے ملتِ اسلامیہ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس کیمیکل کے حصول کے بغیر تجارت ہی نہ چل سکے، اُس کا درآمد کرنا منع نہیں ہے۔

الحاجة تنزل منزلة الضرورة، عامةً أو خاصةً. (شرح المجلة لسليم رستم باز ۳۳ رقم المادة: ۳۲ المكتبة الحنفية كوئٹه، الأشباه والنظائر / القاعدة الخامسة، الفن الأول ۹۳ كراچی)

الـضرورات تبيح المحظورات. (الأشباه والنظائر، الفن الأول / القاعدة الخامسة ١٤٠ مكتبة دار العلوم ديوبند، ٨٧ إدارة القرآن كراچی، شرح المجلة ٢٩ رقم المادة: ٢١ كوئٹه، قواعد الفقه ٨٩ رقم: ١٧٠ دار الكتاب ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۲/۸/۱۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کچی کھالوں کا امریکہ سے منگانا؟

سوال (۱۸۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کچی کھالیں برصغیر کے ممالک کے مقابلہ میں یوروپی ممالک کی عمدہ ہوتی ہیں، اور اُن کی درآمد کا سلسلہ بھی عرصۂ دراز سے جاری ہے، اُن کے بارے میں کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذبوحہ جانوروں کی کچی کھالیں امریکہ یا یوروپ سے درآمد کرنا فی نفسہٖ جائز ہے۔

مستفاد: وإذا كان لإنسان حاجة أو ضرورة ملحة اقتضت معطي الفائدة أن يلجأ إلى هٰذا الأمر ...... وحده: وهٰذا يشترط أن تكون هناك حاجة أو ضرورة حقة لا مجرد توسع في الكماليات أو أمور يستغني عنها. (الحلال والحرام في الإسلام، للشيخ يوسف القرضاوي ٢١٩ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۲/۸/۱۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قسط وار ثمن جمع کرنا اور قرعہ اندازی سے چیزیں فراہم کرنے والی بزنس میں شرکت کرنا؟

سوال (۱۹۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: شہر دھولیہ میں یسریٰ بزنس اسکیم شروع ہوئی ہے، اِس اسکیم میں جتنے بھی ممبر رہیں گے، سبھوں کو تین قسطوں میں دوسو پچاس روپئے بھرنا ہوگا، یہ کل رقم سات سو پچاس روپئے ہوگی، پہلی قسط ۱۵؍مئی کو بھرنے پر ہر ممبر کو سولار کمپنی کی دیوار گھڑی ملے گی، اس کے بعد چند مخصوص انعامات ہیں، پہلی قرعہ اندازی کے ذریعہ ایک خوش نصیب شخص کو ایک اسٹیل کباٹ (تجوری) ملے گی، اس کے بعد ہر ممبر کو دوسری قسط ۵؍جون کو بھرنا ہوگا، پھر قرعہ اندازی کے ذریعہ سے دس خوش نصیب لوگوں کو ایک ایک سلائی مشین ملے گی، اس کے بعد ہر ممبر کو تیسری قسط بیس جون کو بھرنا ہوگا، قرعہ اندازی کے ذریعہ سے پانچ خوش نصیب لوگوں کو ایک ایک اٹلس سائیکل ملے گی اور آخر میں ہر ایک ممبر کو چھت والا پنکھا ملے گا۔

قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اسکیم میں ہر ایک ممبر کو تین قسطوں میں جو کل رقم سات سو پچاس روپئے بھرنا ہر ایک کو لازمی ہے، درمیان میں جن لوگوں کو قرعہ اندازی کے ذریعہ انعام ملے گا، انہیں بھی یہ رقم بھرنا ضروری ہے، ایسا نہیں کہ جن لوگوں کا قرعہ کے ذریعہ انعام مل گیا، انہیں نہیں بھرنا ہوگا؛ بلکہ اُن کے لئے بھی بھرنا ضروری ہے، اور آخر میں اُن لوگوں کو جن کو قرعہ اندازی کے ذریعہ انعام ملے گا؛ بلکہ اُن لوگوں کو بھی ہر ممبر کے ساتھ چھت والا پنکھا ملے گا، تو کیا یہ اسکیم جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ معاملہ میں حسبِ تحریر سوال ثمن اور اس کی ادائیگی کی قسط اور مدت متعین ہے، یعنی ۷۵۰؍روپئے جسے تین قسطوں میں ادا کیا جائے گا، اور مبیع بھی متعین ہے، یعنی سولاز کمپنی کی دیوار گھڑی اور ایک چھت کا پنکھا؛ لہٰذا فی نفسہٖ یہ معاملہ جائز ہے اور درمیان میں جو انعامی اسکیم ہے، یہ بائع کی طرف سے ایک طرح کا تبرع ہے، جس کو قبول کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں، اِس انعام کو تعلیق الشیٔ علی الخطر کے دائرہ میں داخل کر کے قمار میں شامل کرنا صحیح نہیں؛ کیوں کہ اصل مبیع بہر حال گاہک کو ملنی متعین ہے؛ بلکہ یہ تاجر کی طرف سے اپنا مال زیادہ سے زیادہ فروخت کرنے کے لئے انعامی ترغیب کی اسکیم ہے، جیسا کہ اسی طرح کی اسکیمیں

آج کل دیگر اشیاء مثلاً: صرف، صابن، چائے کی پتی وغیرہ میں چل رہی ہے؛ البتہ کوئی ورع وتقویٰ کے طور پر اِن معاملات سے دور رہے تو بہتر ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۳/۳۵۶ زکریا)

وصح الزيادة في المبيع ولزم البائع دفعها. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية، مطلب: في تعريف الكرّ ۷/۳۸۰ زكريا، الفتاوىٰ الهندية، كتاب البيوع / الباب السادس عشر في الزيادة في الثمن والمثمن الخ ۳/۱۷۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۶/۵/۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسلمان تاجر کا حکومت سے غیر سودی قرض لے کر حکومت کی شرائط کے مطابق کارخانہ چلانا؟

سوال (۱۹۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل ہندوستانی مسلمانوں پر جو مصائب اور پریشانیاں آرہی ہیں، اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کو جو دینی جانی اور مالی نقصانات اٹھانے پڑرہے ہیں، وہ اظہر من الشمس ہیں، سارے ہندوستان میں اکثر مسلمان تاجر چرم کی دباغت کے کارخانے قائم کرکے اس کی تجارت کرتے چلے آرہے ہیں، کانپور، کلکتہ، جنوبی ہند، پرنام بٹ، وانم باڑی، آمبور، میل وشارم، رانی پیٹ وغیرہ میں بالکل نئے انداز سے یہ کارخانے قائم ہیں، اِن کارخانوں سے جو غلاظت اور آلودگی پیدا ہوتی ہے، اس کو بنیاد بناکر شازشی طور پر بہت سے کارخانے تقریباً آٹھ سال قبل ہندوستان کی عدلیہ کے حکم کے تحت بند کرادئے گئے، نتیجہ کے طور پر مسلمانوں کی معاشی حالت اب بدتر ہوگئی، ہر کارخانہ میں روزانہ تقریباً سو سے زائد کاریگر کام کرتے چلے آرہے ہیں، اب وہ بے روزگاری کا شکار بن گئے۔ کارخانوں کے ذمہ داروں نے اس سلسلہ میں کافی دوڑ دھوپ کی۔ آلودگی دور کرنے اور پاک کرنے کے لئے حکومت نے ایک خاکہ تیار کیا، جس کے تحت ہر کارخانہ اس کی صفائی اور پاکیزگی کے لئے اپنی ہی جگہ میں چند جدید آلات رکھ کر صفائی کا کام کرے، اس کے اخراجات وہ خود

برداشت کرے؛ لہٰذا ان میں چند کارخانوں نے اس کی کارروائی کی، اکثر کارخانے رقم کی سہولت نہ رہنے کی بنا پر بند ہوگئے، اور وہ تجارت سے بھی محروم ہوگئے۔ بہت سالوں کی کوششوں کے بعد اب حکومت اور مرکزی مالی ادارہ نے مشترکہ طور پر یہ اعلان کیا ہے، جس کے تحت بند اور کم سہولت والے کارخانوں کو دوبارہ شروع کرنے بہتری اور آلودگی کی صفائی کے لئے ایک رقم بطور قرض ذیل کی شرائط پر بلا کسی ضمانت کے دی جائے گی:

(۱) منظور کردہ رقم کے عوض ۲/۲۱ر فیصد رقم بیمہ کمپنی میں جمع کرنا لازمی ہوگا، اگر کوئی بھی کارخانہ اس منصوبہ میں بھی ناکام ہوگیا، تو اس کی ذاتی ملکیت کو خطرہ لاحق نہیں ہوگا؛ بلکہ یہ قرض بیمہ کمپنی کے ذمہ ہوگا۔

(۲) اگر کوئی کارخانہ متعینہ مدت میں قرض واپس کردیتا ہے، تو اس کو ۳۰ر فیصد اصل رقم سے چھوٹ دی جائے گی، اب اس کو صرف ۷۰ر فیصد رقم ادا کردینا ہوگا، ورنہ اس کے برعکس دیری سے قرض کی واپسی پر ۱۳ر تا ۱۸ر فیصد جرمانہ اصل قرض کے ساتھ ادا کرنا لازمی ہوگا، اب آپ حضرات سے یہ جواب طلب ہے کہ کیا مسلمان تاجر مذکورہ صورت میں اس قرضی منصوبہ سے فائدہ حاصل کرسکتا ہے یا نہیں؟ شرعی صورت کیا ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص وسعت رکھتا ہو یا اس کو پورا یقین ہو کہ وہ مذکورہ رقم متعین قسطوں پر سرکار کو ضرور ادا کردے گا اور تاخیر کرکے سود دینے کا موقع نہ آنے دے گا، تو اس کے لئے مذکورہ سرکاری اسکیم سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہے، اور بیمہ املاک جو مجبوری میں کرایا جائے گا، اس کی بھی گنجائش ہوگی، اور وقت پر ادائیگی کی شکل میں چھوٹ ملے گی وہ حکومت کی طرف سے تبرع اور امداد کہلائے گی۔

مستفاد: يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح. (الأشباه والنظائر ١١٥، كذا في البحر الرائق / كتاب البيوع ٢١١/٦ زكريا)

إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمها ضررًا بارتكاب أخفيهما. (الأشباه والنظائر ١٤٥/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲؍۳؍۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بینک کارڈ کے ذریعہ قیمت کی ادائیگی؟

سوال (۱۹۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مندرجہ ذیل سوال کا جواب دے کر ممنون فرمائیں:

(١) ما حكم سداد ثمن المشتريات عن طريق بطاقة الصراف الألكترونية، أو عن طريق البطاقات الائتمان (کریڈٹ کارڈ) وذٰلک ضمن نظام نقاط البيع، فمثلاً اشترى زيدًا شيئًا من أحد الأسواق التجارية بمبلغ خمسين ريالا، فإنه يقدم بطاقة الصراف الألكترونية الخاصة به للبائع، ليقوم البائع بتسجيل هٰذا المبلغ على حساب المشترى، ويقوم المشتري بالتوقيع على الإيصال، ثم يبعث البائع بالفا توره إلى البنک، وبعد وصول الفاتورة إلى البنک يقوم البنک بحسم مبلغ من حساب المشتري، ومن ثم يضيفه إلى حساب البائع بمقابل هٰذه الخدمة، فإن بعض البنوک تأخذ رسومًا معينةً، وبعض البنوک تقدم هٰذه الخدمة مجانًا دون أجور، فما حكم التسديد عن طريق هٰذه البطاقات؟ وما حكم وضع المكائن الألكترونية الخاصة به للشديد عن طريق هٰذه البطاقات في المحلات التجارية؟ هل هو من التعاون على الربوا؟ وخاصة بأن بعض الزبائن لا يتعاملون إلا عن طريق هٰذه البطاقات، فما الحل؟

باسمهٖ سبحانه تعالىٰ

الجواب وبالله التوفيق: إذا تصرف القابض شيئًا منه باختياره

حسب ما يشاء بأي وجه كان، فيتحقق القبض عند الشريعة الإسلامية، وفي العصر الراهن الرقوم التي تنتقل من حساب المشتري إلى حساب البائع بالبطاقات الائتمانية، وهٰذا أيضًا شكل واحد من تحقق القبض، فلا مانع إلى جوازه، ولا حرج في أن يضع مثل هٰذا المكائن لدفع النقود في الدكان، ولا يشترط القبض بالبراجم؛ لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفًا، والقبض عندنا هو التخلية، وهو أن يخلى البائع بين المبيع وبين المشتري من التصرف فيه، فيجعل البائع مسلمًا للمبيع والمشتري قابضًا له. (بدائع الصنائع ٤/٤٩٨ زكريا)

"لاخلاف بين أصحابنا في أن أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال". (بدائع الصنائع ٤/٤٩٨ زكريا) فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم

كتبہ: الاحقر محمد سلمان المنصورپوری غفرلہ

۱۴۲۴/۱۱/۲۷ھ

تجارت کوفروغ دینے کے لئے بشکل کوپن اضافی انعام دینا؟

سوال (۱۹۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید اپنی تجارت کوفروغ دینے کے لئے بشکل کوپن گاڑی وغیرہ انعام میں دیتا ہے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کوپن میں نمبرات ہوتے ہیں، وہ نمبر اگر شئ منعم بہ کے مطابق مل جائے، تو اسے انعام ملتا ہے، اور اگر مطابق نہ ہوسکے تو انعام نہیں ملتا، نیز وہ یہ بھی کہتا ہے کہ جس طرح سے آدمی ٹی وی یا رسائل وجرائد میں پرچار دے کر روپیہ صرف کرکے اپنی تجارت کوفروغ دیتا ہے، اسی طرح سے ہم بھی پرچار نہ دے کر بشکل کوپن تجارت کو بڑھاوا دینے کے لئے وہ رقم انعام میں صرف کردیتے ہیں، آیا مذکورہ صورت میں تجارت کوفروغ دینے کے لئے ایسا کرنا درست ہے، یا نہیں؟ اور ٹی وی اور دیگر رسائل وجرائد پر قیاس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

زید خرید وفروخت کرتا ہے، اور اس میں تجارت کوفروغ دینے کے لئے بشکل کوپن انعام بھی

مقرر کرتا ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص ادھار لینا چاہے تو اسے کوپن تو دے دیتا ہے؛ لیکن مبیع کو اپنے پاس حبس کر لیتا ہے، اور مشتری کو اس بات کا مکلّف بناتا ہے کہ بیس ہفتہ میں ہفتہ وار تھوڑا تھوڑا کر کے پوری رقم ادا کردے اور مشتری بھی اسے بخوشی قبول کر لیتا ہے، تو آیا مذکورہ صورت میں بیع درست ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں مذکور دونوں صورتوں میں اگر اصل مقصود مبیع کی خرید وفروخت ہو انعام کی اشیاء کو مقصود نہ بنایا جائے، تو فی نفسہٖ اس معاملہ کی گنجائش ہے؛ اس لئے کہ بائع کو حق ہوتا ہے کہ وہ مبیع میں اپنی مرضی سے اضافہ کرے یا قیمت میں رعایت کرتے ہوئے کچھ تخفیف کردے؛ لیکن اگر اشیاءِ مبیعہ کی حیثیت ضمنی ہو، اور انعامات کی حیثیت بنیادی ہو تو یہ معاملہ قمار کے مشابہ ہونے کی وجہ سے مشتبہ قرار پائے گا، اور اس سے اجتناب بہتر ہوگا۔

ويجوز للمشتري أن يزيد للبائع في الثمن، ويجوز للبائع أن يزيد للمشتري في المبيع، ويجوز أن يحط عن الثمن، ويتعلق الاستحقاق بجميع ذٰلک. (الهداية / المرابحة والتولية ۳/ ۵۹، أحسن الفتاوى ۶/ ۵۱۸، جواهر الفقه ۲/ ۳۴۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۱۱/۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

انٹرنیٹ پر برف کی سلی یا سونے چاندی کی خرید وفروخت کرنا؟

سوال (۱۹۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک آدمی انٹرنیٹ پر بیٹھتا ہے اور لوگوں میں شیئر کا اعلان کرتا ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ مثلاً تانبا پیتل کی سلی کا بھاؤ انٹرنیٹ پر آرہا ہے، مثلاً آج ڈھائی سو روپیہ فی کلو ہے، ایک شخص آکر اعلان کے مطابق انٹرنیٹ والے سے بات کرتا ہے اور ایک کلو سلی ڈھائی سو روپیہ کے حساب سے خریدتا ہے اور اس کا پیسہ نقد دے کر جاتا ہے، اسی دن کسی وقت یا ایک دو دن کے بعد سلی کے بھاؤ کا اعلان ہوتا ہے پونے تین سو روپیہ، اب ڈھائی سو روپیہ کا خریدار آکر کہتا ہے کہ میری سلی آپ کے یہاں

ڈھائی سورو پیہ کے حساب سے ہے، اب وہ پونے تین سورو پیہ کی ہوگئی ہے، اس کو میں بیچتا ہوں اور پونے تین سو کے حساب سے پیسہ وصول کر کے جاتا ہے، اِسی طرح سونا چاندی کسی بھی چیز کا کاروبار کثرت سے دنیا میں ہو رہا ہے، تو اس طرح کے شیئر کی خرید وفروخت اور اس کا نفع حلال ہے یا حرام؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں انٹرنیٹ پر بیٹھے بیٹھے جس خرید وفروخت کا ذکر ہے، وہ شرعاً حرام ہے، اور اس سے حاصل شدہ نفع بھی ہرگز حلال نہیں ہے؛ اس لئے کہ شریعت میں کسی بھی چیز کو قبضہ سے قبل بیچنا جائز نہیں ہوتا، اور یہاں ساری خرید وفروخت محض ہوا میں ہوتی ہے، اصل مبیع کا دور دور تک کہیں پتہ نہیں ہوتا، اور نہ ہی مشتری اصل مبیع کا مالک ہوتا ہے؛ لہٰذا کاروبار کی یہ تمام صورتیں محض جوئے اور سٹے پر مشتمل ہونے کی وجہ سے قطعاً حرام ہے، کسی مسلمان کے لئے ایسے کاروبار میں شرکت کرنا اور اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [المائدۃ: ۹۰]

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه، قال ابن عباس: وأحسب كل شيء مثله. (صحيح مسلم ۵/۲)

عن عمر رضي اللّٰه عنه قال: قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: نهى عن بيع الطعام حتى يقبض. (المعجم الأوسط للطبراني ۳۶۸/۷ رقم: ۷۷۱٤)

عن حكيم بن حزام رضي اللّٰه عنه قال: يا رسول اللّٰه! يأتيني الرجل فيريد مني البيع ليس عندي، أفأبتاعه له من السوق؟ فقال: "لا تبع ما ليس عندك". أخرجه أبوداؤد وسكت عنه. (سنن أبي داؤد رقم: ۳۵۰۳، سنن الترمذي رقم: ۱۲۳۲، سنن ابن ماجة رقم: ۲۱۸۷، سنن الدار قطني ۹/۳، إعلاء السنن / باب بيع ما ليس عنده ۱۸۰/۱٤ رقم: ٤٦٦۸ دار الكتب العلمية بيروت)

لا يصح اتفاقا بيع منقول قبل قبضه ولو من بائعه. (الدر المختار مع الشامي ٣٦٩/٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۸/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِنٹرنیٹ پرخرید وفروخت کا کیا حکم ہے؟

سوال (۱۹۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اِنٹرنیٹ پرخرید وفروخت، حرام، حلال، جائز یا ناجائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آج کل انٹرنیٹ پرخرید وفروخت کا جوسلسلہ جاری ہے وہ محض جوا اور سٹہ ہے، اور مختلف وجوہات کی وجہ سے حرام ہے؛ کیوں کہ اس میں مبیع معدوم ہوتی ہے، نیز قبضہ کے بغیر بیع در بیع ہوتی ہے، دراصل یہ بیع نہیں؛ بلکہ بیع کا مذاق ہے؛ البتہ اگر باقاعدہ سامان تجارت متعین اور موجود ہو اور حقیقی طور پر مبیع پر قبضہ کی صورتیں متحقق ہوں اور انٹرنیٹ کو صرف آپسی معاملات اور رابطہ کا ذریعہ بنایا جائے، جیسا کہ بڑی بڑی فرموں اور کمپنیوں کا طریقہ ہے، تو اس مقصد کے لئے انٹرنیٹ کا استعمال اسی طرح جائز ہے، جیسے فیکس اور خط وکتابت جائز ہے۔

عن حكيم بن حزام رضي الله قال: سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت يأتيني الرجل فيسألني من البيع ما ليس عندي فأبتاع له من السوق ثم أبيعه، قال: لا تبع ما ليس عندك. (سنن الترمذي ٢٣٣/١)

وأن يكون مقدور التسليم فلم ينعقد بيع المعدوم. (البحر الرائق ٢٥٩/٥ کوئٹہ، كذا في بدائع الصنائع / من شروط البيع كونه مقدور التسليم ٣٧٣/٤ زكريا)

وأما المعدوم فلا يحتمل العقد أصلاً؛ لأنه ليس بشيء. (بدائع الصنائع / بيع الموزونات ٣٦٤/٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۱/۱۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مبیع کے ساتھ اِضافی اور اِنعامی چیز کا لینا کیسا ہے؟

سوال (۱۹۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض کمپنیاں کبھی کبھی اعلان کراتی ہیں کہ دو صابون خریدو گے تو ایک صابون مفت دیا جائے گا، ٹو وہیلر خریدو گے تو ایک موبائل مفت ملے گا، یا فلاں ٹوتھ پیسٹ خریدو گے تو اس میں اگر تمہیں کوئی کاغذ ملے لاٹری والی تو تمہیں دس گرام سونا دیا جائے گا، یا باہر ملک کا ٹکٹ دیا جائے گا، تو کیا ایسی چیزیں خرید کر یہ مفت والی چیزیں ایک مسلمان کو خریدنا اور فروخت کرنا درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اُصولی طور پر چوں کہ بائع کو حق ہے کہ مبیع میں اپنی مرضی سے اضافہ کرے، اس لئے اس طرح کے معاملہ کی گنجائش نکل سکتی ہے؛ لیکن ظاہری طور پر چوں کہ اس میں جوئے اور لاٹری کی مشابہت ہوتی ہے، اس لئے اس سے اجتناب بہتر ہے۔

ویجوز للبائع أن یزید للمشتري في المبیع، ویجوز أن یحط من الثمن.

(المختصر القدوري ۸۱، مستفاد: انوار رحمت ۲۵۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۳/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایجنٹ کا بلٹی کو کم قیمت میں فروخت کرکے مال والے سے پوری رقم وصول کرنا؟

سوال (۱۹۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل تجارتی اُمور میں دو معاملہ کا بے حد چلن ہے: ایک یہ کہ باہر سے جو مال بذریعہ ٹرانسپورٹ آتا ہے، اُس کی بلٹی کے مطابق روپئے ایک ہفتہ کے اندر دینا رہتا ہے؛ لیکن آج کل ایسے ایجنٹ حضرات دکان لے کر بیٹھے ہیں، جو وہ بلٹی مال کا بل رکھ لیتے ہیں اور بل میں تحریر رقم جتنے کم میں صاحبِ مال اور اس ایجنٹ میں طے ہوجائے، رقم لے لیتے ہیں، اور وہ بل ایجنٹ اپنے

پاس رکھ لیتا ہے اور وہ ہفتہ عشرہ روز میں جس کے نام مال آیا ہے، اُس سے اتنی رقم جتنی تحریر ہے لیتا ہے، مثلاً دس ہزار کے مال کا بل وہ نو ہزار لے کر دے دیتا ہے، اور ایجنٹ سے دس ہزار وصول کرتا ہے، کیا ایک مسلمان کے لئے اس قسم کی ایجنٹی کا پیشہ درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: بل میں لکھی ہوئی رقم سے کم میں بل کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، یہ قرض پر نفع اٹھانے کی صورت ہے جو حرام ہے؛ البتہ جواز کی شکل یہ ہوسکتی ہے کہ بل کا مالک سامنے والے شخص کو بل بنانے کا وکیل بنادے، اور اس وکالت پر کوئی اجرت متعین کردے، پھر اس سے بطور قرض کچھ رقم لے لے اور بل بھنانے کے بعد حساب وکتاب برابر کردے، تو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

إن بيع الصك والبراءة والجامكية إنما لا يجوز. (إعلاء السنن ١٤/ ٢٤)

وأفتى المصنف ببطلان بيع الجامكية. (درمختار) وفي الشامية: وعبارة المصنف في فتاواه: سئل عن بيع الجامكية: وهو أن يكون لرجل جامكية في بيت المال، ويحتاج إلى دراهم معجلة قبل أن تخرج الجامكية، فيقول له رجل: بعتني جامكيتك التي قدرها كذا بكذا أنقص من حقه في الجامكية، فيقول له: بعتك، فهل البيع المذكور صحيح، أم لا؛ لكونه بيع الدين بنقد؟ أجاب إذا باع الدين من غير من هو عليه كما ذكر لا يصح. (الدر المختار مع الشامي، البيوع / مطلب في بيع الجامكية ٧/ ٣٣ زكريا، ٤/ ٥١٧ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۹/۵/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بعض جدید کاروباری طریقے اور اُن کا حکم

نیٹ ورکنگ کاروباری اِداروں کا حکم؟

سوال (۱۹۸): -کیا فرماتے ہیں علماءدین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج مختلف قسم کے بزنس چل رہے ہیں ان میں ڈائریکٹر مارکیٹنگ اور نیٹ ورک مارکیٹنگ کا زیادہ شور ہے، ایم وے اور آرسی ایم وغیرہ کی اِس میدان میں زیادہ دھوم ہے، یہ کمپنیاں روز افزوں ترقی کررہی ہیں، بڑے بڑے پروگرام اور سمینار کیٔے جاتے ہیں اور بہت دلکش اسکیمیں بیان کی جاتی ہیں، ہمارے معاشرے کے بے روزگار نوجوان ان کی طرف مائل بھی ہورہے ہیں، میں بفضلہٖ تعالیٰ برسر روزگار ہوں، مگر زیادہ ترقی کے لئے سائیڈ بزنس کے طور پر ان کاروباروں کو اپنانا چاہتا ہوں، مگر ایک مسلمان کے لئے فائدہ مند کاروبار وہ ہے جس کو کرنے کے بعد اللہ رب العزت کی بارگاہ میں سزاوار نہ ہونا پڑے؛ لہٰذا آپ سے گذارش ہے کہ مذکورہ کاروباری تنظیموں کے بارے میں تصدیق وتحقیق کے ساتھ جواب دیں کہ یہ کاروبار جائز ہے یا نہیں؟

(۱) ڈائریکٹ مارکٹنگ یا نیٹ ورک مارکیٹنگ کا کاروبار آج کل آگ کی طرح پھیل رہا ہے، اس میں مختلف کمپنیاں کام کررہی ہیں، جیسے ایم وے، آرسی ایم، ڈی ایکس این ہندوستان لیور وغیرہ، تو معلوم یہ کرنا ہے کہ ان کمپنیوں میں کام کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) ایک کمپنی بنام ایم وے چلائی جارہی ہے، جو چند معیاری اور عمدہ اشیاء تیار کرتی ہے، اور اپنا سامان کسی دکان وغیرہ پر رکھ کر فروخت نہیں کرتی ہے، اور فروخت کے لئے اخبار، ٹی وی وغیرہ کے ذریعہ کوئی تشہیر نہیں کرتی۔

اگر کوئی اس کمپنی کی اشیاء خریدنا چاہے تو اس کے ممبر کے ذریعہ (جس کو وہ اپنا ڈسٹری بیوٹر

یعنی تقسیم کنندہ قرار دیتی ہے) خرید سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص خود اس کا ڈسٹری بیوٹر بننا چاہے تو کمپنی اسے براہ راست ڈسٹری بیوٹر نہیں بناتی، بلکہ اسے کسی ڈسٹری بیوٹر کے ذریعہ ڈسٹری بیوٹر (تقسیم کنندہ) بناتی ہے، اور اس موقع پر وہ اس سے ۴/ہزار چار سو روپئے لیتی ہے، اس میں سے ۳/ہزار نوسو روپئے کا سامان اور پانچ سو روپئے ممبری فیس ہوتی ہے، جس کو کمپنی اپنے لٹریچر اور ترتیب کا معاوضہ قرار دیتی ہے، اور کمپنی ڈسٹری بیوٹر کو اپنی اشیاء ۲۰/فیصد رعایت کے ساتھ فروخت کرتی ہے۔

اگر ڈسٹری بیوٹر کی ماہانہ خریداری ۴/ہزار چار سو روپیوں تک پہنچ جائے، تو کمپنی ڈسٹری بیوٹر کو ۳/فیصد بونس (انعام) دیتی ہے، اسی طرح اگر ماہانہ خریداری ۲۲/ہزار روپئے تک پہنچ جائے تو ۶/فیصد اور ۴۴/ہزار روپئے تک پہنچ جائے تو ۱۲/فیصد بونس دیتی ہے۔

اگر کمپنی کا ڈسٹری بیوٹر کسی اور کو ڈسٹری بیوٹر بنائے تو اس دوسرے ڈسٹری بیوٹر کی خریداری بھی اس پہلے ڈسٹری بیوٹر کی طرف سے شمار کی جاتی ہے، مثلاً "الف" نے "ب، ت، ث، ج، ح، خ" ۶/ڈسٹری بیوٹر بنائے، فی ڈسٹری بیوٹر نے ۴/ہزار چار سو روپئے کا سامان خریدا، تو الف کی جانب سے ۲۶/ہزر چار سو روپئے کی خریداری متصور کی جاتی ہے، اور ۲۶/ہزار چار سو روپیوں پر مقررہ ۶/فیصد بونس تقسیم ہو کر ملتا ہے، جس میں "ب، ت، ث، ج، ح، خ" ہر ایک کو ۳/فیصد بونس ملتا ہے، اس کے علاوہ الف نے جو خریداری کی ہے اس پر اس کو ۶/فیصد بونس ملتا ہے۔

کمپنی کا کہنا ہے کہ اس کے ڈسٹری بیوٹر کی خود اپنی اور اس کے ذریعہ بنے ہوئے دوسرے ڈسٹری بیوٹرس کی خریداری جس قدر زیادہ ہوگی اتنا ہی بونس مقررہ قواعد کے مطابق دیا جائے گا۔

اوپر والے ڈسٹری بیوٹر کو جو بونس ملتا ہے، اس سے نیچے والے ڈسٹری بیوٹرس کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں ہوگا، یعنی اس کے بونس میں سے کچھ بھی کٹوتی نہیں ہوگی۔

اشیاء کی فروخت پر جو بونس ملتا ہے، وہ فروخت بہت زیادہ ہونے پر بھی 21% فیصد سے نہیں بڑھے گا۔

جس ڈسٹری بیوٹر کی کارکردگی غیر معمولی نمایاں ہو، یعنی اس کی اپنی خریداری اور اس کے ذریعہ بنے ہوئے ڈسٹری بیوٹرس کی خریداری ایک مخصوص اونچی سطح تک پہنچ جائے تو کمپنی رائلٹی کے طور پر کچھ رقم بونس کے علاوہ دیتی ہے۔

کمپنی میں ممبر شپ کی برقراری کے لئے سالانہ تقریباً ۷۵ روپئے تجدیدی فیس ادا کرنی پڑتی ہے۔

ان تفصیلات کی روشنی میں دریافت طلب امور یہ ہیں کہ:

(۱) کیا اس کاروبار کے ذریعہ حاصل ہونے والا نفع حلال ہے؟

(۲) اگر کوئی شخص صرف اپنی ذاتی خریداری کے لئے ممبر بننا چاہے تو کیا حکم ہے؟ کیوں کہ ہمارے علم کے مطابق کمپنی کی اشیاء معیاری اور عمدہ ہوتی ہیں۔

(۳) کیا بغیر ڈسٹری بیوٹر بنے کمپنی کی اشیاء کسی مسلمان یا غیر مسلم ڈسٹری بیوٹر سے خریدی جاسکتی ہے؟ واضح ہو کہ کمپنی کے نمائندوں کے بقول کمپنی کا بنیادی تصور یہ ہے کہ جو رقم اشیاء کو فروخت کرنے کے لئے اشتہار بازی پر خرچ ہوتی ہے، اور درمیانی افراد پر تقسیم ہوجاتی ہے، بجائے اس کے کمپنی چاہتی ہے کہ ایک صارف کمپنی کی اشیاء کے معیار سے مطمئن ہونے کے بعد اس کو دوسروں تک پہنچائے، اور اس طرح کمپنی کا کاروبار فروغ پائے، اور منافع میں سے ایک حصہ بطور انعام خود صارفین میں تقسیم کردیا جائے۔ بینوا توجروا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں جس طرح کی کمپنیوں کا ذکر ہے اُن میں کچھ معاملات درست ہیں، کچھ ناجائز، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) اگر کوئی شخص ذاتی استعمال کے لئے ان کمپنیوں سے کوئی سامان خریدے اور اُسے کمپنی کی بونس اسکیموں سے کوئی دلچسپی نہ ہو؛ بلکہ صرف سامان کی خریداری مقصود ہو، تو اِس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

(۲) خریدار کی طرف سے براہِ راست نیا خریدار بنانے پر اگر کمپنی کی طرف سے متعین رقم بطور اُجرت ملے، تو اس کی بھی گنجائش ہے، بایں طور خریدار کو کمپنی کا اس عمل میں اجیر (ایجنٹ) قرار دیا جائے گا، اور اَجیر کو اپنے عمل پر اُجرت لینا درست ہے۔

تلزم الأجرة باستيفاء المنفعة. (شرح المجلة، كتاب الإجارة / الباب الثالث، الفصل الثاني في المسائل المتعلقة بلزوم الأجرة ۲۶۲/۱ رقم المادة: ٤٦٩ كوئٹه)

فإن وقعت على عمل معلوم فلا تجب الأجرة إلا بإتمام العمل. (النتف في الفتاویٰ، كتاب الإجارة / مطلب: معلومية الوقت والعمل ۳۳۸ كراچی)

(۳) نیچے کے خریداروں کی خریداری پر اولین نیچے والوں کو جو نفع تقسیم کیا جارہا ہے، اُس کی شریعت میں کوئی نظیر نہیں ہے؛ کیوں کہ بعد والوں کے عمل اور محنت میں پہلے خریدار کا کوئی عمل دخل نہیں ہے؛ لہٰذا وہ دیگر لوگوں کی محنت میں کسی نفع کا مستحق قرار نہیں دیا جاسکتا، اس لئے اس نفع کی شرط لگانا شرعاً درست نہ ہوگا، اور ایم وے کمپنی کے طرز پر چلنے والی کمپنیوں میں خریدار کو سبز باغ دکھلانے کے لئے بونس کی صورت ہی سب سے زیادہ اہمیت سے اُجاگر کی جاتی ہے، اور اِسی غرض سے لوگ اِس طرح کی کمپنیوں کے خریدار بنتے ہیں؛ تاکہ گھر بیٹھے مفت میں نفع ملے، اور تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ اس مفت کے نفع کی اُمید میں اپنی اصلی رقم بھی گنوا بیٹھتے ہیں، اور ضرورت کی اشیاء بازاری ریٹ سے مہنگی قیمت پر مذکورہ کمپنیوں سے خرید کر دھوکہ کھاتے ہیں، اس لئے ایسی مشترکہ کمپنیوں سے احتراز لازم ہے۔

سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجوا أنه لابأس به، وإن كان في الأصل فاسداً لكثرة التعامل، و كثير من هٰذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه. (شامي / مطلب في أجرة الدلال ۷۵/۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۱۱/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کمپیوٹر پر آن لائن ٹریڈنگ بزنس کرنا؟

سوال (۱۹۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: COMMODITIES یعنی سونا چاندی پیتل تانبا اور CRUDEOIL اَناج وغیرہ اشیائے تجارت ہیں، ان چیزوں میں سے جس چیز کو بھی خریدنا ہوتا ہے، درمیان میں ایک بڑی کمپنی کی گارنٹی پر خریدا جاتا ہے، خریدنے اور بیچنے پر اس کمپنی کو کمیشن BROKERAGE دیا جاتا ہے، ہم کو کوئی بھی چیز جس قدر استطاعت ہو خرید سکتے ہیں، اور مارکیٹ ویلیو معلوم ہونے پر اس کا دس فیصد یا پندرہ فیصد بطور ADVANCE پیشگی ادائیگی کرکے اس خریدی ہوئی چیز کو اپنی جگہ منگوا کر اپنے قبضہ میں لے سکتے ہیں، یا نفع پر اس متعینہ مدت کے اندر منافع پر یا مارکیٹ ویلیو گر جانے پر بڑے نقصان سے بچنے کے لئے کم نقصان پر فروخت کرسکتے ہیں، ان چیزوں کی قیمت عالمی سطح پر طے ہوتی ہے، اور قیمت میں کمی یا زیادتی کھلے طور پر لمحہ بہ لمحہ طے ہوتی رہتی ہے، اس بزنس میں نفع کی بھی گنجائش ہے اور نقصان کا بھی اندیشہ، مال سامنے موجود نہیں ہوتا؛ بلکہ فروخت کرنے والے کے پاس ہوتا ہے، اس طریقہ کار کو کمپیوٹر آن لائن پر اپنایا جاتا ہے۔ کیا تجارت کا یہ طریقہ اسلامی شریعت کی رو سے جائز ہے؟ جب کہ بہت سے مسلمان اس تجارت سے وابستہ ہیں، اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انٹرنیٹ پر آن لائن ٹریڈنگ بزنس کی جو صورت سوال میں لکھی گئی ہے یہ شرعاً حرام ہے؛ اس لئے کہ اس میں مبیع پر قبضہ کے بغیر بیچنا پایا جاتا ہے، جو شریعت میں ممنوع ہے، نیز گھٹتی بڑھتی قیمتوں کی بنیاد پر اس میں قمار اور سٹہ کی صورت بھی پائی جاتی ہے؛ لہٰذا کسی بھی مسلمان کا اس کاروبار میں حصہ لینا قطعاً جائز نہیں ہے۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يقبضه، قال ابن عباس: وأحسب كل شيء بمنزلة

الطعام. (صحيح مسلم ٥/٢)

لأن القمار من القمر الذي يزداد تارةً وينقص أخرىٰ. وسمي القمار قمارًا؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه، وهو حرام بالنص. (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٦/٤٠٣ كراچی، ٩/٥٧٧ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۶/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

روپئے لے کر ممبر بنانے والی چند کمپنیاں اور اُن کی آمدنی کا حکم؟

سوال (۲۰۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل کمپیوٹر پر انٹرنیٹ کے ذریعہ جو سروے کئے جارہے ہیں جن میں ایک کمپنی ہے، اسپیک اشیاء آن لائن ڈاٹ کام اور ایک ہے ’’رام سروے ڈاٹ کام‘‘، اور ایک ہے ’’یوکے ایڈ ورلڈ ڈاٹ کام اِن‘‘، ان کمپنیوں میں روپیہ لے کر ممبر بنائے جاتے ہیں، کسی میں ۳۵/سو اور کسی میں ۶۵/سو اور کسی میں ۱۱/ہزار روپئے لے جاتے ہیں، پھر گیارہ یا بارہ مہینہ تک ہر ہفتہ چار سروے کئے جاتے ہیں، جن میں طے شدہ رقم جیسے ہر مہینہ ۳/ہزار یا ۳۵/سو روپئے یا جو رقم طے ہو وہ ملتی ہے، جو طے شدہ مہینہ تک دی ہوئی رقم کی کئی گنا منافع میں آتی ہے، ان سروے میں کمپیوٹر انٹرنیٹ کے ذریعہ سائٹ کھول کر پھر ان میں سوالات پوچھے جاتے ہیں، جن میں اپنی رائے دی جاتی ہے، یہ ایک مارکیٹ سروے ہے، کہ آج کل دنیا میں استعمال ہونے والی چیزوں کے بارے میں پوچھتے ہیں اور سائٹ میں ایڈ (اشتہار) کے شکل میں دکھاتے بھی ہیں، جیسے کہ ٹی وی پر دکھاتے ہیں۔ (سوالات جیسے آپ کونسا فون استعمال کرتے ہیں؟ یا کون سا شیمپو، کریم، مورٹین، اگربتی، سابون وغیرہ استعمال کرتے ہیں؟ اور کیوں کرتے ہیں؟ ان میں کون کون سی خصوصیات ہیں؟ کیوں کہ آج کل کئی کمپنیوں کے سامان بازار میں فروخت (بکری) ہورہے ہیں، پھر کمپیوٹر پر ان سوالات کے

جواب دینے ہوتے ہیں۔ اب چاہیں آپ ایک سوال کا جواب دینے کے بعد سروے بند کرسکتے ہیں، سوالوں کے جواب دیتے جایئے اور آگے سروے کرتے جایئے، یا جو اَیڈ (اشتہار) دکھارہے ہیں، اسے دیکھ لیجئے جو کہ تقریباً ایک یا دو منٹ کا ہوتا ہے، بہرحال آپ کا سروے ہو جائے گا، اور کھاتے میں روپیہ پہنچ جائے گا اور مہینہ پورا ہونے پر مل جائے گا، اب اس میں اپنا سروے آپ خود کریں، یا کسی سے کروالیں، روپیہ آپ کے کھاتے میں آ جائے گا، اب احقر یہ جاننا چاہتا ہے کہ یہ رقم (کمائی) جائز ہے یا نا جائز ہے؟

نـوٹ:- (۱) ہر ہفتہ میں سروے کرنا ہوتا ہے، اگر کسی ہفتہ کا سروے نہ کیا جائے، تو اس ہفتہ کا پیسہ نہیں ملے گا۔

(۲) جو کمپنیاں شروع میں پیسہ لیتی ہیں، وہ اُن کا رجسٹریشن فیس ہوتی ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں مذکور کمپنیوں کا طریقہ کار قطعاً جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ ان کمپنیوں میں داخل فیس کے نام پر جو گراں قدر رقم لی جارہی ہے، وہ نہ تو کسی سامان کی بیع وشراء ہے، اور نہ ہی شرکت ومضاربت کا عقد ہے؛ بلکہ یہ فارموں کی خانہ پوری کی اجازت حاصل ہونے کا عوض ہے، جو شرعاً معتبر نہیں ہے۔ اور اسے اجارہ کا معاملہ قرار دینا بھی صحیح نہیں؛ کیوں کہ شرعاً اجیر کے اوپر خود اپنا عمل کرنے کے واسطے کسی رقم کو لازم کرنے کی کوئی نظیر نہیں پائی جاتی؛ بلکہ اجارہ میں عمل اجیر کی طرف سے، اور اجرت مستاجر پر واجب ہوتی ہے۔ اور یہاں معاملہ کی نوعیت یہ ہے کہ فارم بھرنے والا اجیر اولاً خود ہی پیسہ جمع کرکے فارم بھرنے کا حق حاصل کرتا ہے، اور بعد میں مستاجر اسے فارم کی خانہ پوری کے لئے کچھ پیسے دیتا ہے؛ لہٰذا شروع سے اخیر تک یہ معاملہ فاسد ہے، اور یہ سودی بینکوں میں فکس ڈپازٹ کرانے کے مشابہ ہے، کہ اس میں وقت کے ساتھ ساتھ فیصدی تناسب سے رقم بڑھتی رہتی ہے، اور مالک جب چاہے بینک میں فارم بھر کر زائد رقم وصول کرسکتا ہے؛ لہٰذا اس طرح کے معاملات میں مسلمانوں کے لئے شریک ہوکر کمائی کرنا جائز

نہیں ہے۔ اور اگر کسی نے ان میں پیسہ جمع کرادئے ہیں، تو اپنی جمع شدہ رقم کے بقدر روپیہ واپس لے لیں، اور اس سے زائد وصول نہ کریں۔ اور اگر کسی نے جمع کردہ، رقم سے زائد روپئے حاصل کرلئے ہیں، تو انہیں بلانیت ثواب غریبوں پر تقسیم کرنا لازم ہے، اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة، جزءآیت: ۲۷۵]

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿يَأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا اَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوْا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [اٰل عمران: ۱۳۰]

﴿وَلَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ أي بالحرام يعني بالربا، والقمار، والغصب والسرقة. (معالم التنزيل ٢/٥٠، بحواله: فتاویٰ محمودیه ١٦/٣٣٣ ڈابھیل)

عن علي أمير المؤمنين رضي اللّٰه عنه مرفوعًا: كل قرض جرّ منفعة فهو ربا، وكل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف. (إعلاء السنن، كتاب الحوالة / باب كل قرض جر منفعة فهو ربا ٤٩٩/١٤ إدارة القرآن کراچی)

الربا فضل خال عن عوض بمعيار شرعي مشروطًا لأحد المتعاقدين في المعاوضة. (شامي، كتاب البيوع / باب الربا ٣٨٩/٧-٤٠٠ زكريا)

وأما الربا النسيئة فهو الأمر الذي كان مشهودًا متعارفًا في الجامعية، وذٰلک أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذوا كل شهر قدرًا معينًا، ويكون رأس المال باقيًا. (تفسير كبير ٩١/٧)

كل قرض جر نفعًا حرام أي إذا كان مشروطًا، كما علم عما نقله عن البحر. (شامي، كتاب البيوع / مطلب: كل قرض جر نفعًا حرام ١٦٦/٥ کراچی، ٣٩٥/٧ زكريا)

فاختلف أقوال العلماء في حرمتها مع اتفاقهم عليها إذا كانت مشروطة.

(إعلاء السنن ٥٤٧/١٤ دار الكتب العلمية بيروت)

وقال علمائنا: هو نوع بيع فيه فضل مستحق لأحد المتعاقدين خال عما

يقابله عن عوض شرط في هٰذا العقد. (البناية / باب الربا ٨/ ٢٦٠ المكتبة النعيمية ديوبند)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۶/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نیٹ ورکنگ تجارتی کمپنی میں شرکت؟

سوال (۲۰۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (F.I.C) نام کی ایک تجارتی کمپنی ہے، اس نے اپنے کاروبار کے فروغ کے لئے ایک مخصوص طریقہ تجویز کیا ہے۔

(۱) اس نے فروخت کے لئے عام استعمال کی چند چیزیں متعین کی ہیں، اور اُن کی قیمت بھی متعین کر کے اپنی فہرست میں طبع کر دی ہے۔

(۲) جب کوئی شخص اس میں سے کوئی چیز خریدے گا، تو اس کو اس چیز کی رعایتی قیمت ادا کرنی ہوگی اور ساتھ میں ۴۵۰/روپئے میں اس کمپنی کے طریقۂ کاروبار سمجھانے کے لئے جو کتابچے اور کیسٹ ہیں، وہ خریدنے ہوں گے۔

(۳) مزید براں ۵۰۰/روپئے اس لئے دینے ہوں گے کہ اگر یہ خریدار آئندہ کمپنی کے طریقۂ کار کے مطابق اپنی تشکیل ومحنت سے کمپنی کو گاہک مہیا کرے گا، تو اس خریدار کو بھی کمیشن ملے گا، اس سلسلہ کا حساب اور خط وکتابت کے مصارف کے طور پر یہ ۵۰۰/روپئے دینے ہوں گے، ۵۰۰/روپئے ادا کرنے کے بعد خریدار کے ذمہ لازم نہیں کہ وہ کمپنی کو گاہک مہیا کرے؛ بلکہ اپنی خوشی سے محنت کر کے رغبت دلا کر گاہک مہیا کرے گا؛ تاکہ گاہک کرنے پر کمیشن حاصل ہو، یہ بات ظاہر ہے کہ متعینہ اشیاء میں سے کسی چیز کا خریدنا اور آئندہ ایجنٹ بننے کے لئے ۵۰۰/روپئے ادا کرنا دونوں باتیں ایک ساتھ ہوتی ہیں۔

(۴) خریدار اور کمپنی کے درمیان تحریری طور پر ایگریمنٹ (معاہدہ نامہ) ہوگا، اور اس

معاہدہ میں کمپنی کے دستور کے مطابق خریدار کے نئے گاہک مہیا کرنے پر تو کمیشن ملے گا؛ لیکن اس کے بتائے ہوئے خریداروں اور اُن کے تیار کئے ہوئے خریداروں (ہلم جرا) کی محنت پر بھی کمیشن ملے گا، چاہے اصل خریدار اپنے سے نیچے کے ایجنٹوں کی محنت میں ہاتھ بٹائے یا نہ بٹائے۔ احقر یہ سمجھتا ہے کہ اس معاہدہ کا مطلب کمپنی کے دستور کے مطابق طریقۂ تجارت اور ایک دوسرے کے ذمہ کچھ حقوق کو شرط قرار دینا ہے؛ لہٰذا کسی ایک فریق کی جانب سے دوسرے فریق کو ملنے والا مالی نفع محض تبرع اور احسان نہ ہوگا؛ بلکہ معاہدہ کے تحت طرفین سے مشروط نفع شمار ہوگا۔

کمپنی مذکور کی تجارت کا یہ مختصر خاکہ ہے، آپ سے دریافت ہے کہ کیا اس تفصیل کے ساتھ کسی مسلمان کے لئے اس کمپنی کے دستور وطریقۂ کار کے مطابق خریدار بننا اور ایجنٹ بن کر کمیشن لینا فقہی اعتبار سے جائز ہے یا ناجائز؟ اور اگر ناجائز ہے تو عدم جواز کی وجوہ بھی واضح فرمائیں۔ اُمید ہے کہ غور وفکر فرما کر بحوالہ کتب اور شریعت کے اُصولِ تجارت کی روشنی میں تشفی بخش جواب تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اشیاء کی خریداری کے ساتھ مذکورہ کمپنی کے کاغذات اور کیسٹیں خریدنے اور پھر کمپنی کا ایجنٹ بننے اور خط وکتابت جاری رکھنے کی فیس ادا کرنے کی شرطیں لگانا تقاضائے عقد کے خلاف اور مفسدِ عقد ہے؛ لہٰذا یہ معاملہ سرے سے جائز ہی نہیں، اور اگر کوئی شخص کسی اور جائز طریقہ سے اس کمپنی کا ایجنٹ بن جائے تو وہ صرف اس خریدار پر کمیشن لے سکتا ہے، جسے اُس نے براہِ راست گفتگو کر کے اس کمپنی کی طرف راغب کیا ہو، اس سے نیچے والے خریداروں پر اُسے کمیشن لینے کا حق نہیں ہے؛ حالاں کہ مذکورہ کمپنی کے ضابطہ کے تحت اسے نیچے تک کے خریداروں پر کمیشن کا مستحق بنایا گیا۔ بریں بنا کاروبار کا مذکورہ طریقہ شرعی اُصولوں کے قطعاً خلاف ہے، اس میں حصہ لینا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے۔

لأن هٰذا بيع وشرط، وقد نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيع وشرط

الـخ، وكـل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه، وهو من أهل الاستحقاق يفسده. (الهداية / كتاب البيوع ٤٣/٣ إدارة المعارف ديوبند)

يستـفـاد هٰذا الـحـكـم بـمـا أخـرجـه الطحاوي عن محمد بن عمرو بن الـحـارث يـحـدث عن زينب امرأة عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه أنها باعت عبـد الـلّٰـه جـاريةً، واشتـرطت ضرمتها، فذكر ذٰلک لعمر، فقال: لا يقربنها ولا أجد فيها مثوبة. (شرح معاني الآثار / باب البيع يشترط فيه شرط ليس منه ٣١٣/٣ رقم: ٥٥٣٥)

عـن أبـي هـريرة رضي اللّٰه عنه قال: نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن بيعتين في بيعة. (سنن النسائي رقم: ٤٦٤١ دار الفكر بيروت)

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي اللّٰه عنه قال: نهى رسول اللّٰه صـلـى الـلّٰـه عليه وسلم عن بيعتين في بيعة، وعن ربح ما لم يضمن. (المسند للإمام أحمد بن حنبل ١٧٤/٢، الموسوعة الفقهية ٢٦٧/٩)

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي اللّٰه عنه قال: نهى رسول اللّٰه صـلـى الـلّٰه عليه وسلم عن بيعتين في صفقة واحدة. (رواه الإمـامُ البغوي في شرح السنة ١٤٤/٨، لـمـعات التنقيح ٥٧٢/٥ دار النوادر، كذا في المشكاة / باب المنهى عنها من البيوع ٢٤٨ رقم: ٢٨٦٩، الموسوعة الفقهية ٢٦٧/٩ كويت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عـن حـكيـم بن حزام رضي اللّٰه عنه قال: نهاني رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسـلم عن أربع خصال في البيع، عن سلف وبيع، وشرطين في بيع، وبيع ما ليس عندک ربح مالم تضمن. (المعجم الكبير للطبراني ٢٠٧/٣ رقم: ٣١٤٦، مسند أحمد ١٧٤/٢، الموسوعة الفقهية ٢٦٧/٩)

عـن عبـد الرحمن بن عبد اللّٰه بن مسعود عن أبيه رضي اللّٰه عنه قال: نهى الـنبـي صـلـى اللّٰه عليه وسلم عن صفقتين في صفقة الخ. (نصـب الراية ٢٠/٤ بحواله:

تعلیقات علی الهدایة / باب البیع الفاسد ١٢٠/٥ مكتبة البشریٰ كراچی، رواه أحمد، كذا في إعلاء السنن ٢٠٦/١٤ دار الكتب العلمیة بیروت، الموسوعة الفقهیة ٢٦٧/٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۱/۱۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کتابوں کی تجارت میں شراکت کا ایک معاملہ

سوال (۲۰۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں ایک صاحب کافی بڑے پیمانے پر کتابوں کو چھاپ کر فروخت کرنے کا کاروبار شرکت کی شکل میں چلاتے ہیں، اِس کاروبار سے ہزاروں لوگ جڑے ہوئے ہیں، اور کاروبار میں شرکت اور اس سے حاصل شدہ مال حلال وجائز ہے یا حرام؟ اس سلسلہ میں دار العلوم دیوبند سے دو سوالوں کے دو مختلف فتوی موصول ہوئے ہیں، جو ساتھ میں منسلک ہیں؛ لہٰذا اِس کاروبار کی تمام شرائط وقوانین مندرجہ ذیل ہیں، مدلل ومفصل جواب مطلوب ہے:

(۱) کاروبار چلانے والے زید کا بھی مال ہے اور دوسرے متعدد شرکاء کا بھی۔

(۲) زید خود دوثلث نفع لیتا ہے دیگر شرکاء کو ایک ثلث دیتا ہے۔

(۳) ہر ماہ اصل کا دس فیصد نفع شرکاء کو دیتا ہے، اور بیس فیصد خود لیتا ہے۔

(۴) دس ماہ بعد پوری مدت کا حساب کرتا ہے، نفع میں کمی کی شکل میں اگلی قسط میں اس کو کاٹ لیا جاتا ہے، اور زیادہ نفع ہونے پر اسی وقت دیا جاتا ہے۔

(۵) یہ معاہدہ شرکت کے وقت سے تیس ماہ کا ہوتا ہے، اس مدت میں کسی کو اپنا مال واپس لینے کا حق نہیں ہے؛ البتہ مدت معاہدہ ختم ہونے پر ہر شریک کو اختیار رہوتا ہے، آئندہ شرکت کرے یا نہ کرے۔

(۶) مدتِ معاہدہ ختم ہونے پر ہر شریک کو حق ہے کہ وہ حساب چیک کرے۔

(۷) اس کاروبار میں شرکت کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں ہے کسی بھی وقت کوئی بھی

شریک ہوسکتا ہے، اور شرکت کے وقت ہی سے نفع ملنا شروع ہوجاتا ہے۔

(۸) زید نے اس پورے کاروبار کا بیمہ کرا رکھا ہے، جس کی وجہ سے اصل مال کا کلاً یا بعضاً کسی ناگہانی آفت میں ہلاک وتباہ ہونے کا خطرہ نہیں ہے۔

(۹) اب تک کا تین سالہ تجربہ بتاتا ہے کہ مذکورہ کاروبار میں ۲۵ / فیصد سے ۳۳ / فیصد کے درمیان فائدہ اور نفع ہوا ہے، نقصان نہیں ہوا، اسی لئے نقصان بتایا نہیں جاتا۔

(۱۰) زید نے کاروبار میں بہت سے ملازمین اور ممبر ساز ایجنٹ مقرر کر رکھے ہیں، جن کی تنخواہ وہ اپنے دو ثلث نفع میں سے دیتا ہے، دیگر شرکاء کے حصے سے نہیں دیتا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں کاروبار کی جو نوعیت بیان کی گئی ہے، وہ کسی شرعی اُصول پر منطبق نہیں، اُسے مضاربت بھی قرار نہیں دیا جاسکتا ہے؛ اس لئے کہ مضاربت میں مضارب کی طرف سے ذاتی طور پر کوئی رقم لگانا صحیح نہیں ہے، جب کہ اس معاملہ میں خود زید کی بھی رقم لگی ہوئی ہے، جیسا کہ شق نمبر ا ر سے واضح ہے، نیز چلتے ہوئے کاروبار میں مضاربت کی شکل نہیں ہوتی، جب کہ مسئولہ معاملہ میں نئے ممبروں کی شراکت چلتے ہوئے کاروبار میں متصور کی جاتی ہے، جو مضاربت میں درست نہیں، نیز مضاربت کا سارا دارومدار امانت ودیانت پر ہے، جس کے لئے ضروری ہے کہ رب المال کو ہر وقت کاروبار کے بارے میں تفصیلات جاننے اور حقیقی آمد وخرچ سے واقف ہونے کا اختیار دیا جائے، جب کہ شق نمبر ۶ ر کے اعتبار سے مذکورہ کاروبار میں مدت معاہدہ کے دوران رب المال کو حساب چیک کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا ہے، یہ شرط بھی مفسد عقد اور مفضی الی النزاع ہے۔

اِسی طرح اِس کاروبار کو شرکت قرار دینا بھی مشکل ہے؛ کیوں کہ شرکت میں ہر شریک کو تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے، جب کہ حسبِ تحریر سوال مسئولہ معاملہ میں باہر سے پیسہ لگانے والوں کو عملاً تصرف کا حق یا موقع نہیں دیا جاتا ہے، نیز شریعت میں عقد شرکت ایک غیر لازمی عقد ہے،

یعنی جب چاہے کوئی ایک فریق دوسرے کی رضامندی کے بغیر عقد کو ختم کرسکتا ہے، جب کہ مسئولہ معاملہ کی شق نمبر۵ رکے اعتبار سے دورانِ معاہدہ رب المال کو شرکت ختم کرنے کے اختیار سے محروم کردیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا وجوہات کی بناپر مسئولہ معاملہ شرعاً درست نہیں ہے، اوراس میں شریک ہوکر نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

وكـذا لـو شـرط فـي المضاربة عمل رب المال فسدت المضاربة. (بدائع الصنائع / كتاب المضاربة ١١٧/٥ المكتبة النعيمية ديو بند)

هـي عـقـد شـركة في الربح بمال من جانب رب المال، وعمل من جانب الـمـضـارب (الـدر الـمـختـار) لأنه لو اشترط رب المال أن يعمل مع المضارب فسـدت ...... وكذا تفسد لو أخذ المال من المضارب. (الـدر المختار مع الشامي / أول كتاب المضاربة ٤٣٠/٨ المكتبة النعيمية ديوبند)

أمـا شـرائـط الـركـن فبـعـضـهـا يـرجـع إلـى الـعـاقدين، وهما رب المال والـمـضـارب ...... فـأهـلية التـوكيل والوكالة؛ لأن المضارب يتصرف بأمر رب المال، وهذا معنى التوكيل. (بدائع الصنائع / كتاب المضاربة ١١٢/٥ المكتبة النعيمية ديو بند)

بـخـلاف ما إذا دخل بغير أمره؛ لأنه لما لم يأذن له بالدخول انقطع حكم رب الـمال عنه، فصار تصرفه لنفسه فملك الأمر به. (بدائع الصنائع / كتاب المضاربة ١١٣/٥ المكتبة النعيمية ديوبند)

بخلاف الشركة؛ لأنها انعقدت على العمل من الجانبين، فشرط زوال يدِ رَبِّ الـمـال عـن العمل يناقض مقتضى العقد. (بـدائـع الـصنائع / كتاب المضاربة ١١٧/٥ المكتبة النعيمية ديوبند)

وأحـدهـما يملك فسخها، وإن كان المال عروضًا، بخلاف المضاربة، والفرق أن مال الشركة في أيديهما معًا، وولاية التصرف إليهما جميعًا، فيملك

كـل نهي صاحبه عن التصرف في ماله، نقدا كان أو عروضًا. (شامي، كتاب الشركة / مطلب يرجح القياس ٦/ ٥٠٥ المكتبة النعيمية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/ ۵/ ۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چودھری ضرار احمد نقی کے کاروبار کی شرعی حیثیت؟

سوال (۲۰۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید مضاربت کاروبار کرتا ہے، مثلاً (پلاٹنگ، کنسٹرکٹنگ، بڑی بڑی بلڈنگوں کی ٹھیکے داری، کھلونوں کی خریداری، نشر کتب، اور جائز شیئرز میں حصہ داری وغیرہ وغیرہ) اور کثیر لوگوں کو اپنے کاروبار میں مضاربت کے طور پر شریک کرتا ہے، نیز شریک ہونے کی کوئی تاریخ اور وقت متعین نہیں ہے؛ لیکن جو شخص جس تاریخ اور وقت میں شریک ہوتا ہے اس کا حساب اسی تاریخ سے جوڑا جاتا ہے، اور جو شخص زید کو جس قدر روپیہ جس وقت بغرض مضاربت دیتا ہے، زید وہ روپیہ لے کر مال خرید لیتا ہے، اور کچھ لوگوں کے روپئے نقد بھی رکھ لیتا ہے؛ تاکہ کاروبار کے نشیب وفراز کو سدھارا جاسکے۔ الحاصل تمام لوگوں کے روپئے ایک جگہ مشترک رکھتا ہے، اور مال مشترک خریدتا ہے؛ لیکن ہر ایک کے روپئے کا حساب جداگانہ ہوتا ہے۔ (شامی/ کتاب المضاربۃ ۸/ ۴۳۵ زکریا)

(۱) **لا يملك (المضارب) المضاربة والشركة والخلط بمال نفسه إلا بإذن أو اعمل برأيك الخ، وفي الشامي قوله: بمال نفسه، وكذا بمال غيره، كما في البحر، وهذا إذا لم يغلب التعارف بين التجار في مثله الخ.**

(۲) **كما في فتاوى دار العلوم ١٣/ ٩٩، كتاب المضاربة** سوال نمبر ۵ کا جواب۔

مضاربت کے مسائل میں ایک رب المال کے روپئے کو دوسرے رب المال کے روپئے سے، یا اپنے روپئے سے خلط کرنا دراصل ناجائز اور ممنوع وموجب ضمان ہے؛ لیکن اگر تجارت میں

یہ معروف ہے، اور موافق عرف کے ہرایک رب المال کی طرف سے خلط کی اجازت ہے، تو پھر جائز ہے، اور اس خلط سے مضارب پر ضمان نہیں ہے؛ لیکن ہر ایک رب المال کے روپئے اور نفع کا حساب علیحدہ علیحدہ صحیح طور سے کرے اور جو کمی وبیشی ہوجائے اور ایک رب المال کے نفع میں سے دوسرے کو پہنچ جائے، تو اس کی معافی اور مؤاخذہ کی برأت کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ارباب الاموال سے معاف کرالے۔

(۳) وأيضًا في الشامي (۸/٤٣٥ زكريا): والأصل أن التصرفات في المضاربة ثلاثة أقسام: قسم هو من باب المضاربة وتوابعها، فيملكه من غير أن يقول له: إعمل ما بدالك كالتوكيل بالبيع والشراء، وقسم لا يملك بمطلق العقد بل إذا قيل: إعمل برأيك كدفع المال إلى غيره مضاربة أو شركة أو خلط مالها بماله أو بمال غيره. وقسم لا يملك بمطلق العقد ولا بقوله: إعمل برأيك إلا أن ينص عليه، وهو ماليس بمضاربة ولا يحتمل أن يلحق بها كالاستدانة عليها.

(۲) زید اپنے کاروبار میں شریک ہونے والے تمام ارباب مال سے تین بنیادی شرطوں کی منظوری لیتا ہے:

(۱) تجارت میں لگنے والی لاگت تین سال میں لوٹائی جائے گی۔ هكذا في القدوري ص: ۱۱۸. إن وقت المضاربة مدة بيعها جاز.

(۲) تجارت کے نفع ونقصان کا حساب دس ماہ بعد کیا جائے گا۔

(۳) تجارت کا نفع دس ماہ بعد یا ہر ماہ بھی دیا جاسکتا ہے۔

(۳) منافع کی تفصیل یہ ہے کہ زید اپنے تمام ارباب الاموال کو منافع میں سے نصف دیتا ہے، اور نصف خود رکھتا ہے۔ الدر المختار مع رد المحتار ۸/۸۳۳، وكون الربح بينهما نصفا وكون نصيب كل منهما معلومًا عند العقد ۔لیکن ملتوی طور پر (یعنی آئندہ حساب کی شرط پر) تمام ارباب الاموال کو مثلاً ۵۰؍ ہزار روپئے جمع کرنے پر پانچ ہزار روپئے ماہانہ

رقم دیتا ہے، اور دس مہینہ میں ہر ایک کا حساب کیا جاتا ہے، پھر اگر نفع زیادہ ہو تو وہ بھی دیا جاتا ہے، اور نقصان ہونے کی صورت میں آئندہ ماہ کے نفع میں سے کاٹ لیا جاتا ہے، الحاصل حساب کے وقت نصف نصف کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ **وهٰذه الحيلة مذكورة في فتاوىٰ دار العلوم في كتاب المضاربة السوال: ۱۲، ج: ۱۰۳/۱۳)**

(۴) زید اپنے مذکورہ کاروبار میں کچھ لوگوں کو ممبر سازی (یعنی کاروبار کی تفصیل بتاکر) لوگوں کو شریک کرنے کے لئے اجیر نام ایجنٹ بھی بناتا ہے، اور ایجنٹوں کو زید اپنی جانب سے ممبر بنانے پر کچھ روپئے بطور انعام دیتا ہے۔

جن کی تفصیل یہ ہے کہ مذکورہ کاروبار میں ایجنٹ دو قسم کا ہوتا ہے: (۱) ایک وہ جن کو ماہانہ ۷۰/ ہزار روپئے جمع کروانے پر ۴/ ہزار روپئے تنخواہ اور ۳/ ہزار روپئے فیلڈ ورکنگ خرچ کل ملا کر ۷/ ہزار روپئے دئے جاتے ہیں؛ لیکن ماہانہ ۷۰/ ہزار روپئے کا ٹارگیٹ پورا نہ کرنے کی صورت میں (اجیر) کو جو بھی رقم جمع کرائی ہے، اس کا پانچ فیصد دیا جاتا ہے۔

اور ایک مطلق ایجنٹ ہوتا ہے یعنی جمع کرائی گئی رقم کا صرف پانچ فیصد رقم بطور انعام دیا جاتا ہے، اور ماہانہ ٹارگیٹ پورا کرنے کی کوئی شرط نہیں ہوتی ہے۔ (بخاری، کتاب الاجارۃ، باب اجر السمسرۃ)

ممبر بنانے کا عمل دلالی ہے، اور دلالی کی اجرت لینا جائز ہے، ممبر بنانے والے کی حقیقت اجیر مشترک کی ہے، اور طحاوی ہندیہ ۵۰۰/۴، **وأيضا مجمع الأنهر، فصل في أحكام الأجير وأنواعه،** میں ہے: **الأجير المشترك من يستحق الأجر بالعمل.**

نوٹ:- کاروبار کی مذکورہ تفصیلات شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں جائز ہے یا نہیں؟ مؤید بالدلائل فرمائیں، نیز اگر جائز ہے تو فبہا، ورنہ جواز کی جو بھی صورت مل سکتی ہو، اسے تحریر فرمائیں، اور ہر جزو کا جواب فقہی عبارات کی روشنی میں باحوالہ دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

یہ استفتاء آپ کی خدمت میں ارسال کیا گیا ہے؛ لیکن اس میں جس تجارت کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے، اور جو باتیں ذکر کی گئی ہیں، اُن میں چند چیزیں فرضی ہیں، نفس الامر میں اُن کا

کوئی وجو دنہیں ہے،اس لئے ہم حضرت والا کوصحیح صورتِ حال سے آگاہ کرنے کے لئے کچھ باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں،اُمید ہے کہ پوری طرح تحقیق فرمانے کے بعد ہی جواب عنایت فرمائیں گے۔

آج سے ۵-۶/سال پہلے سرزمین دیوبند میں ڈاکٹر ضرار احمد نقی (فاضل دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) کا ظہور ٹیوشن ماسٹر کی حیثیت سے ہوا تھا،موصوف انگریزی کا ٹیوشن پڑھاتے تھے، آبائی وطن کٹھور، میرٹھ ہے،اچانک اُنہوں نے بیع مضاربت کے نام سے ایک تجارتی اسکیم چلائی، جس میں صرف علماء ہی ٹارگیٹ رہے،ابتدائی ایام میں اُنہوں نے نہایت اجمالی طریقے سے ایک استفتاء لکھ کر کے دارالافتاء دارالعلوم دیوبند سے جواز کا فتویٰ لیا اور تجارت میں شریک ہونے والے ہر ممبر کو بانٹتے رہے، جو سب سے اخیر میں ہم نے چسپاں کر دیا ہے،ان کا کام آگے بڑھتا گیا،علماء وطلباء لاکھوں روپیوں سے شرکت کرتے رہے، دینی علوم وحدیث پڑھانا چھوڑ کر بنگال وبہار کے بہت سے علماء ان کے ایجنٹ بن گئے، مہینے میں ۱۵-۲۰/ ہزار روپئے کرکے کمانے لگے،کل تک جن کے پاس ناشتہ کرنے کا پیسہ نہیں تھا، ان کے ساتھ لگنے کے بعد ہوائی جہاز میں سفر کرنے لگے، پھر اُن کی تجارت کی تفصیل لکھ کر کے دارالافتاء دارالعلوم دیوبند سے دوبارہ فتویٰ طلب کیا گیا،تو عدم جواز کا فتویٰ آیا، حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت فیوضہم نے اپنے سفر کلکتہ کے دوران،اور دارالحدیث دارالعلوم دیوبند میں اُن کی تجارت کی حرمت پر آدھا گھنٹہ تک بیان فرمایا، حضرت مولانا عبدالخالق مدراسی صاحب نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند، مفتی راشد صاحب، مفتی عثمان غنی صاحب ہاؤڑوی، مولانا عبدالسلام صاحب قاسمی، دارالافتاء کے تمام مفتیانِ کرام نیز دیگر اساتذۂ دارالعلوم نے بھی اس تجارت کی بھر پور مخالفت کی؛ لیکن کچھ لوگ اپنے مفاد کی خاطر دارالعلوم کا فتویٰ نیز اساتذۂ کرام کی تنبیہات کو پس پشت ڈال کرکے اُسے جائز قرار دینے کی بھر پور کوشش میں ہیں،جس کوشش کی ایک کڑی اوپر کا استفتاء ہے، جب کہ اس میں بہت باتیں فرضی ہیں،نفس الامر میں کچھ اور طریقۂ کار رائج ہے، اور استفتاء میں کچھ اور ذکر کیا گیا ہے؛ تاکہ جواز کا فتویٰ حاصل ہوسکے،ہم حضرت والا کی خدمت میں اس طرح چند باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں:

(۱) استفتاء میں بہت ساری تجارتوں کا ذکر کیا گیا ہے، جب کہ ماسٹر ضرار صاحب سے براہ راست ہماری گفتگو ہوئی، تو انہوں نے ہمیں صرف کتابوں کی تجارت کی بات بتائی ہے، اور آج تک سب سے یہی بتاتے آئے ہیں؛ لیکن جب اس پر اعتراض آ رہا تھا کہ صرف کتب کی تجارت میں دنیا کے تمام بینکوں سے زیادہ فائدہ دیا جا رہا ہے، اور وہ بھی صرف ان کتابوں کی تجارت میں جن کو ماسٹر ضرار احمد خود لکھ کر کے مختلف اسکولوں میں چلاتے ہیں، حالاں کہ ان کی کتابیں اکثر وبیشتر اسکولوں میں داخل نصاب نہیں ہیں، اور بعض علاقہ میں تو فری میں بانٹی گئی ہیں، جب یہ اعتراض آ رہا تھا، تو انہوں نے استفتاء مرتب کرتے وقت اور بھی تجارتوں کا ذکر فرمایا، حالاں کہ ان کی کوئی بھی تجارت آج تک منظر عام پر نہیں آئی، پتہ نہیں کون سے نامعلوم شہروں میں نامعلوم افراد کے ذریعہ ان کی تجارت چل رہی ہے۔

(۲) نیز اپنی گفتگو میں انہوں نے ہمیں بتایا ہے کہ ہر مہینہ میں ہم رأس المال کا دس فیصد نفع دیتے ہیں، پھر دس مہینے کے بعد حساب کر کے نفع کی باقی رقم دیتے ہیں، اور ہماری تجارت میں اتنا نقصان کبھی نہیں ہوتا کہ رأس المال گھٹ جائے؛ البتہ نفع میں کمی وزیادتی ہوسکتی ہے، ہم نے پوچھا کہ یہ ہمیں پتہ کیسے لگے گا کہ ہمارا کل فائدہ کتنا ہو رہا ہے، اور کس تجارت میں آپ ہمارا پیسہ لگا رہے ہیں، نیز کن شرکاء کے پیسوں کے ساتھ ہمارا پیسہ ملایا جا رہا ہے؛ کیوں کہ آپ کے یہاں روزانہ لوگ شریک ہو رہے ہیں، نیز فائدہ کتنا فی صد ہمیں مل رہا ہے؟ آپ دس مہینے کے بعد صرف یہ کہتے ہیں کہ دس فی صد کے حساب سے آپ کے پاس اتنا پیسہ جا چکا ہے، اور آپ کے فائدہ کا اتنا پیسہ ہمارے پاس باقی ہے؛ لیکن یہ کل فائدہ کتنا حصہ ہے اور کس تجارت سے حاصل ہوا ہے؟ یہ ہمیں کیسے پتہ لگے گا؟ تو انہوں نے بتایا کہ ہر بات ہم آپ کو بتا نہیں سکتے، یہ ہماری مجبوری ہے؛ لہٰذا مذکورہ استفتاء میں نصفا نصف کی بات سراسر فرضی ہے، نفس الامر میں آج تک کسی ایک بھی شریک کے ساتھ نہ عندالعقد نفع کی فی صدی طے کی گئی ہے اور نہ عندالاداء، اور اقرار نامہ میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، جب کہ درمختار ۸/۴۳۳ زکریا، میں رب المال اور مضارب کا حصہ عندالعقد متعین

کرنے کوصحتِ مضاربت کی شرط قرار دی گئی ہے: **وكون الربح بينهما شائعًا، وكون نصيب كل منهما معلومًا عند العقد.**

بنگال اور بہار کے بہت علماء ومفتیان کرام ان کی تجارت میں موٹی رقم کے ساتھ شریک ہیں، اس وجہ سے علماء میں بھی اس مسئلہ کو لے کر کے بہت خلفشار رہے، اب ماسٹر صاحب نے ایک پارٹی قائم کرلی ہے، جس کا نام ''ہندو مسلم اَیکتا پارٹی'' ایسا کوئی اخبار نہیں ہے جس میں اُن کی پارٹی کا اشتہار روزانہ شائع نہ ہوتا ہو، لاکھوں روپیہ ماہانہ اس میں خرچہ ہے، نیز بہار کی ہر سیٹ سے الیکشن لڑنے کے لئے اپنے ہر کنڈیڈیٹ کو ایک ایک لاکھ روپیہ دیا ہے، ہندی میں ایک اخبار شائع کر کے فری میں بانٹتے ہیں، تجارت میں دنیا کا سب بڑا کامیاب تاجر ہے، ورنہ اتنا زیادہ فائدہ دنیا کی کوئی بھی کمپنی نہیں دے سکتی، جب کہ ان کی ہر طرح کی تجارت اب تک لوگوں کے لئے ایک راز ومعمہ ہے۔ اِن تمام قرائن کے پیشِ نظر بعض ذمہ دارانِ دارالعلوم کو انہیں کسی غیر اسلامی قوت کی پشت پناہی حاصل ہونے کا شک ہے، مقصد حرام رزق علماء کے گھروں تک پہنچانا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت والا سے گذارش ہے کہ دارالعلوم کے تمام فتاویٰ، نیز ان کا اقرارنامہ (جو استفتاء کے ساتھ منسلک ہے) کا مکمل جائزہ لینے کے بعد مدلل جواب عنایت فرماکر امت کو صحیح راستہ کی رہنمائی فرمائیں گے، فجزاکم اللہ احسن الجزاء۔ فقط والسلام

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آپ کا سوال نامہ بغور پڑھا گیا اور حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب مدظلہ نے بھی بغور تمام کاغذات کو ملاحظہ فرمایا، اب موصوف کے مشورہ سے جواب عرض کیا جاتا ہے کہ سوال میں ذکر کردہ کاروبار کے متعلق عدم جواز کا فتویٰ مؤرخہ ۲۶/۵/۱۴۳۱ھ کو دارالافتاء مدرسہ شاہی سے جاری ہو چکا ہے، جو سوال میں مذکور تفصیلات کے مطابق تھا۔ (دیکھئے: مسئلہ نمبر ۲۰۲)

زیرِ نظر نئے استفتاء میں جہاں ایک طرف مذکورہ کاروبار کو جائز قرار دینے کی کوشش کی گئی ہے، وہیں دوسری طرف اس کاروبار کے مالک چودھری ضرار احمد نقی نے اپنے ذاتی اخبار ''ذیشان''

۱۷/جون ۲۰۱۰ء کی اشاعت میں اداریہ لکھتے ہوئے پوری جسارت سے فتوؤں کا مذاق اڑایا ہے، اور ہندوستان میں مفتیان کی رائے کے بجائے سود پرمبنی بینکنگ کا روبار کو ہی قابل عمل قرار دیا ہے؛ لہٰذا جو شخص قرآنی ہدایات کے مقابلے میں ہندوستانی بینکوں کے دستور کو قابل عمل مانتا ہو، اس کے کاروبار کے ناجائز ہونے کے لئے مزید کسی دلیل دینے کی ضرورت نہیں ہے، اور اب اس تحریر کے آنے کے بعد یہ واضح ہو چکا ہے کہ مذکورہ شخص شریعت پر عمل ہی نہیں کرنا چاہتا ہے؛ لہٰذا اس کے کاروبار کو درست قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۸/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تجارتی کمپنی میں شرکت کی شرائط اور اُس کا حکم

سوال (۲۰۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل مارکیٹ میں ایک نئی کمپنی وجود میں آئی ہے، اس کمپنی میں شرکت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) دس ہزار سے لے کر ۹۰/ ہزار تک شرکت کرے۔

(۲) ایک لاکھ یا اس سے زائد کی شرکت کرے۔ شرکت کی شرائط یہ ہیں کہ کم از کم دس ہزار کی شرکت کرے، اس سے کم میں شرکت نہ ہوگی۔

(۳) شرکت کی مدت تیس ماہ ہوگی، اس سے پہلے کوئی بھی اپنی شرکت ختم نہیں کرسکتا؛ البتہ اگر کسی شریک کی حالت بہت ہی خراب ہوتو کمپنی اس کے حالات کا جائزہ لے کر اس کی رقم واپس کرسکتی ہے؛ لیکن یہ بات کمپنی کے صرف مخصوص لوگوں کو معلوم ہے عام شرکاء کو نہیں، عام حالات میں اگر کوئی شخص مقررہ مدت سے قبل شرکت ختم کرنا چاہے، تو کمپنی کا ضابطہ اصل رقم واپس کرنے کا نہیں ہے، کمپنی نے شرکاء کے لئے ہونے والی منفعت سے نفع کی مقدار مقرر کی ہے کہ پہلے دس ماہ تک ۱۲/ فیصد، دوسرے دس ماہ تک ۱۴/ فیصد اور تیسرے دس ماہ تک ۱۶/ فیصد نفع دیا جائے گا، یہ شرکت نفع ونقصان کے ساتھ ہے، اگر کمپنی کو نقصان ہوتا ہے تو تمام شرکاء اپنی اپنی شرکت کے اعتبار

سے نقصان برداشت کریں گے۔

آج کل بہت سی کمپنیاں دھوکہ دیدیتی ہیں؛ اس لئے کمپنی نے شرکاء کے اطمینان کے لئے شرکت کی پہلی صورت میں پہلے دس ماہ کے لئے ۱۲۰۰/روپیہ، اور شرکت کی دوسری صورت میں پہلے دس ماہ کے لئے ۱۲/ہزار روپے کی رقم فیصد بول کر پیشگی مقرر کردی ہے؛ تاکہ لوگوں کو اطمینان بھی رہے اور زیادہ سے لوگ اس میں شرکت بھی کریں۔

کمپنی کی تجارت درج ذیل اشیاء میں ہے:

(۱) ٹریڈنگ۔

(۲) کھانے پینے کی جائز اشیاء۔

(۳) زمین کی خرید وفروخت۔

(۴) شیئر کی خرید وفروخت۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح کریں کہ اس کمپنی میں شرکت درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں ذکر کردہ تفصیل کے مطابق یہ معاملہ مضاربت کا ہے؛ لہٰذا مضاربت کی تمام شرائط کا خیال رکھنا ضروری ہے، جن میں سے ایک شرط یہ ہے کہ رقم دینے والے کا پیسہ یقینی طور پر کس کاروبار میں لگایا جارہا ہے، اُس کا اسے علم ہو، اور اس کی طرف سے صراحۃً یا دلالۃً اجازت ہو، اور مضاربت کی شکل میں نقصان کی ساری ذمہ داری رقم لگانے والے پر ہوتی ہے، محنت کرنے والا نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوتا ہے؛ البتہ نفع میں دونوں کی حصہ داری ہوتی ہے، جو نفع کی مقدار کے اعتبار سے کم وبیش ہوسکتی ہے، مسئولہ صورت میں کمپنی کی یہ شرط کہ پہلے دس ماہ میں دس ہزار روپئے لگانے والے کو بارہ سو روپئے اور ایک لاکھ روپئے لگانے والے کو بارہ ہزار روپئے یقیناً ملیں گے، یہ شرط معاملہ کو فاسد کرنے والی ہے اور یہ متعین نفع سود ہے، اس کو مقرر کرنا اور اس نفع کو لینا قطعاً جائز نہیں ہے۔

وشـرطهـا كون رأس المال من الأثمان ...... وهو معلوم للعاقدين، و كفت فيه الإشارة ...... و كون الربح بينهما شائعًا، فلو عيّن قدرًا فسدت. (تنوير الأبصار مع الدر المختار / كتاب المضاربة ۴۳۳/۸-۴۳۲ زكريا، كذا في تبيين الحقائق / كتاب المضاربة ۵۱۸/۵ دار الكتب العلمية بيروت، الدر المنتقى على هامش المجمع الأنهر / كتاب المضاربة ۴۴۶/۳ کوئٹہ)

رجـل دفـع الآخـر أمتـعة، وقال: بعها واشترها، وما ربحت فبيننا نصفين، فخسر فلا خسران على العامل. (شامي / كتاب المضاربة ۴۳۱/۸ زكريا)

أن الأصل في الربح أن يكون على قدر المال. (شامي / كتاب لمضاربة ۴۳۱/۸ زكريا)

وأمـا حكـمهـا فإنه أولا أمين، وعند الشروع في العمل وكيل، وإذا ربح فهو شريك، وإذا فسدت فهو أجير. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب المضاربة / قبيل الباب الثاني ۲۸۸/۴ زكريا، شامي / كتاب المضاربة ۴۳۱/۸ زكريا، كذا في مجمع الأنهر / باب المضارب يضارب ۴۵۸/۳ کوئٹہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۱۱/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ملٹی لیول کمپنی کے کاروبار کا حکم؟

سوال (۲۰۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک کمپنی ہے جو ۶/ ہزار ۵/سو روپئے لے کر ایک عدد سی ڈی (جس کے اندر کمپیوٹر کے کچھ کورس ہیں) اور ایک کنکشن جس کے ذریعہ اعلیٰ تعلیم کے اندر کنسیشن ملے گا، اور تیسری چیز ویب سائٹ پر کچھ جگہ دی گئی، یہ تین چیزیں ہوئیں، جو ۶۵/سو روپئے میں کمپنی کی طرف سے مل گئیں، اور اسی کے ساتھ ہر خریدار کو کمپنی کی طرف سے اختیار دیا جاتا ہے کہ اگر آپ دو اور خریدار تیار کریں گے، تو کمپنی آپ کو اتنا کمیشن دے گی۔ اِسی طرح ہر خریدار اگر دو آدمی کو تیار کر کے وہ خرید کروا دیتا ہے، تو کمپنی اس کو کمیشن دے گی، اور جس شخص سے یہ سلسلہ جتنا زیادہ بڑھے گا، اُس کو کمیشن زیادہ ملے گا، شرط یہ ہے کہ ہر آدمی دو آدمی کو تیار کرے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ میں دوسروں کو ترغیب دوں گا اور وہ اس معاملہ کو آگے بڑھانے کی فکر میں رہتا ہے؛ تاکہ کمیشن زیادہ سے زیادہ حاصل ہو، ہر وقت وہ اِسی فکر میں رہتا ہے کہ میرے ذریعہ کوئی خریدار بن جائے، کمپنی جو چیزیں قیمت کے عوض بتلاکر خریدار کو دیتی ہیں، اس سے کوئی مطلب نہیں، اکثر تو جانتے بھی نہیں کہ ۶۵/ سو روپئے میں کیا چیزیں ملیں؟ وہ یہی جانتے ہیں کہ ہمیں دوسری خریدار کو تیار کرنا ہے، تو کیا یہ صورتیں درست ہیں؟ اور صرف اسی مقصد کے لئے پروگرام خریدنا درست ہے؟۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں کمپنی سے جو چیزیں خریدی جارہی ہیں وہ جائز ہیں۔ اور خریدار کو دوسرا خریدار بنانے پر جو کمیشن دیا جارہا ہے، اس کی بھی گنجائش ہے؛ لیکن نیچے کے خریداروں کی محنت پر اوپر کے خریدار کے کمیشن میں زیادتی کی جو شرط ہے وہ فاسد ہے، یہ خریدار ان کی محنت میں کچھ حصہ پانے کا مستحق نہیں ہے، بظاہر کمپنی کا کاروبار لوگوں کو سنہرے خواب دکھا کر زیادہ سے زیادہ پیسہ اِکٹھا کرنے کا معلوم ہوتا ہے، اس لئے ایسی کمپنیوں سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

عن محمد إذا استأجر رجلا ليعلم ولده حرفة من الحرف، فإن بين المدة بأن استأجر شهرًا مثلا ليعلمه هٰذا العمل يصح العقد. (الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة / الفصل الرابع الخ ٤٤٨/٤)

قال في التاتارخانية: وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل. (شامي، كتاب الإجارة / باب ضمان الأجير ٨٧/٩ زكريا، امداد المفتيين ٨٦٤/٢)

فإذا شرط لاحدهما أكثر من حصته من الضمان ونصيبه من الملك فهو شرط ملك من غير ربح ولا ضمان فلا يجوز الخ. (بدائع الصنائع / كتاب الشركة ٨٧/٥ المكتبة النعيمية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۵/۲/۷ ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک ملٹی لیول کمپنی کے کاروبار کا شرعی حکم

سوال (۲۰۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہندوستان میں ایک کمپنی بنام مودی کیر (MODI CARE) چند سالوں سے وجود پذیر ہوئی ہے، جس میں مختلف اشیاء مثلاً صابون کریم شیمپو وائر فلٹر ناخن پر لگانے والا پینٹ اور الکحل ملا ہوا سینٹ بھی ہوتا ہے، اس کمپنی نے اپنا سامان فروخت کرنے کا یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ لوگوں کو اس کے فوائد بتا کر اپنی کمپنی کا ممبر بناتی ہے اور اپنا تیار کردہ سامان صرف ممبر کو ہی فروخت کرتی ہے، اور ممبر بننے کی فیس ڈھائی ہزار روپیہ مقرر ہے، جب کوئی ممبر بننا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے بنے ہوئے ممبر سے رجوع کرے، پھر اس کے واسطے سے کمپنی کا فارم حاصل کرے، فارم پر ہونے کے بعد کمپنی اسے اپنا ممبر شمار کرتی ہے، اور بطور تحفہ ایک لاکھ روپیہ مقرر کرتی ہے، جب ممبر کو ضرورت پیش آئے یا کوئی حادثہ ہوجائے تو وہ اپنے سابق ممبر (جس کے تحت یہ ممبر بنا ہے اس) کے واسطے سے کمپنی سے اپنی مطلوبہ رقم حاصل کرے، ممبر بننے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ کمپنی سامان خرید نے پر ۲۰ رفیصدی کی رعایت کرتی ہے، لیکن کمپنی کی یہ شرط ہے کہ ممبری باقی رکھنے کے لئے سالانہ چھ ہزار کا سامان خریدنا ضروری ہے ورنہ جمع کی ہوئی رقم ڈھائی ہزار ضائع ہوجائے گی اور ممبری ختم ہوجائے گی، دوسری طرف ممبر کا یہ فائدہ ہے کہ وہ اپنے ماتحت دوسروں کو ممبر بنا سکتا ہے، اور اس میں اس ممبر کو یہ فائدہ ہے کہ اس پر جو سالانہ چھ ہزار کا سامان خریدنا ضروری ہے، اگر اس کے ماتحت ممبر نے بھی اتنا خرید لیا تو اس کی ممبری باقی رہنے کے لئے کافی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مثلاً زید ممبر ہے اور وہ سالانہ چھ ہزار یا اس سے زائد کا مال خریدتا ہے، تو اس کو کمپنی ہر ایک ہزار کی خریداری پر پچاس روپیہ دیتی ہے، اسی طرح زید کے ماتحت عمر ممبر بنا ہے تو عمر جو چھ ہزار کا مال خریدے گا، اس کے حساب سے کمپنی زید کو ہر ہزار کی خریداری پر پچاس روپیہ دے گی، اسی طرح عمر نے بکر کو ممبر بنایا تو اس کی خریداری پر زید اور عمر دونوں کو پچاس روپیہ ملیں گے، اب نیچے تک ایسے ہی معاملہ ہوگا، اور جتنے زیادہ ممبر بنیں گے زید کا اتنا ہی فائدہ ہوگا، کمپنی ہر ممبر کے لئے ایک لاکھ مقرر کرتی ہے، جو

اسے ضرورت کے وقت ملتے ہیں، اگر ممبر مر جائے تو وہ رقم نائب کو دے دی جاتی ہے۔ جب کمپنی کا طریقۂ کار واضح ہو چکا، تو اب دریافت یہ کرنا ہے کہ:

(۱) اس کمپنی میں بعض ناجائز الاستعمال اشیاء بنتی ہیں، مثلاً ناخن پینٹ، الکحل ملا ہوا سینٹ اور لپ اسٹک وغیرہ، ان کو اگر چہ ہم نہیں خریدیں گے؛ لیکن وہ لوگ جو ہمارے تحت ممبر بنے ہیں اگر وہ خریدیں تو کیا اس کا سبب ہم بنیں گے یا نہیں؟

(۲) نیز چوں کہ یہ اشیاء اس کی خریدی ہوئی اشیاء میں داخل ہیں، جس کی وجہ سے اس کا فائدہ ہمیں مل رہا ہے، تو کیا یہ جائز ہوگا یا نہیں؟

(۳) واسطہ یا بلا واسطہ بنائے ہوئے ممبروں پر جو کمیشن ہمیں مل رہا ہے وہ جائز ہے یا نہیں؟

(۴) کمپنی جو ایک لاکھ مقرر کرتی ہے وہ بنام انشورنس ہے، اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کمپنی کا طریقۂ کار: (۱) شروط فاسدہ: مثلاً ممبری باقی رہنے کے لئے ہر سال چھ ہزار کا سامان خریدنے کی شرط۔ (۲) قمار (انشورنس) جیسا کہ سوال میں ایک لاکھ کا ذکر کیا گیا ہے۔ (۳) ناجائز کمیشن یعنی زید کے ماتحت تمام ممبروں، خواہ ان کو ممبر بنانے میں زید کا دخل ہو یا نہ ہو سب کی خریداری پر زید کو کمیشن ملنے کی شرط لگائی گئی ہے، یہ سب چیزیں شرعاً ناجائز اور حرام ہیں؛ لہٰذا مذکورہ کمپنی میں حصہ لینا کسی مسلمان کے لئے جائز و درست نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ﴾. [المائدة، جزء آيت: ۹۰]

عن عبد اللّٰہ بن عمرو قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لا یحل سلف وبیع ولا شرطان في بیع، ولا ربح المتضمن، ولا بیع ما لیس عندک.

(سنن أبي داؤد، البیوع / في الرجل یبیع ما لیس عندہ ۲/۴۹۵ رقم: ۳۵۰۴)

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه نهى عن بيع وشرط. أخرجه الطبراني والأوسط، والحاكم في علوم الحديث.

(نصب الراية ۱۷۸/۲ بحواله: إعلاء السنن ١٦٧/١٤ دار الكتب العلمية بيروت)

لأن هٰذا بيع وشرط، وقد نهى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عن بيع وشرط، وكل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه، وهو من أهل الاستحقاق يفسده. (الهداية ٥٩/٣)

فإذا شرط لأحدهما أكثر من حصته من الضمان ونصيبه من الملك فهو شرط ملك من غير ربح ولا ضمان فلا يجوز. (بدائع الصنائع، كتاب الشركة / فصل: وأما حكم الشركة ٨٧/٥، جواهر الفقه ٣٤٥/٢) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۵/۵/۱۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

’’ملٹی لیول مارکیٹنگ‘‘ کمپنی کا پروڈکٹ خریدنا؟

سوال (۲۰۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی ’’ملٹی لیول مارکٹنگ کمپنی‘‘ کے پروڈکٹ خرید کر استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ وہ کمپنی ازروئے شرع غلط ہے، جیسے ایم وے نام کی ایک کمپنی ہے، اور یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اس کمپنی کے جو ممبر ہوتے ہیں، اگر ان سے پروڈکٹ خریدیں، تو ممبر کے کمیشن میں اضافہ ہوتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عام آدمی کا اِرادہ پروڈکٹ خریدتے وقت اِن ملٹی لیول کمپنیوں کی اعانت نہیں ہوتا؛ بلکہ اس کا مقصود اپنی ضرورت کا سامان خریدنا ہوتا ہے؛ اس لئے اس طرح کی کمپنیوں کا سامان خریدنا فی نفسہٖ ممبر بنے بغیر جائز ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ

تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ﴾ [النساء، جزء آيت: ۲۹]

والحاصل أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع. (شامي / باب البيع الفاسد، مطلب في بيع دودة القز ۷/ ۲٦۰ زكريا)

والضابط عندهم أن كل مافيه منفعة تحل شرعاً، فإن بيعه يجوز؛ لأن الأعيان خلقت لمنفعة الإنسان. (الفقه الإسلامي وأدلته ۵/ ۳٤۳۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/۷/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

میچول فنڈ کمپنی میں حصہ لینا اور روپیہ جمع کرنا؟

سوال (۲۰۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے ایک کمپنی میچول فنڈ (ملا جلد فنڈ) کے نام سے ایک لاکھ روپئے لگائے، کمپنی نے ایک حصہ دس روپئے کا مقرر کیا، اس حساب سے اس کو ایک لاکھ میں دس ہزار حصص ملے، اس روپئے سے کمپنی نے تجارت شروع کی اس پر جو منافع ہوا اس میں سے مالک کمپنی نے اپنا حصہ اور عملہ ملازمین ودیگر اُمور پر جو خرچ ہوا، وہ سب نکال کر باقی سب، اس کو مثال سے یوں سمجھئے کہ پانچ شرکاء کے کمپنی میں پانچ لاکھ روپئے لگائے عملہ کمپنی نے اس روپئے سے تجارت شروع کردی، خوش قسمتی سے ایک ماہ کے اندر کمپنی کو ستر ہزار روپئے کا نفع ہوا برضاءِ شرکاء کمپنی کے مالک نے پندرہ ہزار روپئے خود رکھے اور پانچ ہزار روپئے اپنے ملازمین کے عملہ ودیگر اُمور پر خرچ کئے، اور باقی پچاس ہزار روپئے اپنے پانچوں شرکاء کو فی حصہ ایک روپیہ کے حساب سے دس دس ہزار روپئے دے دیئے، اگر منافع زیادہ ہوگا تو نفع زیادہ اور کم ہوگا تو نفع بھی کم ہوگا، نقصان پھر بھی پورا نہ ہو تو وہ اصل مال سے پورا کیا جائے گا، نقصان میں صرف شرکاء ہی شریک رہیں گے، مضارب پر کوئی نقصان نہیں آئے گا، یہ کمپنی جائز امور ہی کی تجارت کرتی ہے، سودی کاروبار وغیرہ سے پاک ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی کمپنی یا اسکیم میں روپیہ لگا کر منافع حاصل کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: **التنقیح**: سوال میں یہ بات قابلِ تحقیق ہے کہ میچول فنڈ اپنا کاروبار کس طرح چلاتا ہے، اور کون سی تجارت میں پیسہ لگاتا ہے، ہندوستان رائج میچول فنڈ عام طور پر تجارتی کمپنیوں کو سودی قرض دیتے ہیں اور اس سے نفع حاصل کرتے ہیں، اور اسی کو تجارت کا نام دیتے ہیں، حالاں کہ اس طرح کا کاروبار سودی اور حرام ہے۔ بریں بنا آپ نے جس میچول فنڈ کے بارے میں سوال کیا ہے جب تک اس کے کاروبار وغیرہ کی تفصیلات معلوم نہ ہوں، اس کے متعلق کوئی حکم بیان نہیں کیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۹؍۱؍۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

’’ہربل لائف‘‘ دواساز کمپنی کا طریقۂ کار اور اُس کا حکم؟

سوال (۲۰۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہربل لائف (Harbal Life) نام سے ایک بین الاقوامی دواساز کمپنی ہے، جو تقریباً دنیا کے ۶۰؍ ملکوں میں اپنا تجارتی مشن چلارہی ہے، اس کمپنی نے اپنی تجارت کو فروغ دینے، اور تیار شدہ مال کو زیادہ سے زیادہ مارکیٹ میں لانے کے سلسلے میں کچھ پالیسیاں تیار کی ہیں، جو قدرے پیچ ہیں، اس لئے قدرے تفصیل سے مثال کے ساتھ لکھا جارہا ہے؛ تاکہ سوال واضح ہوسکے۔

(۱) پندرہ سو روپئے کے عوض کمپنی کا ایک فارم دستیاب ہوتا ہے، جس کی خانہ پوری کے بعد ایک آدمی مثلاً راشد اس کمپنی کا ایک رکن تصور کیا جاتا ہے، کمپنی اس کو ’’تقسیم کنندہ‘‘ (Distributor) کا نام دیتی ہے، اور کمپنی کی طرف سے اس کو یہ سہولت ملتی ہے کہ اس کمپنی کی تمام تیار شدہ اشیاء ۲۵؍ فیصد چھوٹ کے ساتھ اُسے حاصل ہوں گی، مثلاً اگر کسی مال کی قیمت اس مال پر سو روپئے لکھے ہوئے ہیں، تو اس کو ۷۵؍ روپئے میں ملے گا، اور یہ سہولت زندگی بھر حاصل رہے گی۔

(۲) ’’تقسیم کنندہ‘‘ (Distributor) کے بعد دوسرا درجہ ’’سپروائزر‘‘ کا ہے، اس کا

حاصل یہ ہے کہ تقسیم کنندہ کسی ایک ہی ماہ میں اگر کمپنی سے ایک لاکھ ۴۰/ ہزار روپئے کا مال خریدتا ہے، تو وہ شخص (Distributor) سے Supervisor بن جاتا ہے۔

اب سپر وائزر کو کمپنی کی طرف سے یہ سہولت ملتی ہے کہ ہر سامان پر ۵۰/فیصد کی چھوٹ ملتی ہے، اور یہ سہولت بھی زندگی بھر کے لئے ان کو ملتی رہتی ہے۔

(۳) اب مثلاً راشد سپر وائزر ہے، اور وہ مثلاً حامد کو اس کمپنی سے جوڑتا ہے، اس طرح کہ حامد پندرہ سو روپئے میں فارم خریدتا ہے، اور فارم میں اِس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ میں راشد کے واسطے سے کمپنی سے متعلق ہو رہا ہوں، اور راشد کا ایک مخصوص نمبر بھی حامد اپنے فارم میں ڈالتا ہے، اس کو ''ID'' یعنی شناخت نمبر کہتے ہیں اور یہ ضروری ہے ورنہ کمپنی فارم قبول نہیں کرتی ہے، اور حامد بھی اس طرح کمپنی سے جڑ جاتا ہے اور ''Distributor'' بن جاتا ہے، اور حامد کو بھی وہی تقسیم کنندہ کی سہولت ملتی ہے، یعنی وہ ۲۵/فیصد چھوٹ کے ساتھ کمپنی کی اشیاء خریدتا ہے، اور یہ کہا جاتا ہے کہ حامد راشد کے تحت ''تقسیم کنندہ'' ہے۔

مگر چوں کہ حامد راشد کے واسطے سے کمپنی سے جڑا اور Distributor بنا ہے، اور راشد کو پہلے ہی سے Supervisor ہونے کی وجہ سے ۵۰/فیصد کی چھوٹ مل رہی ہے۔

لہٰذا اب حامد جو سامان بھی کمپنی سے خریدے گا، حامد تو ۲۵/فیصد چھوٹ پائے گا ہی، اور بقیہ ۲۵/فیصد راشد کے حصہ میں خود بخود چلا جائے گا، راشد کو اب کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مثلاً حامد ایسا سامان خریدتا ہے جس کی قیمت ۱۰۰/روپئے ہے، تو حامد کو کمپنی ۷۵/روپئے میں بیچے گی اور ۲۵/روپئے راشد کے پاس پہنچ جائے گا؛ کیوں کہ حامد راشد کے واسطے سے کمپنی کی چیزیں خریدتا ہے، اور اُسی کے واسطے سے ''Distributor'' بنا ہے، اور کمپنی یہ روپئے ڈرافٹ (Draft) کی شکل میں راشد کو دے گی، کمپنی اسے Whole sale Profit یعنی (تھوک کا نفع) کہتی ہے۔

یہاں تک کی تفصیلی روشنی میں سوال یہ ہے کہ راشد کا پندرہ سو روپئے میں کمپنی کا ''تقسیم کنندہ'' بن کر ۲۵/فیصد رعایت حاصل کرنا، اور پھر اگلے مرحلہ میں ایک لاکھ ۴۰/ہزار روپئے میں

''سپر وائزر'' بن کر ۵۰ / فیصد رعایت حاصل کرنا، اور تیسرے مرحلہ میں حامد کے ذریعہ خرید شدہ مال میں سے ۲۵ / فیصد کی مزید رعایت کا نفع راشد کو ملنا جائز ہے یا نہیں؟ تیسری صورت میں جو راشد کو بغیر کسی محنت کے حامد کے ذریعہ خرید شدہ مال میں سے ۲۵ / فیصد کا نفع مل رہا ہے وہ، نیز کمپنی کی طرف سے ایک لاکھ ۴۰ / ہزار روپئے کی خریداری پر ۵۰ / فیصد رعایت کی شرط درست ہے یا باطل ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

(۴) Supervisor سپر وائزر سے آگے ایک اور مرحلہ آتا ہے وہ یہ کہ راشد ایک ماہ کے اندر مزید چار افراد کو کمپنی کا Supervisor سپر وائزر بنا دے، راشد کا یہ ایک کارنامہ تصور کیا جاتا ہے، اور اس کارنامہ کے بدلے میں راشد اب کمپنی کا World team member ورلڈ ٹیم ممبر کہلاتا ہے، اور اب یہ چاروں افراد جتنا مال کمپنی سے خریدیں اس پورے مال کے نفع کا ۲۰ / فیصد کمپنی کی طرف سے راشد کو ملے گا، جب کہ ان چاروں افراد کو سپر وائزر ہونے کی وجہ سے ۵۰ / فیصد کی چھوٹ مل رہی ہے، ان چاروں کی رعایت میں کوئی کمی نہیں ہوتی ہے، اس کے علاوہ ورلڈ ٹیم ممبر کو مزید انعام یہ ملتا ہے کہ تجارتی ٹریننگ (جسے کمپنی گاہے بگاہے مختلف ملکوں میں کیمپ کی شکل میں منعقد کرتی ہے، اور اس میں تجارت اور کمپنی کی پالیسی سمجھائی جاتی ہے) کی سہولت ملتی ہے اور کمپنی باہر ملکوں کے درمیان تمام سفری اخراجات بطور انعام دیتی ہے۔

اس تفصیل کی روشنی میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ راشد کے تحت بننے والے چند سپر وائزر کی خریداری کرنے پر راشد کو کمپنی کی جانب سے مزید ۲۰ / فیصد ملنے والا نفع جسے کمپنی Royality کہتی ہے، حاصل کرنا درست ہے یا نہیں؟ کیوں کہ یہ نفع راشد کو مستقل ملے گا، یعنی جب جب راشد کے تحت بننے والے سپر وائزر مال خریدیں گے، تب تب کمپنی اس خرید شدہ مال کا ۲۰ / فیصد راشد کو بطور انعام (Royality) کے دے گی، جب کہ بغیر کسی محنت کے یہ نفع (انعام) مل رہا ہے، کمپنی اسے انعام کا نام دیتی ہے اسے انعام سمجھ کر لے لیا جائے یا منافع بلا عوض کی وجہ سے عدم جواز کا حکم ہوگا، وضاحت فرمائیں۔

جواب میں علل واسباب کی وضاحت فرمادیں، تو روشنی مل سکے گی۔

نوٹ:- اس Harbalife کمپنی کا یہی اصول ہے کہ بلاواسطہ کوئی بھی شخص کمپنی کا کوئی بھی سامان خریدنا چاہے تو کمپنی نہیں دے گی، بلکہ کسی کے واسطے سے ہی خریدنا ہوگا یا تقسیم کنندہ "Distributor" بننا پڑے گا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مذکورہ کمپنی کا پندرہ سو روپئے میں ممبر بن کر اس کی مصنوعات میں ۲۵/ فیصدی کی چھوٹ حاصل کرنا شرعاً درست ہے۔

ویجوز للبائع أن یزید للمشتري في المبیع، ویجوز أن یحط عن الثمن.

(الهدایة / کتاب البیوع ۳/۵۹ إدارة المعارف دیوبند)

(۲) کمپنی کا سپر وائزر کا درجہ حاصل کر کے پچاس فیصدی کی چھوٹ حاصل کرنا بھی شرعاً جائز ہے۔

ویجوز أن یحط عن الثمن. (الهدایة ۳/۵۹ إدارة المعارف دیوبند)

(۳) راشد نے چوں کہ حامد کو اس کمپنی سے جوڑا ہے، اس لئے اس عمل پر وہ متعینہ اُجرت تو لے سکتا ہے؛ لیکن جو صورت آپ نے لکھی ہے اس میں اُجرت مجہول ہے؛ کیوں کہ یہ پتہ نہیں ہے کہ حامد اس کمپنی سے آگے مال خریدے گا بھی یا نہیں؟ اور اگر خریدے گا بھی تو کتنا خریدے گا؟ اس سے معاملے میں بہت فرق پڑتا ہے؛ لہٰذا اس جہالت کی وجہ سے یہ معاملہ اُصولاً ناجائز ہے۔

وشرطها: کون الأجرة والمنفعة معلومتین؛ لأن جهالتهما تقضي إلی المنازعة. (شامي / أول کتاب الإجارة ۹/۷ زکریا)

تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضی العقد فکل ما أفسدوا البیع یفسدها کجهالة ماجور، أو أجرة أو مدة أو عمل. (شامي / کتاب الإجارة ۹/۴۶ زکریا)

(۴) اس صورت میں راشد جن لوگوں کو کمپنی کا سپر وائزر اپنی محنت سے بنائے تو اس کی

متعینہ اجرت تو لے سکتا ہے؛ لیکن یہاں بھی وہی دشواری ہے کہ کمپنی کی طرف سے فیصد نفع تو متعین ہے؛ لیکن یہ نفع کتنا ہوگا کچھ پتہ نہیں، یہ ان خریداروں کی خرید پر موقوف ہے؛ لہٰذا اِس جہالت کی وجہ سے یہ معاملہ بھی قطعاً فاسد ہے، اور اس طرح نفع اٹھانا شرعاً ممنوع ہے۔

وشرطها: كون الأجرة والمنفعة معلومتين الخ. (شامي / أول كتاب الإجارة ۷/۹ زكريا)

تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد الخ. (شامي / كتاب الإجارة ٦٤/٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۷/۱/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

Pilas India Limited کمپنی کے کاروبار کے تین طریقے؟

سوال (۲۱۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک کمپنی ہے جس کا نام ہے ”پلس انڈیا لمٹیڈ کمپنی“ جس کے مندرجہ ذیل اُصول ہیں:

(۱) ایک سال میں پانچ ہزار روپئے جمع کرنا ہے، چھ سال تک جو ۳۰/ ہزار روپئے بنتا ہے۔ یہ کمپنی ۳۰/ ہزار روپئے کے بدلے چھ سو ورگ گز زمین، روپئے جمع کرنے والے کے نام آلاٹ کردے گی، چھ سال پورا ہونے پر اس کا کاغذ مل جائے گا۔ (اگر چاہیں تو پہلے بھی دیکھ سکتے ہیں، یہ زمین کہیں متعین نہیں ہے، کہیں بھی دے سکتے ہیں، چھ سال کی مدت پوری ہونے پر چاہیں تو زمین لے لیں، یا اگر نہ لینا چاہیں، تو کمپنی چھیالیس ہزار دوسو روپئے کھاتے دار کو دے گی، یہ کھاتے دار کی مرضی پر منحصر ہے۔

(۲) اس کے ساتھ ساتھ کمپنی جان کا بیمہ کرتی ہے، اگر ۶۲/ دن کے بعد کوئی حادثہ ہوجاتا ہے، تو کمپنی ۴۵/ ہزار روپئے کھاتہ دار کے وارث کو دے گی، کیا مسلمانوں کو اس کمپنی سے جڑنا جائز ہے، کچھ لوگ یہاں ایسی بات کو لے کر غلط فہمی پھیلا رہے ہیں کہ اس میں جڑ جانے سے کوئی قباحت نہیں جائز ہے۔

(۳) اس کمپنی کے طریقۂ کار میں سے یہ بھی ہے کہ جو بھی اس کمپنی میں دوسرے کو شامل کرے گا (جس کو ایجنٹ کہتے ہیں) اس کو پہلے سال اس کی معرفت جمع شدہ رقم سے ۱۵ رفیصد اور دیگر چار سالوں میں ٦ رفیصد کمیشن ملے گا، اگر آپ نے تین کھاتے دار بنالئے ہیں، تو آپ کا پرموشن ہو جائے گا، اور آپ کو ایجنٹ سے فیلڈ افسر بنا دیا جائے گا، اور پھر مختلف ترقیات سے نوازتے نوازتے منیجر بنا دیا جائے گا، جس سے اس کی آمدنی میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ شریعت کا حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) آج کل سودخوری کے نئے نئے طریقے رائج ہوگئے ہیں، جن میں سے ایک طریقہ وہ ہے جس کا ذکر سوال نامہ میں کیا گیا؛ تاکہ جو مسلمان سود خوری سے بچنا چاہتا ہے، اس کو زمین کی خریداری میں پھنسا کر سودخوری پر آمادہ کیا جاسکے، اس کمپنی کا اصل طریقۂ عمل دارالافتاء میں منگوا کر دیکھا گیا تھا، اس سے پتہ چلا کہ جن کھاتہ داروں کے نام زمین الاٹ کرنے کی بات کی جاتی ہیں، وہ صرف کاغذوں میں ہوتی ہیں، زمین پر اس کی تعیین نہیں ہوتی، حتی کہ اگر اسے باقاعدہ مقام پر لے جاکر دکھا بھی دیا جائے، تب بھی یہ یقین نہیں ہے کہ یہی جگہ واقعی اس کی قیمت کا بدل ہے؛ اس لئے کہ یہ زمین کھاتہ داروں کے تصرف اور قبضہ میں نہیں دی جاتی ہے، اور بالفرض اگر رقم پوری ہونے پر قبضہ میں دے بھی دی جائے، تو وہ مشتری کے لئے قابلِ انتفاع نہیں رہتی؛ کیوں کہ اس کا عملاً کوئی راستہ کمپنی کی زمینوں سے گذرے بغیر نہیں ہوتا، اور اس کے لئے کمپنی کے ہاتھ مجبوراً فروخت کرنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہوتا؛ اس لئے انجام کار یہ ایک کاغذی کارروائی بن جاتی ہے، اور بڑھتی ہوئی رقم کے لالچ میں لوگ اس میں شریک ہوجاتے ہیں، یہ محض ایک فریب ہے؟

كل قرض جر نفعًا حرام أي إذا كان مشروطًا. (شامي ١٦٦/٥ كراچی، ٣٩٥/٧ زكريا)

وشرط المعقود عليه ستة كونه موجوداً مالاً متقوماً مملوكاً في نفسه، وكونه مقدور التسليم، فلم ينعقد بيع المعدوم – إلى قوله – وأما الثالث: وهو

شرائط الصحة – إلى قوله – ومعلومة المبيع، ومعلومة الثمن بما يرفع المنازعة. (شامي، كتاب البيوع / مطلب شرائط البيع أنواع أربعة ٥/٧ ١ زكريا)

(٢) جان کا بیمہ جائز نہیں ہے، اس معاملہ میں شرکت کسی مسلمان کے لئے قطعاً درست نہیں۔ (انوار رحمت ٢٥٨)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [المائدة: ٩٠]

(٣) ناجائز معاملہ میں شریک کرنے کا عمل فی نفسہٖ گناہ اور تعاون علی الاثم میں شامل ہے؛ لیکن اس میں جو متعین اجرت ملے اس کو حرام نہیں کہا جائے گا؛ البتہ نیچے کے ایجنٹوں کی محنت میں اوپر والے ایجنٹ کا کوئی عمل دخل نہیں۔

وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل. (شامي، كتاب الإجارة / باب ضمان الأجر، مطلب في أجرة الدلال ٩/٨٧ زكريا)

ولا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (قواعد الفقه ١١٠، انوار رحمت ٢٥٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ٩/٦/١٤٣١ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اسپیک ایشیاء کمپنی کا حکم؟

سوال (٢١١):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اسپیک ایشیاء کے نام سے ایک کمپنی ہے، جس کا ہیڈ کوارٹر سنگاپور ہے، اس کمپنی کا طریقۂ کار یہ ہے کہ یہ انٹرویو لے کر گیارہ ہزار روپئے میں لوگوں کو کمپنی کا ممبر بناتی ہے، ممبر کے عوض لوگوں کو کوئی چیز کمپنی کی طرف سے نہیں دی جاتی؛ البتہ کمپنی کے ممبر کو ہفتہ میں ایک فارم بھرنے کا موقع دیا جاتا

ہے، جومختلف مصنوعات کے بارے میں سوالات پر مشتمل ہوتا ہے، اس فارم کو بھرنے پر کمپنی بیس ڈالرممبر کو دیتی ہے، اور ہفتہ میں ایک ہی فارم بھرنے کا ممبر کوحق دیا جاتا ہے، اور اگر یہ ممبر کمپنی کے مزید ممبر بناتا ہے، تو ہر ممبر بنانے پر متعینہ رقم بھی ملتی ہے، اور دیگر ممبران جو اس کے نیچے ممبر بناتے ہیں، اس کے عوض بھی اس ممبر کو کچھ رقم دی جاتی ہے، اور ممبر تک رقم پہنچانے کے دو طریقے ہیں:

(۱) اس کے اکاؤنٹ میں رقم منتقل ہوتی ہے۔

(۲) دوسرے یہ ہے کہ نیا ممبر پرانے ممبر کو نقد رقم بھی دے سکتا ہے، ایسی صورت میں پرانے ممبر کی کمپنی پر واجب الاداء رقم اس کے حساب سے کاٹ کر مہیا کر دی جاتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ایسی کمپنی کا ممبر بننا کیسا ہے؟ اور اس ممبری کو شرعاً کس درجہ میں مانا جائیگا، کیا یہ شرکت یا مضاربت ہے، یا قرض ہے یا بلاعوض؟

(۲) فارم بھرنے پر بیس ڈالر ملنا ممبر کی شرط کے ساتھ مشروط ہے، غیر ممبر شخص اس کا مستحق نہیں ہے، تو اس ممبر کے لئے فارم بھر کر رقم لینا درست رہے گا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کمپنی کا طریقۂ کار کسی شرعی اُصول پر منطبق نہیں ہوتا؛ کیوں کہ اُسے شرکت ومضاربت قرار نہیں دیا جاسکتا؛ اس لئے کہ کمپنی کے کاروبار کا کوئی حصۂ مشاع رقم لگانے والے کے لئے متعین نہیں ہے، اس معاملہ کو بیع وشراء میں داخل نہیں مان سکتے؛ کیوں کہ کمپنی کی طرف سے کوئی چیز عوض میں نہیں دی جارہی ہے، حقیقت کے اعتبار سے یہ ایسا قرض ہے، جس کے ساتھ ایک نفع وابستہ ہے کہ جو شخص فارم بھرلے وہ ایک خاص رقم لے لے، اس لئے شریعت کے مقررہ اصول ''**كل قرض جر نفعًا فهو ربا**'' کے ضابطہ سے یہ کاروبار قطعاً حرام اور سود ہے، اور یہ بینکوں میں فکس ڈپازٹ رقم رکھنے کے عین مطابق ہے، جس طرح بینکوں میں وقت گذرنے پر ایک متعینہ مقدار سود کی بڑھ جاتی ہے، اسی طرح اس کمپنی میں ہر ہفتہ گذرنے پر ایک متعینہ رقم ملتی ہے، اور یہ کہنا کہ یہ ملنے والی رقم فارم بھرنے کا عوض کا یہ محض فریب ہے؛ کیونکہ

اس فارم بھرنے کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں ہے کہ جیسا کہ بینکوں سے روپیہ نکالنے کے لئے فارم بھرنے کی ہوتی ہے، علاوہ ازیں اس معاملہ میں جوئے اور سٹے کی شکل بھی پائی جاتی ہے؛ کیوں کہ اگر وہ فارم نہ بھرے گا تو اس کی جمع کردہ رقم وقت گذرنے کے ساتھ سوخت ہوجائے گی، بریں بناء یہ معاملہ شروع سے اخیر تک قطعاً حرام ہے، کسی مسلمان کے لئے اس میں حصہ لینا، یا ممبر بنانا، یا ممبری فیس لینا سب ناجائز ہے، اور اگر کسی نے اس میں رقم جمع کرادی ہو تو کسی بھی حیلہ سے اپنی جمع شدہ رقم واپس وصول کرلے۔ اور اس سے زائد رقم ہرگز نہ لے، ورنہ سود لینے کا گناہ ہوگا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة، جزء آیت: ۲۷۵]

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [آل عمران: ۱۳۰]

﴿وَلَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ أي بالحرام يعني بالربا، والقمار، والغصب والسرقة. (معالم التنزيل ۲/ ۵۰، بحواله: فتاویٰ محمودیه ۱۶/ ۳۳۳ ڈابھیل)

عن علي أمير المؤمنين رضي اللّٰه عنه مرفوعًا: كل قرض جرّ منفعة فهو ربا، وكل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف. (إعلاء السنن، كتاب الحوالة / باب كل قرض جر منفعة فهو ربا ۱۴/ ۴۹۹ إدارة القرآن كراچی)

فاختلف أقوال العلماء في حرمتها مع اتفاقهم عليها إذا كانت مشروطة.

(إعلاء السنن ۱۴/ ۵۴۷ دار الكتب العلمية بيروت)

الربا فضل خال عن عوض بمعيار شرعي مشروطًا لأحد المتعاقدين في المعاوضة. (شامي، كتاب البيوع / باب الربا ۷/ ۳۸۹-۴۰۰ زكريا)

وأما الربا النسيئة فهو الأمر الذي كان مشهودًا متعارفًا في الجامعية، وذٰلك أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذوا كل شهر قدرًا معينًا، ويكون رأس المال باقيًا. (تفسير كبير ۷/ ۹۱)

كـل قـرض جـر نـفـعًـا حرام أي إذا كان مشروطًا، كما علم عما نقله عن البحر. (شامي، كتاب البيوع / مطلب: كل قرض جر نفعًا حرام ٥/ ١٦٦ كراچی، ٧/ ٣٩٥ زکریا)

وقـال عـلمائنا: هو نوع بيع فيه فضل مستحق لأحد المتعاقدين خال عما يـقـابله عن عوض شرط في هٰذا العقد. (البنـايـة / باب الربا ٨/ ٢٦٠ المكتبة النعيمية ديوبند)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/۵/۱۴۳۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

''ورسہ ٹائل کمپیوٹر کمپنی'' سے مربوط ہوکر پیسہ کمانا؟

سوال (۲۱۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ''ورسہ ٹائل'' (VERSATIGL) نامی کمپنی سے میں جڑ چکا ہوں، یہ کمپنی پہلے مجھے ۲۰/ دن کمپیوٹر ٹریننگ دے گی، جس میں مجھے انٹرنیٹ، ایپلیکیشن اور ویب ڈیزائنر سکھائے گی، جس کے اور جگہ پر بارہ ہزار روپے لئے جاتے ہیں، مگر کمپنی مجھ سے صرف چار ہزار پچاس روپیہ لے رہی ہے، اس کے علاوہ اور بھی سہولت دے رہی ہے، وہ یہ کہ میں اپنا خود کا کاروبار بھی کمپیوٹر کے ذریعہ پوری دنیا میں کرسکتا ہوں اور میں اپنے ضروری کاغذات کمپیوٹر میں رکھ سکتا ہوں جیسے پاسپورٹ، اسکولی سرٹیفکٹ اور ڈرائیونگ لائسنس اور گھر کے کاغذات وغیرہ، یہ سب کمپیوٹر سے جب چاہوں جہاں چاہوں پوری دنیا میں کہیں سے بھی نکال سکتا ہوں اور یہ کاغذات کمپیوٹر میں ہمیشہ محفوظ رہیں گے، ان سب کاموں کا اور جگہوں پر کرایہ لیا جاتا ہے مگر یہ کمپنی مجھ سے کوئی کرایہ نہیں لے گی۔

(۲) اس کے علاوہ کمپنی مجھے ایک شناختی کارڈ دیتی ہے یہ کارڈ میری پہچان ہے، اس کارڈ کے اور بھی بہت سارے فوائد ہیں، پہلا یہ کہ اگر مجھے ماروتی گاڑی لینا ہے تو اس کارڈ کی وجہ سے مجھے ماروتی گاڑی پر نقد ۶۰/ ہزار روپیہ کا ڈسکاؤنٹ مل جائے گا، دوسرا یہ ہے کہ (Birla fineance) برلا فائنٹس سے مجھے لون مل جائے گا، نیز یہ کہ موبائل فون سستا بھی ہے اور مہنگا

بھی،اگر مجھے چار ہزار روپیہ والا موبائل لینا ہے تو یہ موبائل مجھے پچیس سو روپئے میں مل جائے گا اور بھی بہت ساری کمپنی سے مجھے ڈسکاؤنٹ مل جائے گا، اس کارڈ کا یہ فائدہ ہے اور ساتھ میں کمپنی ایک لاکھ کا ایکسیڈنٹ انشورنس بھی دیتی ہے، چاہے آپ لیں یا نہ لیں یہ آپ کی مرضی ہے، اگر آپ کمپیوٹر ٹریننگ نہیں لینا چاہتے تو کوئی بات نہیں، اپنی جگہ پر بھائی یا بیٹے کو لگا سکتے ہیں، اگر آپ کسی کو کمپیوٹر ٹریننگ نہیں دینا چاہتے ہیں، تو آپ کے لئے اس کمپنی میں کوئی جگہ نہیں ہے، اس کمپنی کو آپ کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس کمپنی کے ساتھ میں ماروتی، ادیوگ، سی آئی سی آئی بینک، برلا فائنٹس، ٹاٹا، یہ ورسہ ٹائل کمپنی ہندوستان کی ہے، اس کا مالک بھی ہندوستانی ہے، تو کمپنی کے فوائد ہیں، کمپنی میں مجھے کام یہ کرنا ہے کہ جس طرح کمپیوٹر سیکھنے کے لئے میں نے یہاں داخلہ لیا ہے، اسی طرح مجھے دو ایسے لوگوں کا داخلہ دلانا ہے جو کمپیوٹر سیکھنا چاہتے ہیں، اگر یہ دو لوگ کمپنی میں جڑ جاتے ہیں، تو ایک آدمی کے پیچھے مجھے دو سو روپیہ کمیشن ملتا ہے، کل دو آدمیوں کے پیچھے چار سو روپیہ ملتا ہے، اور تیسرا آدمی میں نہیں لاسکتا صرف دو ہی آدمی کو لانا ہے، اسی طرح ان دونوں کو بھی اپنے ساتھ دو دو کو لانا ہے، اگر میری وجہ سے کمپنی میں سو آدمیوں نے بھی داخلہ لے لیا، تو مجھے ہر آدمی کے پیچھے دو سو روپیہ کمیشن ملے گا، کل ملا کر سو آدمیوں کا بیس ہزار روپیہ ہوتا ہے، کمپنی کی کوئی شرط نہیں ہے کہ دو آدمیوں کو کب تک لانا ہے، ان دو آدمیوں کو ایک ہفتہ میں بھی لگا سکتے ہیں، اور ایک مہینہ میں بھی لگا سکتے ہیں، یہ ہمارے ذمہ ہے، کمپنی یہ سب سہولیات کیوں دیتی ہے؛ اس لئے کہ یہ کمپنی خود کمپیوٹر بناتی ہے، کمپنی کے خود کے لیپ ٹاپ (LAP TOP) ہیں، کمپنی چاہتی ہے کہ انڈیا میں رہنے والا ہر شخص کمپیوٹر کے ذریعہ فائدہ اٹھانے والا بن جائے، اس لئے کمپنی یہ پلان لاتی ہے؛ تاکہ لوگ پیسہ بھی کمائیں اور کمپیوٹر بھی سیکھ لیں؛ تاکہ آگے چل کر کمپیوٹر اسی کمپنی سے خریدیں، کمپنی ٹی وی پر یا اور جگہوں پر اپنا اشتہار نہیں کرتی ہے، وہی اشتہار میں لگنے والا کروڑوں روپیہ اس کمپنی میں کام کرنے والے لوگوں کو بتائے ہوئے طریقہ سے بانٹ دیتی ہے؛ تاکہ لوگوں کی بے روزگاری بھی دور ہو جائے اور لوگ کمپیوٹر بھی سیکھ لیں یہی کمپنی کا مقصد ہے۔

VERSATILE INFORMATICHAN .L. GIESPV. LTD.

یہ کام کرنا جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کا حل پیش کیجئے اس کے سمجھنے میں جو بھی دشواری ہو اس کے لئے معافی چاہتا ہوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں مذکورہ ادارہ کے تمام ضوابطا اور ذرائع آمدنی وغیرہ پر غور کیا گیا، جس سے معلوم ہوا کہ اس پورے معاملہ میں صرف دو چیزیں جائز ہیں:

(۱) مقررہ فیس کے بدلہ میں کمپیوٹر سیکھنا (۲) کمپیوٹر سیکھنے والے شخص کا اپنی محنت سے ادارہ کا نیا ممبر بنا کر اس پر ۲۵۰/ روپیہ اجرت لینا۔

قال محمد إذا استأجر رجلاً لیعلم ولدہ حرفة من الحرف؛ فإن بین المدة بأنه استأجر شهرًا مثلاً لیعلمه هٰذا العمل یصح العقد. (الفتاویٰ الهندیة، الإجارة / الفصل الرابع فساد الإجارة إذا کان المستأجر مشغولاً بغیره ٤٤٨/٤ زکریا)

دفع غلامه أو ابنه لحائک مدة کذا لیعلمه النسج، وشرط علیه کل شهر کذا جاز، ولو لم یشترط فبعد التعلیم طلب کل من المعلم والمولی أجرًا من الآخر اعتبر عرف البلدة في ذٰلک العمل. (الدر المختار، کتاب الإجارة / مطلب في الأرض المحتکرة ومعین الاستحکار ٤٩/٩ دار إحیاء التراث العربي بیروت)

قال في التاتارخانیة: وفي الدلال والسمسار یجب أجر المثل. (شامي / باب ضمان الأجر، مطلب في أجرة الدلال ٨٧/٩ زکریا، إمداد المفتیین ٨٦٤/٢)

اِن دو باتوں کے علاوہ بقیہ ضوابط شرعی اُصول کے خلاف ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) اس میں اگر ممبر کا کسی حادثہ میں انتقال ہوجائے تو کمپنی کی طرف سے پچاس ہزار روپیہ دینے کی شرط لگائی گئی، جو درحقیقت لائف انشورنس کی طرح ناجائز اور حرام ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ

وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [المائدة: ۹۰]

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ [البقرة، جزء آیت: ۲۷۵]

(۲) پہلے ممبر کے بعد نیچے کے ممبروں کی کارکردگی کا نفع بھی پہلے ممبر بنانے والے کو دیا جانا مشروط ہے، حالاں کہ اُن لوگوں کی کارکردگی میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں، پھر اُجرت اور نفع کا استحقاق کیسے ہوسکتا ہے۔

فإذا شرط لأحدهما أكثر من حصته من الضمان ونصيبه من الملك هو شرط ملك من غير ربح ولا ضمان فلا يجوز. (بدائع الصنائع، کتاب الشرکة / قبيل فصل وأما حکم الشرکة ۸۷/۵ نعيمية ديوبند)

(۳) اس کمپنی کا ایک اصول یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابتداء میں لی جانے والی رقم پر ۲۳۰۰/ میں سے تعلیم کے خرچ کے بعد بقیہ رقم ممبر کی طرف سے کاروبار میں لگا دیا جائے گا تو اس میں اولاً یہی طے نہیں کہ کتنی رقم کاروبار میں لگی۔ دوسرے یہ کہ باعتبار مقدار رقم کے منافع کی شرح طے نہیں، تیسرے یہ کہ نفع نقصان دونوں میں شرکت کی صراحت نہیں؛ بلکہ صرف نفع ہی کا خواب دکھلایا گیا ہے، جو درست نہیں ہے۔

وأن يكون الربح معلوم القدر فإن كان مجهولاً تفسد الشركة. (الفتاویٰ الهندية، کتاب الشرکة / الباب الأول ۳۰۲/۲ زکريا)

لكل واحد منهما ربح ماله والوضيعة بينهما على قدر رأس مالهما أبداً.

(طحطاوي علی الدر ۵۱۷/۲)

(۴) یہ کہ کمپنی کا روبار حسب تحریر سوال صرف یہی کمپیوٹر اور اس سے ملحقہ کاروبار ہے، اور یہ سب اوپر سے نیچے تک مشکوک اور مجہول ہے؛ لہٰذا کمپنی کی ان مذکورہ اسکیموں میں شامل ہونا جائز نہیں اور اس کی دوسروں کو دعوت دینا بھی جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۵/۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

Rose 4 U کمپنی کا کاروبار؟

سوال (۲۱۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک کمپنی ہے جس کا نام انگریزی میں ''Ros 4 U'' (روز فوریو) ہے، اس میں ایک اسکیم ہے، ۵/ ہزار روپئے کمپنی میں دیں گے، تو وہ کمپنی ہم کو ایک یوزر آئی ڈی اور پاس ورڈ دیتی ہے، پھر اس میں ہم کو روزآنہ ۱۷۰/ ای میل آتے ہیں، جو زیادہ تر حلال چیزوں کی ایڈوٹائز کے ہوتے ہیں، ان کو بھیجنا ہوتا ہے جو ہر جگہ پہنچتے ہیں، اتنا کام کمپنی کا ہم کو کرنا ہے، اب کمپنی ہم کو ماہانہ تنخواہ دیتی ہے، پہلے ایک ماہ تک کچھ نہیں ملتا تنخواہ دوسرے ماہ سے شروع ہوتی ہے اور ۳۵/ سو روپئے ملتے ہیں، پھر تیسرے ماہ سے نوماہ تک ۴۵/ سو روپئے ملتے ہیں، اس طرح کل کانٹریکٹ ۱۱/ ماہ کا ہوتا ہے، جس میں سے ۱۰/ مہینوں کی تنخواہ مذکورہ بالا طریقے کے مطابق ملتی ہے، پوچھنا یہ ہے کہ اس طرح کام کر کے تنخواہ لینا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسبِ تحریر سوال جب کہ کام بھی متعین ہے، اور وقت بھی متعین ہے، تو اس کے عوض مذکورہ کمپنی سے مقررہ تنخواہ لینا درست ہے، اور شروع میں جو کمپنی کو ۵/ ہزار روپئے دینے کا ذکر ہے، یہ کمپنی سے وابستہ ہونے کی فیس اور یوزر آئی ڈی اور پاس ورڈ کا عوض قرار پائے گی۔

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم نهى عن استيجار الأجير حتى يبين أجره. (مراسيل سنن أبي داؤد ۱۰)

وأما بيان شرائطها فنقول: يجب أن تكون الأجرة معلومة، والعمل إن وردت الإجارة على العمل، والمنفعة إن وردت الإجارة على المنفعة، وإعلام المنفعة ببيان المحل والأجل وبيان المسافة وإعلام العمل ببيان محل العمل، وإعلام الأجرة إن كانت الأجرة دراهم أو دنانير ببيان القدر، وبيان الصفة أنه

جيد أو رديء. (الفتاویٰ التاتارخانية ۷/۱۵ رقم: ۱۹۲۰۰ زكريا)

لزم الأجرة بشرط التعجيل يعني لو شرط أن تكون الأجرة معجلة لزم المستأجر بتسليمها. (شرح المجلة ۲٦۱/۱ إتحاد ديوبند، مجمع الأنهر ۵۱۰/۳ مكتبه فقيه الأمة ديوبند، الفتاویٰ الهندية، كتاب الإجارة / الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة الخ ٤۱٤/٤ زكريا)

يعتبر ويراعي كل ما اشترط العاقدان في تعجيل الأجرة وتأجيلها؛ لأن قبول المستأجر بتعجيل البدل إسقاط لما استحق من المساواة التي اقتضاها العقد وهي حقه، فيمكنه إسقاطها كإسقاط البائع حقه بتعجيل الثمن إذا أجله عن المشتري. (شرح المجلة ۲٦٤/۱ إتحاد ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۵/۱۴۳۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

R.C.M کمپنی کے کاروبار میں شرکت کرنا؟

سوال (۲۱۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: R.C.M نام کی ایک تجارتی کمپنی ہے، جو ضروریاتِ زندگی کی بہت سی چیزیں تیار کرتی ہے، شہر اور قصبوں میں اس کمپنی کا سینٹر ہے، سب سے پہلے یہ کمپنی ممبر سازی کا کام کرتی ہے، اگر کوئی شخص ممبر بننا چاہتا ہے، تو فوری طور پر پندرہ سو یا اس سے زائد رقم جمع کرے، کمپنی اس ممبر کو تیرہ سو روپئے کا کپڑا وغیرہ واپس کردیتی ہے، اور دوسو روپیہ کا ایک سال کے لئے دولاکھ کا بیمہ کردیتی ہے، اب ممبر کو ہر مہینہ سو روپیہ کا سامان لینا ضروری ہے، اب اگر کمپنی سے کوئی بھی ممبر خریداری کرتا ہے، تو کمپنی اس کو بیس فیصد کی رقم واپس کردے گی، ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جو شخص ممبر بنا ہے وہ کم از کم دو ممبر بنائے، یہ ایک سلسلہ ہے جو چلتا رہے گا، جتنے ممبر بڑھیں گے فیصد میں اِضافہ ہوتا رہے گا، کیا اس کمپنی کا ممبر بننا اور اس سے خریداری کرنا جائز ہے یا نہیں؟

نوٹ:- کمپنی یہ کہتی ہے کہ دوسری کمپنیوں کا سامان مختلف ہاتھوں سے ہوتے ہوئے

مارکیٹ میں پہنچتا ہے، جو مہنگا ہوجاتا ہے، اور R.C.M کمپنی اپنا مال سیدھے اپنے سینٹر پر بھیجتی ہے، تو نفع خریداروں کو دیتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: R.C.M کمپنی کا جو کاروبار سوال میں لکھا گیا ہے وہ بیوعاتِ فاسدہ شرائطِ فاسدہ اور بیمہ اور جوئے پر مشتمل ہے، جس کی وجہ سے اس معاملہ میں شرکت جائز نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ [البقرة، جزء آیت: ۲۷۵]

عن الزهري: قال عروة ابن الزبير: قالت عائشة رضي اللّٰه عنها: دخل عليَّ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فذكرت له، فقال لها رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: اشتري وأعتقي، فإنما الولاء لمن أعتق، ثم قام النبي صلى اللّٰه عليه وسلم من العشي فأثنى على اللّٰه بما هو أهله، ثم قال: أما بعد! ما بال أناس يشترطون شروطًا ليس في كتاب اللّٰه، من اشترط شرطًا ليس في كتاب اللّٰه فهو باطل، وإن اشترط مائة شرط، شرط اللّٰه أحق وأوثق. (صحيح البخاري، البيوع / باب الشراء والبيع مع النساء ۲۰۷/۱ رقم: ۲۱٤٦)

كل شرط لايقتضيه العقود فيه منفعة لأحد المتعاقدين، أو للمعقود عليه وهو من أهل الاستحقاق يفسده. (الهداية ۵۹/۳ أشرفي، الدر المختار مع الشامي ۲۸۲/۷ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۲/۱۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

R.C.M کمپنی کا سو روپیہ کا مال خریدنے پر بیس پرسینٹ کمیشن دینا؟

سوال (۲۱۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ایک R.C.M کمپنی ہے، اس سے اگر کوئی آدمی رابطہ قائم کر کے کوئی مال خریدتا ہے، تو کمپنی اس کو اپنی طرف سے سو روپیہ کا مال خریدنے پر بیس پرسینٹ دیتی ہے، اور اسی آدمی کے ماتحت ہو کر جس کو کمپنی سو میں سے بیس پرسنٹ دیتی ہے دوسرے آدمی نے کام شروع کیا، تو اب اس کے ۲۰ پرسنٹ میں سے ایک پرسنٹ اس آدمی کو مل رہا ہے، جس آدمی کے ماتحتی میں یہ آدمی کام کر رہا ہے، تو کیا اس میں سود وغیرہ کا احتمال ہے کہ نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کمپنی سے براہِ راست مال خریدنے پر جو رعایت ملتی ہے، اس سے تو فائدہ اٹھانا درست ہے؛ لیکن نیچے کے شخص کو ملی ہوئی رعایت میں اوپر والے کو جو حق ملتا ہے، وہ شرعاً درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ کچھ پتہ نہیں کہ نیچے والا کتنا سامان خریدے گا، خریداری کم بھی ہوسکتی ہے اور زیادہ بھی، اُسی اعتبار سے اوپر والے کے حق میں کمی بیشی ہوجائے گی اور اس طرح کی جہالت سے معاملہ فاسد ہوجاتا ہے۔

وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة. (الدر المختار / كتاب الإجارة ۷/۹ زكريا)

تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد، فكل ما أفسد البيع يفسدها كجهالة مأجور أو أجرة أو مدة أو عمل. (الدر المختار / كتاب الإجارة ٦٤/٩ زكريا)

ويجوز للبائع أن يزيد للمشتري في المبيع، ويجوز أن يحط عن الثمن. (الهداية ۷٥/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۲/۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

”منی پاور بزنس پلان“ کمپنی اور اُس کا کاروبار؟

سوال (۲۱۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: ایک کمپنی جو ہیلتھ لیونگ پرائیویٹ لمٹیڈ نامی ہے، جو منی پاور بزنس پلان کے نام سے اپنا کاروبار اور تجارت شروع کی ہے، دراصل یہ ایک دوائی بنانے والی معروف ومشہور کمپنی ہے، جو بمبئ میں ہے اور حکومت کی منظور شدہ اور رجسٹرڈ ہے، اس کمپنی کی ہر دوا مشروم (جیسے اُردو میں ''کُمبھی'' اور عربی میں ''الکماۃ'' کہتے ہیں) سے، نیز اس کے علاوہ اور دوسری جڑی بوٹیوں سے بنائی جاتی ہے۔

(۲) یہ کمپنی کاروبار اور تجارت کو فروغ دینے اور بڑھانے کے لئے دوسرے اشخاص کو اپنا ممبر بناتی ہے، جس کی ممبری فیس کم سے کم تین ہزار سے تقریباً ستر ہزار تک ہے، آدمی اپنی استطاعت کے مطابق تین ہزار یا چھ ہزار یا نو ہزار فیس بھر کر ممبر بن سکتا ہے، ممبر شب کے بعد کمپنی ہر ممبر کو اس کا نفع ہر ماہ بذریعہ چیک ادا کرتی ہے، جب کمپنی کا منافع بڑھتا ہے تو کمپنی اپنے ممبر کو بھی منافع بڑھا کر دیتی ہے، اور جب منافع کم ہوتا ہے (گھٹ جاتا ہے) تو کمپنی اپنے ممبر کو بھی منافع گھٹا کر (کم کرکے) دیتی ہے، یعنی ممبر کا نفع مقرر نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ زیادتی کی صورت میں زیادہ اور کمی کی صورت میں کم بھی ہوتا ہے، نیز یہ کمپنی جب کبھی کسی حادثہ یا مصیبت کا شکار ہو کر بند ہو جائے تو ممبر کو اس کا نفع بھی نہ ملے گا، اور نہ اس کی اصل رقم ملے گی اور یہ کمپنی اپنا انکم ٹیکس بھی ادا کرتی ہے، اور اپنے ممبر کا بھی انکم ٹیکس اس کے اس نفع سے وضع کرکے ادا کرتی ہے۔

(۳) اگر ایک شخص اس کمپنی کا ممبر بنا اور اس نے کسی دوسرے آدمی کو اس کمپنی کا ممبر بنایا تو یہ کمپنی اس پہلے ممبر کو دوسرے شخص کے ممبر بنانے کے بدلہ کچھ نفع اس کے لئے مقرر کرتی ہے، اسی طرح دوسرے ممبر نے کسی تیسرے شخص کو ممبر بنایا تو کمپنی اس پہلے کو بھی اور دوسرے ممبر کو بھی اس کا ممبر نانے کا نفع دیتی ہے، اسی طرح جتنے ممبر بڑھتے جائیں گے نفع اسی قدر بڑھتا جائے گا، اور ہر ایک کو یعنی پہلے ممبر سے آخر ممبر تک ہر ممبر کو اس کا نفع ملے گا۔

(۴) اگر کوئی شخص اس کمپنی کا ممبر بن جائے تو اس کو اپنی طرف سے کمپنی کا ممبر بنانا ضروری نہیں ہے، اگر اس کمپنی کا کوئی ممبر اپنی طرف سے اپنے علاوہ کسی کو ممبر نہ بنائے مثلاً زید اس کمپنی کا دسویں نمبر پر ممبر بنا، اور اس نے اپنی جانب سے کسی کو اس کا ممبر نہیں بنایا، تو یہ کمپنی زید کو اُس کے

ماقبل ۹/ویں ۸/ویں ۷/ویں والے ممبر کی جانب سے زید کے بعد ۱۱/ویں ۱۲/ویں نمبر پر جو ممبر بنیں، تو اُن کو بھی زید کا ممبر مان کر اُس ممبر کا نفع زید کو اور زید کے مافوق تمام ممبر کو بھی دے گی۔

(۵) یہ کمپنی ہر ممبر کو ایک مرتبہ مع اہلیہ اور دو بچوں کے خاص خاص متعین مقامات کی سیر وتفریح کے لئے ایک ہالی ڈے کوپن کے نام سے ایک کوپن دیتی ہے، جس کے ذریعہ وہ ممبر اپنی اہلیہ اور دو بچوں کے ساتھ ان مقامات کی سیر وتفریح کرسکتا ہے، دورانِ تفریح جن مقامات پر قیام وطعام ہوگا اُس کا خرچ بھی کمپنی برداشت کرے گی۔

(۶) کمپنی اپنے ممبروں کے لئے یہ سہولت فراہم کرتی ہے کہ جو ممبر اس کمپنی کی تیار شدہ دوائیوں میں سے تقریباً ایک ہزار سے تین ہزار کی رقم تک جو دوا خریدے گا، تو کمپنی اُس ممبر کو اُس دوا کی خریداری پر اُس کی اصل قیمت دس فیصد ڈسکاؤنٹ (چھوٹ) دے گی۔

(۷) اِسی طرح کمپنی زیادہ ممبر بنانے پر مثلاً کوئی پانچ دس پندرہ ممبر بنائے، تو اس شخص کو کمپنی اپنی جانب سے موبائل دو پہیہ والی گاڑی (ٹو وہیلر) کمپیوٹر، ٹی وی، وغیرہ بطور انعام دیتی ہے۔ اِسی طرح اس کمپنی کے علاوہ اور بھی دوسری کمپنیاں ہیں جو الگ الگ نام سے موجود ہیں، اور جن کا طریقہ کار کچھ معمولی فرق کے ساتھ مشترکہ بھی ہے، نیز اُن میں نفع مقرر ہے، کمپنی زیادتی کی کوئی شرط نہیں نفع ونقصان کا سوال نہیں، جتنا مقرر ہے مل کر رہے گا، اور بعض کمپنیوں میں صرف ممبر بنانے پر نفع ملتا ہے، اِن تمام مسائل کا تسلی بخش مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں کمپنی کے جس طریقۂ کار کو ذکر کیا گیا ہے، وہ شرعاً موجبِ اشکال ہے؛ اس لئے کہ ممبر بن کر کمپنی سے خریداری کرنے والے کی حیثیت غیر متعین ہے، ایک طرف وہ کمپنی کی مصنوعات کا خریدار ہے، دوسری طرف وہ گویا کہ کمپنی کے کاروبار میں شریک ہو کر اپنی ممبری کی رقم کے تناسب سے نفع بھی حاصل کر رہا ہے، پھر اگر نیا ممبر بنا رہا ہے تو اس سے اسے اُجرت بھی مل رہی ہے، گویا کہ وہ اجیر بھی ہے، حالاں کہ بیک وقت مالی معاملات میں دو

صفقہ مشروط نہیں ہو سکتے؛ لہٰذا اِن کمپنیوں کے معاملات شرعی اعتبار سے اطمینان بخش نہیں ہیں، اور ان کو مطلقاً جائز نہیں کہا جاسکتا۔

عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده رضي اللّٰه عنه قال: نهی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عن بیعتین في صفقة واحدة. (رواه الإمامُ البغوي في شرح السنة ۱٤٤/۸، لمعات التنقیح ٥۷۲/٥ دار النوادر، کذا في المشکاة / باب المنهی عنها من البیوع ۲٤۸ رقم: ۲۸٦۹، الموسوعة الفقهیة ۲٦۷/۹ کویت)

عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده رضي اللّٰه عنه قال: نهی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عن سلف وبیع، وعن شرطین في بیع واحد. (رواه النسائي في سننه المسمیٰ بالمجتبیٰ، البیوع / باب شرطان في بیع الخ ۱۹۷/۲ رقم: ٤٦٤٠ دار الفکر بیروت)

عن أبي هریرة رضي اللّٰه عنه قال: نهی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عن صفقتین في صفقة واحدة. (مسند أحمد ۳۹۸/۱، نصب الرایة ۱۸/٤)

وبالشرط الواحد أیضًا لا یجوز؛ لأنه قد ورد النهي عن بیع وشرط. (لمعات التنقیح ٥۷۲/٥ تحت رقم: ۲۸۷۰ دار النوادر)

قالوا: فالبیع في نفسهٖ شرط، فإذا شرط فیه شرط آخر فقد صار شرطین في بیع، فهٰذا هو الشرطان المنهی عنهما عندهم المذکوران في هٰذا الحدیث. (شرح معاني الآثار مع نخب الأفکار / باب البیع یشترط فیه شرط لیس فیه ۱۹۲/۱۹ دار الیسر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۹/۱۲/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

MODI CARE کمپنی کے کاروبار کا شرعی حکم؟

سوال (۲۱۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہندوستان میں ایک کمپنی بنام مودی کیئر (MODI CARE) چند سالوں سے وجود پذیر

ہوئی ہے، جس میں مختلف اشیاء مثلاً: صابون، کریم، شیمپو، وائرفلئر ناخن پر لگانے والا پینٹ اور الکحل ملا ہوا اسینٹ بھی ہوتا ہے، اس کمپنی نے اپنا سامان فروخت کرنے کا یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ لوگوں کو اس کے فوائد بتا کر اپنی کمپنی کا ممبر بناتی ہے، اور اپنا تیار کردہ سامان صرف ممبر کو ہی فروخت کرتی ہے، اور ممبر بننے کی فیس ڈھائی ہزار روپۓ مقرر ہے، جب کوئی ممبر بننا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے بنے ہوئے ممبر سے رجوع کرے، پھر اس کے واسطے سے کمپنی کا فارم حاصل کرے، فارم پر ہونے کے بعد کمپنی اسے اپنا ممبر شمار کرتی ہے، اور بطور تحفہ ایک لاکھ روپیہ مقرر کرتی ہے، جب ممبر کو ضرورت پیش آئے یا کوئی حادثہ ہو جائے، تو وہ اپنے سابق ممبر (جس کے تحت یہ ممبر بنا ہے اس) کے واسطے سے کمپنی سے اپنی مطلوبہ رقم حاصل کرے، ممبر بننے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ کمپنی سامان خریدنے پر ۲۰ر فیصدی کی رعایت کرتی ہے؛ لیکن کمپنی کی یہ شرط ہے کہ ممبری باقی رکھنے کے لئے سالانہ چھ ہزار روپۓ کا سامان خریدنا ضروری ہے، ورنہ جمع کی ہوئی رقم ڈھائی ہزار ضائع ہو جائے گی اور ممبری ختم ہو جائے گی۔ دوسری طرف ممبر کا یہ فائدہ ہے کہ وہ اپنے ماتحت دوسروں کو ممبر بنا سکتا ہے، اور اس میں اس ممبر کو یہ فائدہ ہے کہ اس پر جو سالانہ چھ ہزار روپۓ کا سامان خریدنا ضروری ہے، اگر اُس کے ماتحت ممبر نے بھی اتنا خرید لیا، تو اُس کی ممبری باقی رہنے کے لئے کافی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مثلاً زید ممبر ہے اور وہ سالانہ چھ ہزار روپۓ یا اس سے زائد کا مال خریدتا ہے، تو اس کو کمپنی ہر ایک ہزار کی خریداری پر پچاس روپۓ دیتی ہے۔ اِسی طرح زید کے ماتحت عمر ممبر بنا ہے، تو عمر جو چھ ہزار روپۓ کا مال خریدے گا، اس کے حساب سے کمپنی زید کو ہر ہزار کی خریداری پر پچاس روپۓ دے گی۔ اِسی طرح عمر نے بکر کو ممبر بنایا تو اس کی خریداری پر زید اور عمر دونوں کو پچاس روپۓ ملیں گے، اب نیچے تک ایسے ہی معاملہ ہوگا، اور جتنے زیادہ ممبر بنیں گے زید کا اتنا ہی فائدہ ہوگا، کمپنی ہر ممبر کے لئے ایک لاکھ مقرر کرتی ہے، جو اُسے ضرورت کے وقت ملتے ہیں، اگر ممبر مر جائے تو وہ رقم نائب کو دے دی جاتی ہے۔

جب کمپنی کا طریقہ کار واضح ہو چکا تو اب دریافت یہ کرنا ہے کہ:

(۱) اس کمپنی میں بعض نا جائز الاستعمال اشیاء بنتی ہیں، مثلاً ناخن پینٹ، الکحل ملا ہوا سینٹ اور لپ اسٹک وغیرہ، ان کو اگرچہ ہم نہیں خریدیں گے؛ لیکن وہ لوگ جو ہمارے تحت ممبر بنے ہیں، اگر وہ خریدیں تو کیا اس کا سبب ہم بنیں گے یا نہیں؟

(۲) نیز چوں کہ یہ اشیاء اس کی خریدی ہوئی اشیاء میں داخل ہیں، جس کی وجہ سے اُس کا فائدہ ہمیں مل رہا ہے، تو کیا یہ جائز ہوگا یا نہیں؟

(۳) واسطہ یا بلا واسطہ بنائے ہوئے ممبروں پر جو کمیشن ہمیں مل رہا ہے وہ جائز ہے یا نہیں؟

(۴) کمپنی جو ایک لاکھ مقرر کرتی ہے وہ بنام انشورنس ہے، اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کمپنی کا طریقۂ کار: (۱) شروط فاسدہ: مثلاً ممبری باقی رہنے کے لئے ہر سال چھ ہزار کا سامان خریدنے کی شرط (۲) قمار (انشورنس) جیسا کہ سوال میں ایک لاکھ کا ذکر کیا گیا ہے۔ (۳) ناجائز کمیشن یعنی زید کے ماتحت تمام ممبروں، خواہ ان کو ممبر بنانے میں زید کا دخل ہو یا نہ ہو سب کی خریداری پر زید کو کمیشن ملنے کی شرط لگائی گئی ہے، یہ سب چیزیں شرعاً ناجائز اور حرام ہیں؛ لہٰذا مذکورہ کمپنی میں حصہ لینا کسی مسلمان کے لئے جائز و درست نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [المائدة: ۹۰]

لأن هٰذا بيع وشرط، وقد نهى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عن بيع وشرط، وكل شرط لايقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه، وهو من أهل الاستحقاق يفسده. (الهداية / كتاب البيوع ۳/۵۹ إدارة المعارف ديوبند، مجمع الأنهر، كتاب البيوع / بيع الفاسد ۳/۹۰ كوئٹه، كذا في الدر المختار / باب البيع الفاسد ۵/۸٤ دار الفكر بيروت)

فإذا شرط لأحدهما أكثر من حصته من الضمان ونصيبه من الملك فهو

شرط ملک من غیر ربح ولا ضمان فلا یجوز. (بدائع الصنائع / کتاب الشرکة ۸۷/۵ زکریا، مستفاد: فتاویٰ محمودیه ۸۸/۱۶ ڈابھیل، جواھر الفقه ۳۴۵/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۵/۵/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بکرے اور بکری کی تجارت کرنے والی ایک تنظیم اور اُس کا طریقۂ کار؟

سوال (۲۱۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں بکروں کی خرید وفروخت کی اکثر تجارت ہوتی ہے، چند قصبات اور شہروں میں علاقہ کے اعتبار سے ایک تنظیم بنی ہوئی ہے، اس تنظیم کا کام یہ ہے کہ خرید وفروخت کرنے والوں کو اپنے حدود کے دائرے میں ڈیو کے اعتبار سے رقم کا لین دین کرتی ہے اور ایک تاریخ مقرر کر کے سترہ دن کی تحریر کر کے پرچی اپنی طرف سے تنظیم دیتی ہے، مگر جس شخص نے اپنے جانور بیچے ہیں، اکثر اُن ۱۷/ دنوں کا انتظار نہ کر کے کسی دوسرے شخص سے تنظیم کی طرف سے دی ہوئی پرچی کو دیکھ کر اس سے رقم جانوروں کی لے لیتا ہے، اِس طرح سے کہ یہ پرچی تنظیم کی میرے پاس سے تم لے لو اور اس کے مطابق تحریر کردہ رقم مجھے دے دو، اس پرچی کی تاریخ مقررہ جو تحریر ہے ۱۷/ دن کی، تنظیم کے مطابق، تنظیم والوں سے رقم تم لے لو، اور مجھے تم رقم اپنے پاس سے دے دو، رقم دینے والا اس پرچی کو لے کر اپنی طرف سے رقم فی عدد جانور کچھ کم کر کے اس کو دیتا ہے، مثلاً بیس عدد جانور کی بیس ہزار روپیہ تنظیم نے پرچی تحریر کر کے دیدی اور خرید وفروخت کرنے والوں سے کہا بیس جانوروں کی رقم بیس ہزار روپیہ سترہ دن کے بعد وصول کرلینا، اب یہ پرچی تنظیم والوں کی طرف سے تحریر کردہ رقم کی دوسرے شخص کے پاس جا کر تنظیم کے علاوہ لیتا ہے، تو وہ دوسرا شخص فی عدد جانور بیس روپیہ کم کر کے اس کو رقم دیتا ہے، اس طرح سے کہ بیس ہزار روپیوں کے انیس ہزار چھ سو روپیہ اس کو دیتا ہے، اور رقم دینے والا شخص اس تنظیم کی پرچی کو لے کر سترہ دن پر تنظیم والوں کے پاس پورے بیس ہزار روپیہ وصول کرلیتا ہے، کیا اس طرح وصول کرنا رقم دینا والے کے لئے اور لینے

والے کے لئے دونوں کے لئے ربو کے حکم میں تو نہیں ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال پڑھنے سے اندازہ ہوا کہ مذکورہ تنظیم بائع کو جو پرچی دیتی ہے، اس کی حیثیت میعادی چیک کی ہے، جسے وقتِ مقررہ سے پہلے بھنایا نہیں جاسکتا، اب اگر اس چیک کو لے کر کوئی شخص کم رقم ادا کرے تو یہ معاملہ سودی ہو جائے گا، اور ناجائز ہوگا اور مجبوری کی شکل میں جواز کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ جانور بیچنے والا شخص رقم دینے والے شخص کو اپنی پرچی بھنوانے کا وکیل بنائے اور اس وکالت پر متعین اُجرت مقرر کرے، اس کے بعد اس سے بطور قرض رقم لے اور جب وہ شخص مقررہ تاریخ کو پرچی بھنالے، تو اس سے لیا ہوا قرض اور وکالت کی اُجرت اُس کے حوالہ کردے، تو اِس طرح یہ معاملہ دائرۂ جواز میں لایا جاسکتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۳۲۲)

ولٰکن هٰذه المعاملة يمكن تصحيحها بتغير طريقها، و ذٰلک أن يؤ كل التاجر البنک باستيفاء دينه من المشتري، ويدفع إليه أجرة على ذٰلک، ثم يستقرض منه مبلغ الكمبيالة، ويأذن له أن يستوفى هٰذا القرض مما يقبض من المشتري بعد نضح الكمبيالة. (تكملة فتح الملهم المكبيالات وبيع حق المرور ۱/۳٦۳ دار العلوم كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۴/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بکرے بکریوں کے فارم میں تجارتی شرکت کرنا؟

سوال (۲۱۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: الاساج فارس پرائیویٹ لمٹیڈ کے زیرنگرانی ۱۹۵۶ کمپنیز ایکٹ کے تحت ۷؍سوا یکڑ زمین میں بکرے بکریوں کا فارم قائم کیا گیا ہے، اور تجارت جاری ہے، مالکانِ کمپنی نے پچھلے دنوں قربانی کے بکروں سے متعلق ایک اسکیم مرتب کر کے شائع کی ہے، وہ اسکیم ذیل ہے، براہ کرم ملاحظہ فرما کر

تصویب یا تغلیط فرمائیں، اور مندرجہ معاملہ نادرست ہونے کی صورت میں اس کے درست ہونے کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

تین بکروں (دومائی) کی قیمت آپ کو ایک مشت پانچ ہزار روپیہ ادا کرنے ہوں گے، رقم کی ادائیگی کے ۲۴/ مہینے کے بعد کمپنی والے ہر سال ایک سال کا فربہ بکرا خریدار کو مہیا کریں گے، یہ سلسلہ ۱۰/ سال تک جاری رہے گا، یعنی ہر سال جس نے ۵/ ہزار روپیہ جمع کردئے ہوں گے، اسے اس طرح بکرا ملتا رہے گا، مگر یہ ۵/ ہزار روپیہ اخیر تک محفوظ رہے گا، ۱۰/ سال پورے ہونے کے بعد ۵/ ہزار روپیہ کے برابر کمپنی از سرنو بکرے خریدار کو فراہم کرے گی۔

الف:- جو پانچ ہزار یک مشت نہ دے سکیں وہ قسطوں میں ادا کر سکتے ہیں، اس طرح کہ پہلے ماہ پندرہ سو اس کے بعد سات ماہ تک پانچ سو روپیہ ادا کرنے ہوں گے۔

ب:- دس سال پورا ہونے کے بعد بجائے بکروں کے پانچ ہزار کی جمع شدہ رقم بصورتِ نقد بھی واپس مل سکتی ہے۔

نوٹ:- مالکانِ کمپنی مسلمان ہیں؛ لہٰذا صورتِ مذکورہ کی شرعی حیثیت واضح فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ معاملہ شرعاً فاسد ہے؛ اس لئے کہ رأس المال میں کمی کے بغیر ہر سال کا نفع متعین کردیا گیا ہے، جب عقد فاسد ہوا، تو یہ زیادتی سود کے حکم میں ہوگی، رقم جمع کرنے والا اپنی رقم کے علاوہ کسی زیادتی کا مستحق نہیں ہے، جواز کی شکل یہ ہے کہ روپیہ تجارت میں لگا کر فیصدی صحیح نفع باہم رضامندی سے مقرر کیا جائے اور نفع اور نقصان دونوں میں شرکت کی جائے، اور اگر مضاربت کی شکل ہو کہ سرمایا ایک کا اور محنت دوسرے کی ہو تو نقصان رب المال برداشت کرے اور نفع میں دونوں شریک ہوں۔

أخرج البيهقي من طريق العلاء بن عبد الرحمٰن بن يعقوب عن أبيه أنه قال: جئت عثمان بن عفان رضي الله عنه، فقلت له: قد قدمت سلعة، فهل لک

أن تعطيني مالاً فاشتري بذٰلک؟ فقال: أتراک فاعلاً؟ قال: نعم، ولكني رجل مكاتب، فاشتريها على أن الربح بيني وبينک، قال: نعم، فأعطاني مالاً على ذٰلک. (السنن الكبرىٰ للبيهقي / القراض ۲۰/۹ رقم: ۱۱۸۱۱)

وشروطها …… وكون الربح بينهما شائعاً فلو عين قدراً فسدت …… وفي الجلالية: كل شرط يوجب جهالة في الربح أو يقطع الشركة فيه يفسدها. (درمختار) قوله: فيه كما لو شرط لأحدهما دراهم مسماة. (شامي / كتاب المضاربة ٦٤٨/٥ كراچی، ٤٣٣/٨-٤٣٤ زكريا)

هي عقد شركة في الربح بمال من جانب وعمل من جانب. (كذا في التنوير الأبصار مع الدر المختار / كتاب المضاربة ٦٤٥/٥ كراچی، ٤٣٠/٨ زكريا)

الشرط الخامس: أن يكون نصيب المضارب من الربح معلومًا على وجه لا تنقطع به الشركة في الربح، حتى لا يقعا في المنازعة في الثاني، وأما بشرط أن يكون نصيب المضارب شيئًا ينقطع به الشركة. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب المضاربة / شرائط المضاربة وحكمها ٣٩٥/١٥ رقم: ٢٣٥١٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۱۰/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کمپنی کا ۶/ سال تک جمع شدہ رقم کے بدلے ۲۰/ ہزار روپیہ یا پلاٹ دینا؟

سوال (۲۲۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک کمپنی جو اپنے ممبر کے فائدہ کے لئے تجویز رکھی ہے کہ جو نیا ممبر اس سے جڑے گا، اور وہ ۶/ سال تک، مثلاً دس ہزار روپیہ قسط وار جمع کردے گا، تو اس کو ۶/ سال مکمل ہونے پر ۲۰/ ہزار روپیہ منجانب کمپنی دیئے جائیں گے، اور اس ممبر کے لئے یہ بھی سہولت ہے کہ وہ ۲۰/ ہزار روپئے نہ لے کر ۲۰۰/ گز کا پلاٹ لے لے اور یہ پلاٹ جہاں جہاں کمپنی چاہے گی وہاں پر دے گی، نیز مذکورہ ۶/

سال کی مدت میں اس ممبر کو ماہانہ بھی کچھ رقم کمپنی کی طرف سے ملتی رہے گی، اور کمپنی جو یہ معاملہ اپنے ممبر کے ساتھ کررہی ہے یہ سارا لینا دینا، اور رقوم یا پلاٹ کا ملنا، سارا کا سارا کاغذات میں بھی لکھا ہوا ہوگا، اور وقت پر وہ کاغذات ممبر کے حوالے بھی کئے جائیں گے۔ اب سوال یہ ہے کہ کمپنی کا مذکورہ طریقۂ کار، اور ممبران کا اس کے بدلے ۲۰۰ / گز کا جہاں کمپنی چاہے پلاٹ دے گی، یہ ساری چیزیں کہاں تک جائز اور درست ہیں؟ اور ان کا شرعی حکم کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کمپنی کا مذکورہ طریقۂ کار سود اور رِبا پر مشتمل ہونے کی وجہ سے قطعاً حرام ہے؛ کیوں کہ اس میں چھ سال تک جمع شدہ رقم کے بدلے صراحۃً بیس ہزار روپئے دینے کی بات کہی گئی ہے، یہ اضافی رقم روپئے ہی کے بدلے میں دی جارہی ہے، جو بعینہٖ سود ہے، اور اس طرح کی کمپنیوں کی طرف سے پلاٹ کی جو بات کہی جاتی ہے وہ فرضی ہے؛ اس لئے کہ یہ پلاٹ مقبوض نہیں ہوتے اور وہ مکمل طور پر کمپنی ہی کے تصرف میں ہوتے ہیں، اور روپئے جمع کرنے والے کو اس پلاٹ پر آزادنہ تصرف کا کبھی حق حاصل نہیں ہوگا، حتی کہ اگر رقم جمع کرنے والے کو کمپنی پلاٹ الاٹ کردے، تو وہ اس کو کمپنی کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ فروخت بھی نہیں کرسکتا، اور کمپنی جس قیمت پر چاہے گی، وہ اس سے زیادہ قیمت نہیں لگا سکتا، بریں بنا من جملہ یہ پورا معاملہ سود پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، کسی مسلمان کے لئے اس میں حصہ لینا درست نہیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ [البقرة، جزء آیت: ٢٧٥]

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [آل عمران: ١٣٠]

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم ٧٢/٢ رقم: ١٥٩٨، سنن الترمذي ٢٢٩/١ رقم: ١٢٠٦، مشكاة المصابيح، البيوع / باب الربا ٢٤٤، مرقاة المفاتيح

٤٣/٦ رقم: ٢٨٠٧ دار الكتب العلمية بيروت)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن بيع الحصاة، وعن بيع الغرر. (صحيح مسلم، كتاب البيوع / باب إبطال بيع الملامسة والمنابذة ٢/٢ رقم: ١٥١٣، إعلاء السنن ١٦٦/١٤ كراچی)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يقبضه. قال ابن عباس رضي اللّٰه عنه: وأحسب كل شيء بمنزلة الطعام. (صحيح مسلم ٥/٢ رقم: ١٥٢٥، صحيح البخاري رقم: ٢٦٣٢)

عن علي أمير المؤمنين رضي اللّٰه عنه مرفوعًا: كل قرض جرّ منفعة فهو ربا، وكل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف. (إعلاء السنن، كتاب الحوالة / باب كل قرض جر منفعة فهو ربا ٤٩٩/١٤ إدارة القرآن كراچی)

كل قرض جرّ منفعة فهو وجه من وجوه الربا. (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقات والمزارعة ٥٧٥/١ مكتبة دار العلوم كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۵/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

’’یونائیٹیڈ ا یگرو لائف انڈیا لمٹیڈ‘‘ کمپنی کا حکم

سوال (۲۲۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: محمد عدنان ایچ ایم لقمان محلّہ لقمان پورہ بسی کرت پور ضلع بجنور یوپی کا ہوں، بندہ ایک کمپنی جس کا نام ’’یونائیٹیڈ ا یگرو لائف انڈیا لمٹیڈ دہرہ دون‘‘ ہے، یہ کمپنی ۲۰/۱۰/۲۰۱۱ء میں قائم ہوئی ہے، میں اس کمپنی میں ایجنٹ کی شکل میں کام کرتا ہوں، کمپنی کا کاروبار پبلک سے قسط وار اور یک مشت کی شکل میں رقوم اکٹھا کرنا ہے، پبلک کی رقوم سے کمپنی زمین خریدتی ہے، زمین پر پیداوار (کھیتی) کرتی ہے، کمپنی پیداوار سے جو منافع ہوتا ہے، اس میں سے اپنے ہر کسٹومر (حصہ دار) کو تقسیم کرتی

ہے، فی الحال ہی کمپنی نے ہمارے علاقہ نگینہ ضلع بجنور میں کہیں پر زمین خریدی ہے، کمپنی نے زمین اپنے نام سے خریدی ہے، اور کمپنی نے منافع دینے کی فہرست وقت پورا ہونے سے قبل ہی تیار کرر کھی ہے۔ ۲۰؍۱۰؍۲۰۱۱ء تک فہرست تھی، پانچ سال میں دوگنے، سات سال میں تین گنے اور نو سال میں چار گنے کی۔(قدیم فہرست)

مارچ ۲۰۱۲ء سے جو فہرست تیار ہوئی، ۵؍سال میں دوگنے، آٹھ سال میں تین گنے، اور دس سال میں چار گنے میں صرف دس روپئے کم یعنی ۲۰؍۱۰؍۲۰۱۱ء کے مقابلہ ۱۰-۱۰؍روپئے کم رکھی ہے۔(جدید فہرست)

رقــــوم :- قدیم ۲۰۱۰-۲۰۱۱ء تک ایف ڈی ڈبل اور جدید ۲۰۱۲ء کے طریقوں میں ۱۰-۱۰؍روپئے ڈبل میں کم رکھے ہیں۔

وقــت :- قدیم ۲۰۱۰-۲۰۱۱ء میں وقت پانچ سال، سات اور نو سال تھا، اور اب جدید ۲۰۱۲ء میں پانچ آٹھ، اور دس سال ہوا یعنی ایک سال کا اضافہ کیا۔

غور طلب :- کمپنی نے نگینہ بجنور میں فی الحال زمین خریدی ہے، جب کہ برانچ نجیب آباد کی افتتاح ۱۶؍مارچ ۲۰۱۱ء ہے، یعنی اب ایک سال پورا ہوا ہے، کمپنی منافع کب اور کس طرح دے، جب کہ کمپنی نے منافع دینے کا وقت اور روائیداد رقوم فہرست پہلے ہی بنا رکھی ہے، کمپنی نے پبلک سے رقوم لینے کے لئے کیا کیا طریقے اختیار کئے؟ اور کتنا وقت مقرر کیا ہے؟ وہ حسب ذیل ہے:

(۱) کمپنی کے نیم یعنی طریقے۔

(۲) کمپنی کا سمے یعنی وقت، جو روئیداد بنا رکھی ہے، ہندی سے اردو ترجمہ کیا ہے۔

یعنی عزت سے نوازے گئے، اگر گراہک حصے داروں، ''یونائیٹیڈ ایگرو لائف انڈیا لمٹیڈ'' ایک پبلک لمٹیڈ کمپنی ہے، اور اس کمپنی کا رجسٹریشن ہندوستانی قانونی کمپنی ۱۹۵۶ء کے تحت ہے، اس کمپنی کا خاص کام پورے ہندوستان میں زمین خریدنا، اس پر کھیتی کا کاروبار کرنا ہے، اس پیمانے پر

کام کرتے ہوئے کسٹومر (حصہ دار) کو طے شدہ وقت میں زمین دینا اور وقت پر انہیں کمپنی سے ہونے والا منافع دینا شامل ہے، اس کے ساتھ ساتھ زمین کاوکاس یعنی فائدہ اور کھیتی پیداوار کے نئے نئے پروجیکٹ لگانا سائنسی طریقے سے کمپنی کی کامیابی کامیاب فصلیں لینا یونائیٹیڈ اگرولائف انڈیا لمٹیڈ کا خاص کاروبار ہے، ہمارا ہندوستان پہلے سے ہی کھیتی پیداوار ملک ہے، یہاں کا زیادہ تر کاروبار کھیتی پر موجود ہے، اور آج کے وقت میں اس علاقہ میں روپیوں کا جمع کرنا زیادہ حفاظت اور فائدہ مند ہے، تو آیئے اور "یونائیڈیڈ اگرولائف انڈیا لمٹیڈ" دہرہ دون کے ساتھ مل کر اپنے آنے والے کل کو ایک سنہرا کل بنائیں۔

غور طلب: کمپنی کا خاص کام پورے ہندوستان میں زمین خریدنا اس پر کھیتی کرنا، جب کہ ۲۰۱۰ء ۲۰۱۱ء سے اب تک یوپی کے اندر تقریباً چار پانچ برانچیں کل ہیں، دہرہ دون (ہیڈ آفس) لکسر، ہری دوار، پور قاضی، مظفرنگر اور نجیب آباد میں اور کمپنی کا نام زمین صرف لکسر اور فی الحال خریدی گئی تحصیل نگینہ ضلع بجنور میں ہے۔

یونائیٹیڈ اگرولائف انڈیا لمٹیڈ کے بذریعہ کسٹومر (حصہ داروں کو نفع):

(ا) کمپنی اپنے رقوم جمع کرنے والوں کے لیے الگ الگ طرح کی اسکیموں کا انتظام حاصل کراتی ہے، گراہکوں (حصہ داروں) کو ملنے والے نفع حسبِ ذیل ہیں:

الف:- یعنی طے شدہ طریقوں پر جمع کرنے میں نفع۔

ب:- حادثہ معاوضہ کا انتظام۔

ج:- جمع رقوم کا ضبط نہ ہونا۔

غور طلب:- کمپنی لکھ رہی ہے (حصہ دار) کا مالکانہ حقوق جبکہ جو زمین کمپنی نے کسٹومر (حصہ دار) کی رقوم سے خرید کر اپنے نام بیع نامہ کیا ہے، اور ایک قسط یا ایک سال سے پہلے ضبط ہوتی ہے۔

(ا) گراہک (حصہ دار) کے ذریعہ کمپنی کے قاعدے قانون کو توڑنا۔

یعنی زمین کا حصہ کسٹومر (حصہ دار) کے نام ہونے سے قبل اگر قسط اور اسکیم کے معاملے میں اگر کسٹومر مقررہ رقوم طے شدہ تاریخ سے بارہ ماہ لگاتار ایک یا اس سے زیادہ قسطوں کو آفس میں نہیں پہنچاتا ہے تو اس سے یہ ثابت ہوجائے گا، اور یہ قانون ٹوٹ گیا مانا جائے گا، اور اس بھول کو کھاتہ ختم مانا جائے گا، اگر ایسا گراہک قانون توڑتا ہے پلاٹ کے نام ہونے سے پہلے ہوتا ہے، تو نام ہونے سے پہلے الگ الگ اسکیموں کے تحت حاصل رقوم کو طے شدہ تاریخ پر ہی لوٹایا جائے گا۔

(۲) یعنی زمین کا حصہ کسٹومر (حصہ دار) کے نام ہونے کے بعد دیری، اگر قسط بھگتان یوجنا کے تحت زمین بیع نامہ ہونے کے بعد گراہک کے ذریعہ کمپنی قانون ٹوٹتا ہے تو ''یونائیٹیڈ ایگرو لائف انڈیا لمٹیڈ'' کل جمع رقوم میں ۵رفیصد کٹوتی کر کے بقایا رقوم پر۱۲رفیصد سادہ بیاج کے حساب سے طے شدہ وقت پر گراہک کو بھگتان کیا جائے گا۔

(۳) کمپنی میں رجسٹریشن ہونے کے بعد کسٹومر دیری کرتا ہے، تو اگر قسط اور اسکیم کے تحت گراہک کے ذریعہ پلاٹ کے رجسٹریشن کے قانون شکنی ہوتی ہے کمپنی کا قانون ٹوٹتا ہے تو ۴رفیصد کٹوتی کے علاوہ بھی اور دوسرے خرچ کاٹ کر بقایا رقوم پر ۱۸رفیصد بیاض کے حساب سے طے شدہ وقت (تاریخ) پر گراہک کو بھگتان کیا جائے گا؟

(۴) ضروری کاروائی کا پورا نہ ہونا۔

اگر کسٹومر (حصہ دار) ضروری کاغذی کاروائی (تحریر) مناسب نہیں ہوتی ہے تو ایسے حالات میں گراہک (حصہ دار) کی طرف سے بھول مانی جائے گی پھر بھی گراہک ''یونائیٹیڈ ایگرو لائف انڈیا کمپنی'' کی اسکیم ختم ہونے سے تیس یوم پہلے مندرجہ بالاتحریر پورا کرنے پر خبر کریں۔

حادثہ کا معاوضہ:

حادثہ سے کوئی اعضاء خراب ہونا/موت ہونے پر معاوضہ، گراہک (حصہ دار) یا وارث جیسا بھی معاملہ ہو کسٹومر کے تحت حادثہ اعضاء خراب ہوجانا/ یا موت ہونے پر معاوضہ حاصل کرنے کا حق دار ہوگا، جس کا پورا طور طریقہ حسبِ ذیل ہے:

بدنی نقصانات	معلوضہ
(۱) موت	گراہک کے کل میزان کا 150 فیصد شرط یہ کہ یہ رقوم ایک لاکھ روپئے سے زیادہ نہ ہونا چاہئے، گراہک نے کتنی بھی اسکیمیں/ پلاٹوں کے لئے ذمہ دار ہونے پر کیا ہو۔
(۲) دونوں اعضاء یا دونوں انکھوں کا ختم ہونا،خراب ہونا۔	جواب نمبر(۱)اور(۲)والا موجود ہے۔
(۳)ایک اعضاء یا ایک آنکھ کا خراب/ ختم ہونا۔	معاوضہ ۵۰رفیصد اور نیز جواب (۱،۲،۳) شائع معاوضہ کے ذریعہ کسی دوسرے طرح کی محتاجی کے لئے معاوضہ نہیں دیا جائے گا۔

''یونائٹیڈ ایگرو لائف انڈیا لمٹیڈ'' گراہکوں کو حسبِ ذیل شرطوں کے حساب سے ہی معاوضہ ملے گا:

(۱)حادثہ/ موت کے وقت بکنگ شروع ہونا چاہئے،حد: ۱۰رسال سے ۷۵رسال کے درمیان۔

(۲) اس اسکیم کے تحت گراہک کے والدین/ رشتہ دار کو معاوضہ حق داری ورشتہ گراہک کو آفس (برانچ) میں خبر دینی چاہئے کہ اُس کا بیٹا/ بیٹی نے حادثہ ہونے پر معاوضہ حاصل کرنے کے لئے پندرہ سال کی عمر پوری کر لی ہے۔

(۳) رجسٹریشن تحریر میں شروع ہونے کی تاریخ سے نوے دنوں کے بعد اسکیم کے تحت معاوضہ مانا جائے گا(شروع ہوگا)۔

(۴)اگر موت/ یا اعضاء خراب کا معاوضہ مانگا گیا ہو اور خودکی گئی ہو جیسے خودکشی یا خودکشی کی کوشش کے ذریعہ موت واقع ہوگئی ہو یا پاگل پن یا جیسے کلیم،لڑائی یا دنگا فساد یا ساموہک آپسی ہلچل خلافت،حملہ،سنکار کھیلتے پہاڑی حادثہ،سانپ کے کاٹے،یا کسی طرح کی گھوڑے سواری یا کسی ایسا حادثہ جس کی وجہ سے گراہک کے ذریعہ قانون کا ٹوٹنا ہو یا راجیہ کارروائی یا دیوی بھکتی کے ذریعہ

ہونے والے زخمی حالات موت/ اعضاء ختم یا کمپنی کے قانون کے بعد ہو، تو اِن حالات کے ہونے پر گراہک (حصہ دار) معاوضہ کا حق دار نہیں ہوگا۔

دعویٰ معاوضہ:

حادثہ سے ہوئی محتاجی یا موت کی خبر کمپنی کے نزدیکی برانچ میں پندرہ یوم کے اندر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعہ سے پہنچ جانی چاہئے اور حادثہ سے ہوئی موت یا محتاجی ہونے کے ۹۰/دن کے اندر قریبی برانچ میں معاوضہ دستاویز کا دعویٰ پہنچ جانا چاہئے۔

دعویٰ معاوضہ کے لئے حسبِ ذیل دستاویزوں کو ساتھ لگانا ہوگا:

(۱) موت کا سرٹیفیکٹ۔ (۲) پوسٹ مارٹم یا ہسپتال کی رپورٹ۔ (۳) پیدائشی سرٹیفیکٹ۔ (۴) پولیس خبر یعنی ایف آئی آر، رپورٹ کی فوٹو کاپی۔ (۵) پنچایت رپورٹ۔ (۶) گراہک سیوا کیندر یعنی برانچ کی رپورٹ (جگہ)۔ (۷) دفن، بہانا، جلانا۔ (۸) اگر نامزدگی نہ ہو تو موجود ادھیکاری رپورٹ۔ (۹) دعویٰ کا فارم ٹھیک طرح سے پُر یعنی بھرا ہونا چاہئے۔

اگر موت رعایت وقت کے اندر ہوئی ہے تو بکنگ/ قانون کمپنی جاری مانا جائے گا، حادثہ کے ساتھ ہوئی موت/ محتاجی کی شکل میں بند کئے گئے کمپنی قانون/ کوئی معاوضہ نہیں دیا جائے گا، حالاں کہ گراہکوں کو چاہئے، وہ خاص فرق یا رعایت وقت میں قسطوں کو جمع کراکے کمپنی کا قانون جاری رکھیں۔

(۲) وقت: کمپنی کے جو وقت قسطوں کے لئے مقرر ہیں حسبِ ذیل ہیں:

کمپنی کا کاروبار زمین کو لینا، بیچنا اور اس پر کھیتی (پیداوار کرنا) ہے کسٹومر (حصہ دار) سے جو رقوم کمپنی لیتی ہے وہ رقوم معہ منافع واپس دینے کے جو طریقے بنائے ہیں، وہ کمپنی کے رول بک یعنی روئیداد اس طرح سے ہے:

کمپنی کسٹومر کو زمین کے پلاٹ دو طرح سے دیتی ہے:

الف:- قسط بھگتان یوجنا۔ **ب**:- کیش ڈاؤن یوجنا کے تحت۔

الف:- قسط وار اسکیم کے تحت ہمارے یہاں پر قسطیں چار طرح کی ہوتی ہیں:

(۱) ماہانہ (۲) سہ ماہی (۳) ششماہی (۴) سالانہ۔

اگر کوئی آدمی (حصہ دار) ہمارے یہاں پر ۲ر سو روپئے ہر ماہ والی قسط اسکیم پانچ سال کی لیتا ہے، تو اِس کسٹومر کے پانچ سال میں ۱۲ر ہزار روپئے بنیں گے، اور جو منافع اس پر ہوگا، پانچ سال میں ۸ر ہزار روپئے ہوگا، یعنی 12000+8000 کل ۲۰ر ہزار روپئے ملیں گے، پورے پانچ سال بعد مع منافع کے۔

اس اسکیم کے تحت ہماری کمپنی اس آدمی کے لئے ۶۰ر ہزار (اسکوائر پارڈ) بنجر زمین اس کے نام سے لیتی) اگر حصہ دار اپنی زمین نہیں لیتا، تو کمپنی طے شدہ وقت پر طے شدہ رقوم مع نفع کے واپسی کر دیتی ہے اور اپنے نام کر لیتی ہے۔

غور طلب:- کمپنی کا حصہ دار کو زمین دینا پھر اُس کو واپس لینا اِس بیچ جو زمین کسٹومر کے نام ہوتی ہے، وہ سرکاری بیع نامہ کچھ پتہ نہیں؛ کیوں کہ شروع میں کمپنی حصہ دار سے دستخط کراتی ہے، اور یہ نفع طے کر رکھا ہے نفع اتنا ملے گا اور اتنا ملے گا۔

کمپنی کا قدیم طریقہ ۲۰۱۰/۱۱ء ہمارے یہاں پر ہر ماہ والی قسط کا پانچ سال میں ۱۲ر ہزار بننا اور اس پر منافع ۸ر ہزار ہونا یعنی 12000+8000 کل ۲۰ر ہزار روپئے طے شدہ وقت پر ملنا ہے۔

غور طلب:- اس قدیم طریقہ میں کسٹومر کو زمین دینا کہیں پر بھی ذکر نہیں تھا اور نہ ہی حادثہ کے ساتھ معاوضہ کا ذکر کمپنی کی قدیم رول بک اس فتویٰ کے ساتھ لگا رہا ہوں، آپ حضرات غور فرمائیں۔

کمپنی کا جدید طریقہ مارچ ۲۰۱۲ء سے کمپنی نے اپنی روئیداد (رول بک) کے اندر کسٹومر کو زمین کے پلاٹ دینے کا بھی ذکر کیا ہے، اور اگر کسٹومر کی موت ہو جاتی ہے، تو اس کو حادثہ معاوضہ دینے کے طریقے بھی روئیداد میں لکھے ہیں اور کمپنی نے زمین نام ہونے پر یا کسٹومر کا جس تاریخ سے کھاتہ

شروع ہوا ہے سے لے کر بارہ مہینہ یعنی ایک سال تک قسط جمع نہیں کرتا ہے، تو ایک یا زیادہ قسط ختم ہو جاتی ہیں، اور یہ لکھ رہے ہیں نمبر۳/ پر جمع رقوم کا ضبط نہ ہونا، پوری بات نہیں لکھی کہ کتنی قسطوں کا جمع نہ ہونا کمپنی ایک سال بعد اگر نہیں جمع کرتا ہو تو کمپنی طے شدہ وقت پر کل میزان وکسٹومر کی رقوم سے ۵/فیصد کے اعتبار سے کاٹ کر اور ۱۲/فیصد بقایا رقوم پر سادہ بیاج مقررہ وقت پر کسٹومر کو دیا جائے گا۔

غور طلب:- اس کمپنی نے بیاج لفظ بھی خود استعمال کیا ہے؟

ب:- یک مشت رقوم جمع کرنا اگر کسٹومر (حصہ دار) ہمارے یہاں پر ۱۰/ہزار روپئے کی اسکیم لیتا ہے، تو اس کے لئے بھی کمپنی نے پلاٹ سائز ۵۰/اسکوائر یارڈ (گز) بنجر زمین اس کے نام سے لیتی ہے، اس زمین کو زرخیز بنا کر گراہک (حصہ دار) کے سامنے کمپنی کے دو طریقے ہوتے ہیں، اگر کسٹومر اس زمین کو لینا چاہے تو لے لے، ورنہ نہ لینے کی شکل میں کمپنی نے جو زمین اس کے نام ساتھ اس کا بیع نامہ کمپنی اپنے نام کر لیتی ہے، اور کمپنی اس کسٹومر کو بنجر زمین کی قیمت زرخیز بنا کر حسبِ ذیل طریقوں سے رقوم کو واپسی دیتی ہے:

قدیم اُصول:

(۱) کمپنی پانچ سال میں دوگنے یعنی ۱۰/ہزار روپئے طے شدہ وقت پر مع نفع کے ۲۰/ہزار روپئے دیتی ہے۔

(۲) کمپنی سات سال میں تین گنے یعنی ۱۰/ہزار روپئے طے شدہ وقت پر مع نفع کے ۳۰/ہزار روپئے دیتی ہے۔

(۳) کمپنی نو سال میں چار گنے یعنی ۱۰/ہزار روپئے طے شدہ وقت پر مع نفع کے ۴۰/ہزار روپئے دیتی ہے۔

جدید اُصول:

(۱) کمپنی پانچ سال میں دوگنے میں دس روپئے دیتی ہے، یعنی ۱۰/ہزار روپئے کے طے شدہ وقت پر مع نفع کے ۱۹/ہزار ۹۹۰/روپئے دیتی ہے۔

(۲) آٹھ سال میں تین گنے میں دس روپئے دیتی ہے، یعنی ۱۰/ہزار روپئے کے طے شدہ وقت پر مع نفع کے ۲۹/ہزار روپئے دیتی ہے۔

(۳) کمپنی دس سال میں چار گنے میں دس روپئے دیتی ہے، یعنی ۱۰/ہزار روپئے کے طے شدہ وقت پر مع نفع کے ۳۹/ہزار ۹۹۰/روپئے دیتی ہے۔

غور طلب :(۱)- کمپنی کے ۱۱-۲۰۱۰ء کے قدیم اُصول کسٹومر کے پانچ سال میں دوگنے سات میں تین گنے اور نو میں چار گنے تھے، کمپنی کے مارچ ۲۰۱۲ء سے جو جدید اُصول بنائے پانچ سال میں دوگنے دس روپئے کم آٹھ سال میں تین گنے دس روپئے کم اور دس سال میں چار گنے دس روپئے کم، یعنی قدیم اور جدید اُصول میں کمپنی نے ۱۰-۱۰/روپئے کا فرق رکھا ہے۔

غور طلب :(۲)- اگر کوئی آدمی اپنی جمع کی ہوئی رقوم یک مشت کو طے شدہ وقت سے قبل واپس لے لینا چاہتا ہے، تو کمپنی کسٹومر (حصہ دار) کی خود کی رقوم میں سے ۲۰/فیصد کاٹ کر واپس کر دیتی ہے، یہ طریقہ کمپنی نے اپنی فہرست میں نہیں تحریر کیا؟

کمپنی میں جو جو کاغذات و فارم وغیرہ روزمرہ پُر کئے جاتے ہیں، وہ حسبِ ذیل ہیں:

وہ فارم جو ہماری کمپنی نے دوسری کمپنی کی نقل کی ہے۔

اگر پیمنٹ کی نقل (پرلیس کمپنی پنجابی کی) P.A.C.L دہلی۔

بونڈ کی نقل PGF دہلی اور Kalpbut متھرا برانچ نجیب آباد۔

ایجنسی فارم Kalpbut متھرا برانچ نجیب آباد

رول بک Kelpbut متھرا نجیب آباد۔

DC کی نقل کی ہے PACL دہلی کمپنی کی

کمیشن چارٹ PACL +Kalpbut دہلی کی ہے۔

فارم کا نام:

(۱) ایگریمینٹ فارم جو پہلے رقوم جمع کرتے وقت بھرا جاتا ہے۔

(۲) بونڈ، جو کسٹومر کو رقوم جمع کرنے کا ثبوت ہوتا ہے۔

(۳) ایجنسی فارم جو آدمی کمپنی میں ایجنٹ بنے گا فارم بھرے گا۔

(۴) رول بک اس میں کمپنی کے جمع رقوم کے طور طریقے لکھے ہوتے ہیں۔

(۵) D.C یہ رقوم جمع کرنے کی رسید ہوتی ہے

(۶) کمیشن چارٹ یہ ایجنٹوں کو دیا جاتا ہے۔

غور طلب:- ہماری کمپنی کے ایم، ڈی محمد احسان حیدر بن ٹیلر ماسٹر محمد یوسف انصاری اور تینوں لڑکے پنجابی کی کمپنی جس کا نام ہے "پرلس اگرو ٹیک کار پوریشن لمٹیڈ آف انڈیا" (PEARLS PACL) ہے جس کا ہیڈ آفس دلی اور برانچ شہر بجنور میں ہے، ایم ڈی اور ان کے والد سب مل کر یہ پرلس کمپنی میں ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرتے تھے اور دوسری کمپنی Kalpbut ہے، متھرا کی اور برانچ نجیب آباد میں ہے، اِن دونوں کمپنیوں کا کام بھی (ڈبل اسٹیٹ) یعنی یونائیٹڈ دہرہ دون کمپنی جیسا ہے، زمین لینا و دینا اور کھیتی وغیرہ ہے، یہ سب مل کر اب بھی Pearls اور kalpbut میں اپنی سلپ جمع کرتے ہیں، جب کہ اُن سب نے مل کر اپنی خود کی کمپنی چلا رکھی ہے، اور دوسری کمپنیوں میں Renewal یعنی بقایا رقوم جمع کرتے ہیں، ایم ڈی احسان حیدر کا کہنا تھا کہ میں نے پوری پوری رات دوسری کمپنیوں کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے کہ کس طرح سے دوسری کمپنیوں کے ایم ڈی وغیرہ منزل مقصود (کامیاب) ہوئے ہیں، اور ایم ڈی نے کمپنی جاری کر کے دوسری کمپنیوں کی نقل کی ہے۔

نوٹ:

(۱) کمپنی کے چیرمین اَشوک کمار ہیں۔

(۲) کمپنی کے ایم ڈی محمد احسان حیدر انصاری ہیں۔

جو ہمارے مینیجنگ ڈائریکٹر ہیں، ایم ڈی محمد احسان حیدر ابن محمد یوسف انصاری، ٹیلر ماسٹر ابن مرحوم محمد اسماعیل صاحب موضع بڈگری ڈاکخانہ کرت پور تحصیل نجیب آباد ضلع بجنور کے رہنے

والے ہیں، اصل میں ہمارے ایم ڈی صاحب حیدر انصاری اُنہوں نے ہمسایہ کمپنی کھولی ہے اور اب تک یوپی میں چار یا پانچ برانچیں ہو چکی ہیں، ایم ڈی ایک مسلمان ہونے کے باوجود کھاتے کھلوانا و کھولنا لوگوں کی رقوم کو کمپنی میں ایف ڈی یعنی یک مشت اور آر ڈی قسط وار مہینہ، سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ جمع کروانا اور پانچ ر آٹھ، اور دس سال میں رقوم کو واپس دینا یہ کمپنی کا کاروبار وکام، ان کے لیے جائز ہے کہ نہیں؟ میں کمپنی میں جو ایجنٹ حضرات ہیں، وہ دوسروں کے کھاتے کھلواتے ہیں، اور لوگوں کی رقوم ایف ڈی وآر ڈی کی شکل میں جمع کرواتے ہیں، اور اپنے یعنی کمپنی کے عہدے کے حساب سے کمپنی سے کمیشن لیتے ہیں، کمپنی ایجنٹوں کو فیصد وعہدہ کے اعتبار سے کمیشن دیتی ہے، یہ ایجنٹوں کو کمپنی سے کمیشن لینا جائز ہے کہ نہیں؟

سوالات جن کے جوابات مطلوب ہیں:

(۱) اس کمپنی میں رقوم جمع کرنا وکرانا مسئلہ سے جائز ہے کہ ناجائز؟

(۲) ایم ڈی محمد احسان حیدر ابن محمد یوسف انصاری کے لئے کمپنی کے نام پر پبلک کا پیسہ لینا اور جمع کروانا (بدست ایجنٹوں کے) اور کمپنی چلانا یہ ایم ڈی کے لئے جائز ہے کہ نہیں؟

(۳) ایجنٹ حضرات اپنے کمیشن کے لیے پبلک کی رقوم جمع کراتے ہیں یہ کمیشن کا لینا ایجنٹوں کے لیے جائز ہے کہ نہیں؟

(۴) کسٹومر ایف ڈی (یکمشت) اور آر ڈی قسط وار رقوم جمع کراتا ہے، ۵/۸/۱۰ر سال میں دوگنے وغیرہ ہو جاتی تو کسٹومر (حصہ دار) وقت پر مع نفع کے لیتا ہے یہ منافع کسٹومر کے لئے جائز ہے کہ نہیں؟

(۵) ہمارے بی ایم (برانچ منیجر) کمپنی یونائیٹڈ کے محمد آفاق ہلدور بجنوری ایک مسلمان ہونے پر اُنہوں نے یونائیٹڈ کمپنی کے لئے اپنی اچھی نوکری مسلم فنڈ سے چھوڑ کر یونائیٹڈ کمپنی کے بی، ایم (برانچ منیجر) بننے کی خوشی اور تنخواہ مع اضافہ کے (مسلم فنڈ) کرت پور سے استعفیٰ دے کر اس کمپنی کے برانچ مینیجر بی ایم بنے اور ان کے لئے جائز ہے کہ نہیں؟

صورت بالا میں بندہ درخواست کرتا ہے کہ اس شکل میں کمپنی سے جڑے کسٹومر اور کمپنی کے ذمہ دار اور ایجنٹ وغیرہ سے رقوم جمع کرنا وکرانا درست ہے کہ نہیں؟

برائے مہربانی آپ حضرات مدلل اور واضح جواب سے تشفی فرمائیں، آپ کی نوازش ہوگی اور عند اللہ ماجور ہوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن کمپنیوں کے طریقۂ کار کی تفصیلات سوال میں لکھی گئی ہیں ان کو بغور پڑھا گیا، جس سے یہ اندازہ ہوا کہ یہ تمام کمپنیاں دراصل سودی نظام سے مربوط ہیں، جن پر زمین میں شراکت یا اس کی خریداری کا خوبصورت غلاف چڑھا دیا گیا ہے، خود آپ کی ذکر کردہ تفصیلات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کمپنی نے پہلے ہی سے مدتوں کے مقابلہ میں کم وبیش منافع متعین کر رکھا ہے، مثلاً پانچ سال میں ۸/ ہزار کا نفع اور کہیں پانچ سال میں دوگنا نفع، نیز اگر کوئی کمپنی کا ممبر درمیان ہی میں اپنی رقم واپس لیتا ہے، تو اُسے بقول کمپنی کے سادہ بیاج کے ساتھ رقم واپس دی جاتی ہے، علاوہ ازیں زمین کی خریداری اور اس میں شراکت کی بات بھی محض کاغذی معلوم ہوتی ہے، اور اگر اسے شراکت کسی درجہ میں مان بھی لیا جائے، تو اس میں متعین نفع مقرر کرنا کسی طور پر درست نہیں؛ کیوں کہ زمین کی پیداوار کی آمدنی کم وبیش ہوسکتی ہے، نیز اس کمپنی کے ضوابط میں انشورنس اور حادثہ کا معاوضہ بھی دینے کا قانون ہے جو بجائے خود ناجائز ہے، اس لئے:

(۱-۲) ایسی کمپنی میں شریک ہونا اور اس میں رقم جمع کرانا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے۔

(۳) ایسی کمپنی کا ایجنٹ بننا جائز نہیں ہے لیکن ایجنٹ حضرات اپنے عمل کی اجرتِ مثل لینے کے مجاز ہیں۔

(۴) کمپنی کا منافع لینا کسی کے لئے جائز نہیں۔

(۵) ایسی سودی کمپنی کی ملازمت بھی مکروہ ہے، جلد از جلد مذکورہ شخص کو کوئی دوسری حلال آمدنی کا راستہ ڈھونڈ لینا چاہئے:

عن جابر بن عبد اللّٰہ رضي اللّٰہ عنہ قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم آکل الربوا ومؤکلہ وکاتبہ وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم ۷۲/۲ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي ۲۲۹/۱ رقم: ۱۲۰۶، مشكاة المصابيح، البيوع / باب الربا ۲٤٤، مرقاة المفاتيح ٤۳/٦ رقم: ۲۸۰۷ دار الكتب العلمية بيروت)

عن أبي هريرة رضي اللّٰہ عنہ قال: نهى رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن بيع الحصاة، وعن بيع الغرر. (صحيح مسلم، كتاب البيوع / باب إبطال بيع الملامسة والمنابذة ۲/۲ رقم: ۱۵۱۳، إعلاء السنن ۱۱٦/۱٤ كراچی)

الربا يقتضي أخذ مال الإنسان من غير عوض ...... ومال المسلم متعلق حاجته، وله حرمة عظيمة ...... وأخذ الدرهم الزائد متيقن. (الموسوعة الفقهية ۵٤/۲۲)

قال القرطبي: من أخذ مال غيره لا على وجه إذن الشرع فقد أكله بالباطل. (الجامع لأحكام القرآن ۳۳۸/۲ بيروت)

وأما ربا النسيئة فهو الأمر الذي كان مشهورًا متعارفًا في الجاهلية، وذٰلک أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذوا كل شهر قدرًا متعينًا ويكون رأس المال باقيًا. (تفسير كبير ج: ٤ جزء: ۷ ص: ۹۳ دار الفكر بيروت)

الأجرة إنما تكون في مقابلة العمل. (شامي، كتاب النكاح / باب المهر، مطلب أنفق على معتدة الغير ۳۰۷/٤ زكريا)

ولا يجوز أن يبيع ثمرة ويستثني منها أرطالاً معلومةً؛ لأن الباقي بعد الاستثناء مجهول. (الهداية) لأن الباقي بعد إخراج المستثنى غير مشار إليه معلوم الكيل المخصوص فكان مجهولا. (فتح القدير، كتاب البيوع / فصل ومن باع دارًا دخل بنائها في البيع الخ ۲۹۵/٦ دار الفكر بيروت)

قال الخطابي: سوّى رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بين آكل الربا

ومؤكله؛ إذ لا يتوصل إلى أكله إلا بمعاونته ومشاركته إياه، فهما شريكان في الإثم، كما كانا شريكين في الفعل...... قال النووي: فيه تصريح بتحريم كتابة المترابيين والشهادة عليهما وبتحريم الإعانة على الباطل. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب البيوع / باب الربا، الفصل الأول ٤٣/٦ تحت رقم: ٢٨٠٧ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۶/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پنکھے فروخت کرنے والی اسکیم کی شکلیں اور حکم

سوال (۲۲۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک کمیٹی نے پنکھے فروخت کرنے کی اسکیم چلائی ہے، جس میں ہر ممبر کو چوبیس ہفتوں تک پچیس روپئے فی ہفتہ جمع کرنا ہوں گے، جس کے حساب سے چھ سو روپئے بنتے ہیں کمیٹی ہر ممبر کو ایک پنکھا ضرور دے گی، درمیان مدت میں انعامی سلسلہ بھی چلتا رہے گا، جس شخص کے نام انعام نکل آئے گا، اس کو اُسی وقت ایک پنکھا اور انعام دے کر اُس کو رخصت کردیا جائے گا، انعام یافتہ بقیہ قسطیں جمع نہیں کرے گا۔ اس اسکیم کی دفعات مندرجہ ذیل ہوں گی، ان کی روشنی میں آپ جواب عنایت فرمائیں:

(۱) اس اسکیم میں چار ہزار پنکھے بیچے جائیں گے پہلے ممبر کا کارڈ نمبر ۱۰۰۱ ہوگا اور آخری ممبر کا نمبر ۵۰۰۰ ہوگا۔

(۲) انعام ہر ہفتہ نکال دیا جائے گا، ہر ممبر کو ہر ہفتہ سنیچر تک ممبری فیس ۲۵/ روپئے جمع کرنی ہوگی۔

(۳) انعام دئے جانے سے ایک دن پہلے تک جمع نہ کرنے پر ممبر کو انعام نہیں دیا جائے گا۔

(۴) لگاتار دو ہفتہ تک ممبری فیس جمع نہ کرنے پر بغیر کسی اطلاع کے ممبری ختم کردی جائے گی، اور ایسے ممبر کا کارڈ دوسرے ممبر کو دے دیا جائے گا۔

(۵) کارڈ گم ہوجانے یا پھٹ جانے یا کسی دوسرے ممبر کا نام تبدیل کرانے پر دس روپئے لے کر کارڈ بنایا جائے گا۔

(۶) انعام پانے والے کو بقیہ قسطیں جمع نہیں کرنی ہوں گی اس کی ممبری وہیں ختم ہوجائے گی۔

(۷) پہلا انعام ۹ر دسمبر کو نکالا جائے گا، انعام حاصل کرنے والوں کو اپنا کارڈ جمع کرنا ہوگا۔

(۸) انعام حاصل کرنے والوں کو پنکھا اور انعام دے کر ممبری ختم کردی جائے گی۔

اس اسکیم کا پوراخاکہ استفتاء کے ساتھ ہم رشتہ ہے، جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں مذکورہ صورتِ معاملہ جوا اور قمار کی مہذب شکل ہے اور بالکل حرام ہے، علاوہ ازیں اس میں ثمن بھی مجہول ہے اور مبیع بھی مجہول ہے، نیز یہ صورت کسی بھی معاملہ شرعی شرکت، ہبہ، سلم وغیرہ میں داخل نہیں کی جاسکتی؛ لہٰذا شرعاً اس طرح کی اسکیم میں شرکت ہرگز جائز نہیں ہے، اور اس کے نتیجہ میں حاصل شدہ مال استعمال کرنا حرام ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا الرِّبَا اَضْعَافًا مُضَاعَفَةً﴾ [آل عمران، جزء آیت: ۱۳۰]

وقال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [المائدة: ۹۰]

وكل جهالة هٰذه صفتها تمنع الجواز. (الهداية ۳/۴، فتاویٰ رحیمیه ۱۴۲/۶، مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱۶۲/۴، كفاية المفتی ۱۲۲/۸، فتاویٰ محمودیه ۲۰۵/۱۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۱/۲/۱۸ھ

شیئرز کے مسائل

شیئرز میں لگے ہوئے روپیوں پرزکوٰۃ کا حکم؟

سوال (۲۲۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: وہ روپئے جو شیئرز میں لگے ہوتے ہیں، اُن پر زکوٰۃ فرض ہوگی یا نہیں؟ اور اگر ہوگی تو اُس کا طریقۂ کار کیا ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شیئرز میں لگے ہوئے روپیوں پرزکوٰۃ فرض ہے، اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت شیئرز کی جتنی قیمت ہوگی اتنی رقم کا حساب لگایا جائے گا۔ (ایضاح النوادر ۲/۴۴، فتاویٰ رحیمیہ ۲/۱۴۷، امداد الفتاویٰ ۲/۲۱-۲۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۹/۱/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شیئرز سے متعلق ایک تفصیلی استفتاء اور اُس کا جواب؟

سوال (۲۲۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بازار حصص (شیئر مارکیٹ) کے بارے میں علماء کا موقف کیا ہے؟ کچھ تفصیلات ذیل میں پیش کی جارہی ہیں:

شیئر مارکیٹ کیا ہے؟

شیئر مارکیٹ وہ جگہ ہے جہاں اس مارکیٹ میں اندراج شدہ کمپنیوں کے حصص کی خرید وفروخت ہوتی ہے۔

کمپنی کیا ہے؟

کمپنی کے لغوی معنی ''شرکت'' کے ہیں، جب ہم ''فلاں اینڈ کمپنی'' بولتے ہیں تو اس سے یہی لغوی معنی مراد ہوتے ہیں، جس کو عربی میں ''فلان و شر کاء ہ''، لیکن معاشی اصطلاح میں اس کا وسیع مفہوم ہے۔ یہ کمپنی ''شخص قانونی'' (Juristicperson) ہوتا ہے، جو بیع وشراء، دائن ومدیون اور مدعی اور مدعی علیہ وغیرہ بنتا ہے؛ لیکن چوں کہ یہ حقیقی شخص نہیں ہے؛ اس لئے اس قانون شخصی کی نمائندگی کے لئے حصہ داروں میں سے ہی چند افراد پر مشتمل ایک مجلس بنائی جاتی ہے، جو کاروبار کرتی ہے۔ اس کو بورڈ آف ڈائریکٹرس (Board of Dirctors) کہتے ہیں۔

کمپنی کی اجازت وزارت خزانہ کے ذیلی ادارہ ''کارپوریٹ لا اتھارٹی'' (Corporate Law Authiority) سے لینی پڑتی ہے، اس کے بعد یہ شخص قانونی بن جاتا ہے، حکومت کمپنی کے سرمائے کی بھی تحدید کرتی ہے، کہ اتنے سرمائے کے حصے جاری کئے جاسکتے ہیں یا اتنے سرمائے میں لوگوں کو شرکت کی دعوت دی جاسکتی ہے، اس کو ''منظور شدہ سرمایہ'' (Athorised Capital) کہا جاتا ہے۔ اس میں سے سرمائے کی کچھ مقدار مقرر کی جاتی ہے، جو کمپنی جاری کرنے والوں کی طرف سے شامل کیا جائے گا اس کو (Sponser capital) کہتے ہیں۔

جب لوگ کمپنی کے حصے لے کر سرمایہ دے دیتے ہیں تو حصہ دار کو کمپنی ایک سرٹیفکیٹ جاری کرتی ہے، جو اس بات کی سند ہوتی ہے کہ اس شخص کا کمپنی میں اتنا حصہ ہے، اس سرٹیفکیٹ کو اردو میں ''حصہ'' عربی میں ''سہم'' اور انگریزی میں Share کہتے ہیں۔

شیئرز کے خرید وفروخت کی ضرورت:

کمپنی کے وجود میں آجانے کے بعد ختم ہونے کی دو ہی صورتیں ہیں: یا تو عمومی اجلاس میں اس کے تحلیل ہونے کا فیصلہ کیا جائے، یا کمپنی دیوالیہ ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ کمپنی کے شیئرز ہولڈر کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ جب چاہے اپنی رقم واپس لے کر شرکت ختم کر سکے؛ چوں کہ بہت سے

شرکاء کسی ضرورت سے یا پھر یونہی اپنی حصے کو نقد میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں، اس لئے یہ ضروری تھا کہ وہ لوگ بوقت ضرورت اپنے شیئرز کو نقد میں تبدیل کرسکیں؛ اس لئے بازار حصص قائم کیا گیا، جہاں یہ لوگ آسانی سے اپنے شیئرز کو نقد میں تبدیل کرسکتے ہیں، شیئرز کی یہ خرید وفروخت شیئر مارکیٹ کے اسٹاک ایکس چینج میں ہوتی ہے۔

اسٹاک ایکس چینج کیا ہے؟

اسٹاک ایکس چینج ایک پرائیویٹ ادارہ ہوتا ہے، جو حکومت کی اجازت وسرپرستی کے ساتھ کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت کا کام کرتا ہے۔ جن کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت اسٹاک ایکس چینج میں ہوتی ہے ان کو (Companies Listed) ''اندراج شدہ کمپنیاں'' کہا جاتا ہے۔ اسٹاک ایکس چینج انہی کمپنیوں کے شیئرز کا کاروبار کرتا ہے جو قابل اعتماد ہوں۔

شیئرز کی خرید وفروخت کے لئے معیار کی ضرورت:

شیئر مارکیٹ میں اندارج شدہ کمپنیوں میں ہر طرح کی کمپنیاں ہوتی ہے، ان میں جائز وناجائز کاروبار کرنے والی دونوں طرح کی کمپنیاں ہوتی ہے۔ مزید برآں جو کمپنیاں حلال کاروبار کرتی ہیں وہ بھی اپنے بعض معاملات جیسے سودی قرض، واجب الوصول دیون پر سود کا لینا وغیرہ، میں سود میں ملوث ہوجاتی ہیں۔ دوسری طرف مسلمانوں میں واقفیت کی کمی کی وجہ سے سرمایہ کاری کی جگہوں میں حلال وحرام عناصر کی کوئی قید نہیں تھی، غیر مسلم ممالک کے علاوہ مسلم ممالک میں بھی شیئر مارکیٹ کی ایک ایسی ہوا چلی کہ مسلمانوں کا ایک جم غفیر اس جانب راغب ہوا، اور وہ بلا کسی حدود وقیود کے اس میں شامل ہونے لگا؛ اس لئے ضرورت پیدا ہوئی کہ کچھ ایسے اصول اور معیار ہوں، جو ان میں توازن پیدا کرسکیں، چوں کہ اس طرح کے حالات پوری دنیا میں پیدا ہوئے؛ اس لئے وہاں کے علماء اور دانشوروں نے اپنے اپنے حالات کے اعتبار سے اصول وضوابط مرتب کئے۔

شیئر مارکیٹ کا معیار:

حقیقت میں یہ شیئرز مارکیٹ کا معیار نہیں ہے؛ بلکہ یہ معیار شیئرز مارکیٹ میں اندراج شدہ

کمپنیوں کے تعلق سے ہے کہ کن کمپنیوں کی سرمایہ کاری کی جائے گی، اور اس کے لئے کیا معیار اور شرائط ہوں گی۔ اسی طرح جو کمپنیاں اپنے بعض معاملات جو کہ جزوی ہوتے ہیں، سود میں ملوث ہوجاتی ہیں۔ چنانچہ شیئر مارکیٹ کے معیاروں کے بنانے میں علماء، اسکالرس، بورڈس کا اختلاف ہوا، یہ اختلاف ہونا فطری تھا؛ اس لئے کہ ہر جگہ کے اپنے مخصوص حالات تھے، ذیل میں اس اختلاف اور وجہ اختلاف کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے؛ تاکہ بات کھل کر سامنے آ جائے۔

چناں چہ ماہر اسلامی بینک اور روز نامہ ''الشرق الاوسط'' کے کالم نگار جناب ''لاحم ناصر'' کے بقول:

(۱) ''شیئر مارکیٹ کے معیاروں کے تعلق سے علماء میں اختلاف ہے۔ کچھ حضرات نے اگر کمپنی کا کاروبار حلال ہے، تو اس میں سرمایہ کاری کو مطلق جائز کہا ہے۔ دوسری طرف کچھ لوگوں نے اس کے لئے کچھ شرائط وضوابط رکھے ہیں کہ کمپنی جب اِن معیاروں پر پورا اترتی ہو، تو اُن میں تجارت جائز ہے، اور اگر ایک بھی شرط مفقود ہو تو ان میں شرکت جائز نہیں۔ اس دوسرے گروہ نے اپنے قول کی بنیاد عموم بلویٰ، اور رفعِ حرج کو قرار دیا ہے، اور حاجتِ عامہ کو ضرورت کے درجہ میں اُتار کر ان ضوابط کو مرتب کیا ہے؛ لہٰذا ان لوگوں میں بھی اختلاف ہوا؛ اس لئے کہ حاجت اور حرج کی مقدار اور اس سے منسلک لوگوں کو سہولت فراہم کرنے کی تعیین میں اختلاف تھا، اجمالاً یہ معیار مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) کمپنی کا اصل کاروبار حلال ہو۔ بعض شریعہ بورڈوں نے ان کمپنیوں کے شیئرز میں بھی کاروبار سے روکا ہے، جو کمپنیاں آلاتِ حرب وضرب بناتی ہیں۔

(۲) کمپنی کا سودی قرض خواہ طویل مدتی ہو یا قصیر مدتی اس کے اوسط بازار کی قیمت یا اس کے سرمائے کے مقابلے میں (علی وجہ الاختلافین) ۳۳ر فیصد سے زائد نہ ہو۔

(۳) کمپنی کی حرام سرمایہ کاری ۳۳ر فیصد سے زائد نہ ہو اس کی بازار کی قیمت یا سرمایہ کے مقابلے میں (علی وجہ الاختلافین)۔ الراجحی بورڈ نے اس معیار کو حذف کر دیا اور علت یہ بیان کی گئی کہ ان ضوابط کی بنیاد اجتہاد ہے جس میں ضرورت کے اعتبار سے نظر ثانی کی گنجائش ہے۔

(۴) کمپنی کا واجب الوصول دین اور نقود ۳۳ ٪ فیصد سے زائد نہ ہو۔(علی وجہ الاختلافین)

(۵) کمپنی کی حرام آمدنی کل آمدنی کے مقابلے میں ۵ ٪ فیصد سے زائد نہ ہو، اس معیار میں بھی بورڈس کا اختلاف ہے؛ لیکن ان تمام لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شیئرز ہولڈر کا تمام حرام آمدنی سے خلاصی حاصل کرنا واجب ہے۔

چیف شریعہ آفیسر اور ممبر آف شریعہ کیپیٹل اور ڈاؤ جنوز یونیورسٹی کے پرنسپل آف اسلامک انویسٹمنٹ کورس کے ہیڈ پروفیسر "یوسف طلال" ڈیلوریزوے نے اس معیار کو حدیث سے ثابت کیا ہے۔ چناں چہ انھوں نے ایک سوال کے جواب میں اس کی وضاحت کی ہے۔

سوال:- کمپنی کے بنیادی کاروبار کے علاوہ مزید تین شرط اور ہیں، جو اس کمپنی کو شریعہ کمپلائنٹ بناتی ہیں۔ وہ شرطیں یہ ہیں:

(۱) کمپنی کا پورا قرض اس کے پورے سرمائے کے مقابلہ میں ۳۳ ٪ فیصد سے زائد نہ ہو۔

(۲) اس کا واجب الوصول دین Receiveable اس کے پورے سرمایہ کے مقابلے میں ۴۵ ٪ فیصد سے زائد نہ ہو۔

(۳) اس کی سود کی آمدنی اس کے نفع سے ۵ ٪ فیصد سے زائد نہ ہو۔

سوال یہ ہے کہ کیا آپ کو ۳۳ ٪ اور ۴۵ ٪ کی مقدار بہت زیادہ نہیں لگتی ہے؟ آپ مطمئن ہیں کہ یہ مقدار صحیح ہیں۔

جواب:- ہمارے اسکالرس کی طرف سے کی جانے والی یہ اسکریننگ وقتی ہے اور ایک بنیادی قدم کے طور پر اختیار کیا گیا ہے؛ تا کہ اس کے ذریعہ سودی ایشوز پر قابو پایا جا سکے۔

دوسرا یہ کہ یہ معیار صرف ان کمپنیوں کے لئے ہیں جو غیر مسلموں کی ہیں۔

تیسرا یہ کہ ان کمپنیوں کے لئے یہ معیار حتمی نہیں ہے۔

چوتھا یہ کہ جتنی حرام آمدنی ہے ان کو خارج کر دیا جائے۔

رہا آپ کا یہ سوال کہ "کیا یہ مقدار بہت زیادہ نہیں ہے" اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے یہ

معیار حتمی نہیں ہے۔ یہ تو صرف اس لئے ہے کہ یہ معیار ہمارے فقہ کے فاضل اسکالرس کے ریسرچ، اجتہاد اور کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ اور جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ جب قرآن اور حدیث میں بلا واسطہ موضوع کے متعلق کوئی حکم نہ ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنی رائے کا استعمال کیجئے۔ اور اس اجتہاد کے لئے قدیم فقہاء نے بہت شرائط رکھی ہیں جن سے آراستہ ہونا ایک مجتہد کے لئے ضروری ہے۔ اسی کے پیشِ نظر ہمارے معاصر فقہاء نے اس سلسلے میں اجتہاد کیا اور ا یکویٹیز کے شریعہ کمپلائنس کی اسکریننگ کے ہدایات مرتب کئے اور وہ حضرات ایک نتیجے پر پہنچے۔

اس مسئلے کی مزید وضاحت یہ ہے کہ موجودہ کمپنیوں میں سے تمام کمپنیاں کسی نہ کسی درجے میں سود میں ملوث ہوتی ہیں۔ اور یہ چیز پہلے بتائی جاچکی ہے کہ اس طرح کا سود کسی مسلم کمپنی میں برداشت نہیں کیا جائے گا، اور سود کی آمدنی کو نکالنا (Cleansing) ہوگا؛ لہذا سود کی مقدار کی تحدید کے لئے ایک معیار کی ضرورت ہوئی جو اسلامی نقطۂ نظر سے صحیح ہو۔

چناں چہ ایک فقہی اصول ہے کہ ناپاکی کی ایک معمولی مقدار پورے کپڑے کو ناپاک یا پورے کنویں کے ناپاکی کا سبب نہیں بنتا ہے، یہ قاعدہ بہت سے معاملات میں جاری ہوتا ہے، جب کسی بیع (معاملہ) کی بنیادی چیزیں شرعی اعتبار سے صحیح ہوں تو ہلکی سی ناپاکی (Imputir) اس معاملہ کو ختم نہیں کرتی ہے؛ لیکن ایک پیمانہ ضروری ہے جس سے اس ناپاک اور غلط عنصر کا موازنہ کیا جاسکے؛ لہٰذا ایک حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کے ایک ثلث کو ''کثیر'' مانا ہے، اگر چہ یہ حدیث ایک خاص موقع پر وارد ہوئی ہے اور اس موقع سے متعلق نہیں ہے؛ لیکن ہمارے معاصر علماء نے اس اس سے یہ مسئلہ نکالا کہ اگر کمپنی کا سودی قرض اس کے پورے سرمایہ کے مقابلے میں ایک ثلث سے کم ہے، تو اس کو خفیف (ناقابل توجہ) سمجھا جائے گا۔ یہ ہے اس ۳۳ رفیصد کی بنیاد جس کا استعمال اسلامی فنڈ کو اسکرین کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔

اسکریننگ کا دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ کمپنی کی مبنی بر سود، نان آپریٹنگ آمدنی (Income) اس کے منافع (Revenues) سے پانچ فیصد کم ہو، یہاں یہ سمجھنا چاہئے کہ جس آمدنی کی ہم

یہاں بات کرر ہے ہیں وہ انکم ہے جو Incidental ہو، یعنی وہ آمدنی جو کمپنی کے بنیادی کاروبار کے علاوہ ہوتی ہے، جیسے ایک کمپنی اپنے ادھار بیچے ہوئے سامان کا پیسہ وصول کرتی ہے، تو یہ ضروری نہیں ہے کہ پورا پیسہ خرچ ہو جائے؛ بلکہ یہ پیسہ تھوڑا تھوڑا جمع ہوتا رہتا ہے۔ اور یہ رقم کبھی بینک میں رکھی جاتی ہے، اور کبھی ان پیسوں کو قصیر مدتی سودی آلات جیسے سی ڈی (کمرشیل ڈپازٹ) میں سرمایہ کاری کر دی جاتی ہے، جس سے کمپنی سود کماتی ہے، سودی آمدنی سے مراد یہی آمدنی ہے؛ لہٰذا یہ آمدنی اگر ۵ رفیصد سے کم ہے تو اس کو نا قابل توجہ سمجھا جائے گا؛ لیکن اس کو الگ کرنا ضروری ہوگا۔

جہاں تک واجب الوصول دین کے اسکریننگ کی بات ہے، تو شریعت نے ان کمپنیوں کے شیئرز میں سرمایہ کاری کی اجازت دی ہے، جن کا بنیادی کاروبار حلال ہے جب کہ اس کا واجب الوصول دین اس پورے سرمائے کے مقابلے میں ۴۵ رفیصد سے زائد نہ ہو۔

''یوسف طلال'' نے ثلث کے کثیر ہونے کے تعلق سے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ بخاری شریف میں ''کتاب الوصایا'' کے ''باب أن یترک ورثته أغنیاء خیر من أن یتکففوا الناس'' کے تحت مذکور ہے۔ حدیث کے راوی حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو تشریف لائے اور میں اس وقت مکہ میں تھا، اور حضور کو یہ ناپسند تھا کہ میری موت اس جگہ پر ہو جہاں سے میں ہجرت کر چکا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اللہ ابن عفراء پر رحم فرمائے) میں نے کہا یا رسول اللہ! کیا میں اپنے پورے مال کی وصیت کر دوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، میں نے کہا: کیا آدھا کر دوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، میں نے کہا کیا ایک تہائی کر دوں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں ایک تہائی، اور ایک تہائی زیادہ ہے۔ اور کہا کہ تم اپنے وارثوں کو مال دار چھوڑو، یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو محتاج چھوڑو کہ وہ لوگوں سے مانگتے پھریں۔ (بخاری شریف، جلد ثانی، حدیث نمبر: ۲۵۹۱)

الراجحی بنکنگ اینڈ انویسٹمینٹ کارپوریشن کی شریعہ کمیٹی نے اپنی ۴۷ رویں میٹنگ میں بتاریخ ۲۳ / ۸ / ۱۴۲۲ھ کے فیصلے میں مذکورہ معیار متعین کئے ہیں۔

(۱) ایسی کمپنیاں جن کے مقاصد اور سرگرمیاں مباح ہوں، ان کمپنیوں میں سرمایہ کاری کرنا اوران کی خرید وفروخت، بیع کی شرائط اوران کے احکام کی رعایت کے ساتھ جائز ہے۔

(۲) ایسی کمپنیاں جن کی سرگرمی اور مقاصد حرام ہیں، جیسے شراب، تمباکو، سور کا گوشت، جوئے کی کمپنی، سودی بنک وغیرہ۔

(۳) وہ کمپنیاں جن کی سرگرمیاں اور مقاصد حلال ہیں؛ لیکن کبھی اپنے بعض معاملات میں کبھی سودی قرض لے کر یا پھر اپنا سرمایہ سود پر رکھ کر سود میں ملوث ہوجاتی ہیں۔

اس کی طرح کمپنیوں میں سرمایہ کاری اور تجارت کے لئے بورڈ نے کچھ ضابطے متعین کئے تھے۔ جس کی وضاحت بورڈ نے اپنے 7/10/1414,2/4/1411 اور 6/4/1419 کے فیصلوں میں کی ہے، اس کے جواز کی بنیاد عموم بلوی، رفع حرج اور حاجت عامہ ہے، بورڈ نے مناقشہ اور غور فکر کے بعد اس تیسری قسم کی کمپنیوں کے سلسلے میں جو تجویزیں پاس کی ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

اول:- اس قسم کی کمپنیوں میں سرمایہ کاری اوران کی شیئرز کی خرید وفروخت میں مندرجہ ذیل ضوابط کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

(۱) اس قسم کی کمپنیوں کے شیئرز میں معاملات کرنا حاجت کے ساتھ مقید ہے؛ لہذا جب ایسی کمپنیاں وجود میں آجائیں جو سود سے احتراز کرتی ہوں، تو اب ضرورت پوری ہوگئ؛ لہٰذا اُنہیں کمپنیوں پر اکتفاء کرنا لازم ہوگا۔

(۲) کمپنی کا سودی قرض خواہ وہ طویل مدتی ہو یا قصیر مدتی اس کے پورے سرمائے کے مقابلے میں ۲۵ ر فیصد سے زائد نہ ہو، اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ سودی قرض حرام ہے، چاہے اس کی مقدار تھوڑی ہو یا زیادہ، سود کی یہ شرح اس سے کم ہے جو کہ اس سے پہلے فیصلے میں تھا اور وہ مقدار ایک تہائی تھی۔

(۳) حرام عنصر سے حاصل شدہ آمدنی کمپنی کی پوری آمدنی کے مقابلے میں ۵ ر فیصد سے زائد نہ ہو، خواہ یہ آمدنی سودی سرمایہ کاری سے آئی ہو یا کسی حرام سرگرمی کا نتیجہ ہو، یا پھر کسی حرام چیز

کی ملکیت کی وجہ سے حاصل ہوئی ہو۔ اور اگر کمپنی کی کچھ آمدنی کے بارے میں بات واضح نہ ہوتو اس کے جاننے کی کوشش بعد غور وفکر سے کام لے اور اس سلسلے میں جانب احتیاط کوملحوظ رکھے۔

(۴) کمپنی کا پورا حرام عنصر، خواہ وہ سرمایہ کاری ہو یا حرام ملکیت ہو کمپنی کے پورے سرمایہ کے مقابلے میں ۱۵ ارفیصد سے زائد نہ ہو۔

نوٹ :- بورڈ یہ واضح کرتی ہے کہ جو فیصلے جوسود کا تناسب اور معیار متعین کئے گئے ہیں، وہ اجتہاد پر مبنی ہیں، جس میں مقتضائے حال کے اعتبار سے نظر ثانی ممکن ہے۔

دوم:- جب کمپنی کے احوال بدل جائیں اس طور پر کہ مذکورہ ضوابط ان پر منطبق نہ ہوتے ہوں تو حتی الامکان جلد از جلد اس کے شیئرز کو بیچ کر اُس سے خلاصی حاصل کرے، مطلب یہ ہے کہ جس دن سے کمپنی بدلی ہے (نان شریعہ کمپلائنٹ ہوئی ہے) اس دن سے لے کر اس سے نکلنے کی مدت ۹۰ ردن سے زائد نہ ہو۔

سوم :- کمپنی میں سرمایہ کاری اور اس کی تجارت میں شریک ہونے کے سلسلے میں، کمپنی کی سرگرمیوں اور اس کے مقررہ شرحوں کے جاننے کے لئے سب سے اچھی چیز اس کا فائننشنل اسٹیٹمینٹ ہے، خواہ وہ سالانہ ہو، سہ ماہی ہو یا پھر ماہانہ ہو، اسی طرح وہ جانچا ہوا (Audited) یا پھر غیر منقح (Unaudited) ہو۔

مذکورہ تفصیل عالمی معیاروں کے تعلق سے ہے۔ دوسری طرف مولانا تقی عثمانی اور دار العلوم دیو بند نے بھی شیئرز کی خرید وفروخت اور شیئر مارکیٹ کی کمپنیوں میں سرمایہ کاری کے لئے مندرجہ ذیل شرائط رکھیں ہیں:

(۱) شیئرز کی کمی وبیشی پر خرید وفروخت کے جواز کی ایک شرط یہ ہے کہ کمپنی کے اثاثے صرف نقد اور دیون کی شکل میں نہ ہوں، یعنی اس نقود کے ساتھ ساتھ اس کے پاس جامد اثاثہ بھی ہو جیسے بلڈنگ، مشینری وغیرہ موجود ہو ورنہ شیئرز کی خرید وفروخت قیمت اسمیہ (Face Value) سے کم وبیش پر جائز نہیں؛ اس لئے کہ شیئرز اپنی ذات میں کوئی چیز نہیں؛ بلکہ اس کی پشت پر جو املاک

اوراثاثے ہیں وہ دراصل کمپنی کے اثاثوں میں سے متناسب ملکیت کی خرید وفروخت ہے۔

(۲) کمپنی حلال کاروبار کرتی ہو۔

(۳) (اگر کمپنی نے سود پر پیسہ لے رکھا ہے تو کمپنی کی سالانہ میٹنگ میں)سود کے خلاف آواز اٹھائے)۔

(۴) کمپنی کی آمدنی میں سود شامل ہو تو نفع کی اتنی مقدار صدقہ کردے (یعنی اس صورت میں جب اس نے اپنا پیسہ سود دے رکھا ہو)۔

مذکورہ معیاروں کا جائزہ:

مذکورہ معیاروں میں کمپنیوں کے سودی قرض وغیرہ کے تناسب متعین کرنے کے سلسلہ میں عام طور سے ''عموم بلویٰ'' کی بات کہی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شیئرز مارکیٹ سے، مسلمان کی ایک بہت بڑی تعداد کے منسلک ہونے کی وجہ سے ابتلاء عام پیدا ہو گیا ہے۔ اور کسی چیز میں مسلمانوں کا ابتلاء عام ''تخفیف'' کا تقاضہ کرتا ہے، سوال یہ ہے کہ کیا یہ اس ''ابتلاء عام'' کے درجہ میں آتا ہے جو تخفیف کا متقاضی ہوتا ہے۔ میرے خیال میں اس کو ''ابتلاء عام'' نہیں کہا جاسکتا؛ اس لئے کہ اس تعداد پر ''عموم بلویٰ'' کی تعریف صادق نہیں آتی ، ذیل میں عموم بلویٰ کی تفصیل موجود ہے۔

عمومِ بلویٰ:

عمومِ بلویٰ حاجت شرعیہ کا قریب المعنی لفظ ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی امر کا اس طور پر عام ہو جانا کہ اس سے خلاصی اور بچاؤ ناممکن ہو، اور انسان اس میں مبتلا ہونے کے لئے درجہ اضطرار تک پہنچ چکا ہو۔ ''دکتور وہبہ زحیلی'' عمومِ بلویٰ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عموم البلویٰ: شیوع البلاء بحیث یصعب علی المرء التخلص أو الابتعاد عنه، وهذا السبب من أساب التخفيف مظهر واضح من مظاهر التسامح واليسر في الأحكام الشرعية، وخصوصًا في العبادات والطهارة من النجاسات، وله أمثلة كثيرة، منها: وبول ترش على الثوب قدر رؤس الإبر ...... النار عند الحنفية مطهرة

لما يلقى فيها من النجاسات كالروث والعذرة، فيعد رمادها طاهرًا تيسيرًا على الناس، وإلا حكم بنجاسة الخبز في الآرياف إذا خبز بوقود نجس، وكذلك يعتبر البعر طاهرا إذا وقع في المحلب، فرمي منه في الحال قبل التفتت ولم يتغير اللبن به.

واضح رہے کہ عموم بلویٰ کے متحقق ومعتبر ہونے کے لئے کچھ شرائط ہیں۔عموم بلویٰ کا فیصلہ کرتے ہوئے ان شرائط کا لحاظ ضروری ہے:

(۱) حاجتِ شرعیہ وعموم بلویٰ کے تحت جس حرام میں ابتلاء اور وقوع ہورہا ہے ہوحرام لغیرہ ہو،حرام لعینہ نہ ہو۔

(۲) اصل حکم کو ثابت کرنے والی نص،قطعی اور غیر محتمل نہ ہو۔

(۳) مقصد تک رسائی کے لئے دوسرا جائز راستہ موجود نہ ہو یا موجود تو ہو مگر مشقت شدیدہ کا باعث ہو۔

(۴) کسی مفسدہ کو دور کرنے کے لئے اس سے بڑا مفسدہ لازم نہ آتا ہو۔

(۵) مقتضائے حال پر عمل شارع کے مقصد کے خلاف نہ ہو۔مثلاً اجارہ کی مشروعیت لوگوں کی حاجت کی بناء پر ہے؛ لہٰذا ایسی چیزوں کا اجارہ درست نہیں جس سے شریعت نے منع کیا ہو۔

أن لا يخالف المضطر مبادئ الشريعة الإسلامية الأساسية التي ذكرتها من حفظ حقوق الآخرين. وتحقيق العدل وأداء الأمانات ودفع الضرر، والحفاظ على مبدأ التدين وأصول العقيدة الإسلامية.

عمومِ بلویٰ کی مذکورہ تفصیلات سے یہ بات واضح ہے کہ مذکورہ معیاروں کی بناء عموم بلویٰ پر رکھنا صحیح نہیں ہے،اسی طرح اس کی بنیاد قلت وکثرت پر رکھنا،جیسا کہ ''یوسف طلال صاحب'' نے کہا،صحیح معلوم نہیں ہوتا؛اس لئے کہ قلت وکثرت کی بنیاد الگ الگ مسائل میں مختلف ہوتی ہے، میرے خیال میں اگر اس کی بنیاد،خاص طور پر ہندوستانی پس منظر میں ایک فقہی قاعدہ پر رکھی جائے تو بہتر ہوگا،وہ فقہی قاعدہ یہ ہے:

إذا تعارضت مفسدتان روعي أعظمها ضررًا بارتكاب أخفهما. (الأشباہ والنظائر)

اِس قاعدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جب دو مفسدہ جمع ہوجائیں اوران کے علاوہ تیسرا راستہ نہ ہو، تو اُن دونوں میں جو کم درجہ کا مفسدہ ہو، وہ اختیار کیا جائے گا، مثلاً ایک شخص ایسا ہے جس کے سر پر زخم ہے، اگر وہ سجدہ کرے گا تو اس کا زخم بہہ پڑے گا، اور اگر سجدہ نہیں کرتا ہے تو نہیں بہے گا؛ لہٰذا وہ اس حالت میں بیٹھ کر نماز ادا کرے گا، اور اشارے سے رکوع سجدے کرے گا: اس لئے کہ سجدہ کا چھوڑنا زیادہ ہلکا ہے بالمقابل اس کے کہ کوئی شخص ''حدث'' (بے وضو) کے ساتھ نماز پڑھے (حدث اس لئے واقع ہوگا جب خون بہے گا تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا) اَہون اور ہلکا یہ اس لئے ہے کہ سجدے کا چھوڑنا اختیاری حالت میں نفل نماز میں جب کہ جانور پر ہو تو جائز ہے، جب کہ ''حدث'' کے ساتھ نماز کسی بھی حالت میں جائز نہیں ہے۔

اِسی طرح اگر ایک شخص کے پاس دو کپڑے ہیں وہ دونوں ایک درہم سے زیادہ کے بقدر ناپاک ہیں، تو اس کو اختیار رہوگا کہ جس کپڑے میں چاہے نماز پڑھ لے جب تک یہ مقدار چوتھائی کپڑے کو نہ پہنچے؛ اس لئے کہ ممانعت میں ان دونوں کا حکم ایک ہے؛ لیکن اگر ان دونوں میں سے کسی کپڑے کی نجاست ربع ثوب (چوتھائی کپڑے) کو پہنچ گئی اور دوسرے کپڑے میں اس سے کم ہے، تو جس کپڑے میں خون کی مقدار کم ہے اس میں نماز پڑھے اس کے برعکس اس کے لئے جائز نہیں ہوگا۔ اس قاعدہ کی روشنی میں ہم شیئر بازار کے معیار میں کمپنیوں کے سودی قرض کی ایک خاص مقدار اور بنک میں رکھے ہوئے بچتوں پر سود کا ایک تقابلی جائزہ لیتے ہیں، اور یہ موازنہ کرتے ہیں، کہ دونوں میں بڑا مفسدہ کون ہے؟ اور پھر کس مفسدے میں کم سے کم شرعی ضرر ہے؟

سب سے پہلے بنک کا جائزہ لیا جائے تو مروجہ بنکوں کی بنیاد ہی سود پر ہوتی ہے، اور اس کا مقصد ہی سودی کاروبار کا فروغ ہوتا ہے، جب کہ اس کے مقابلے میں شریعہ کمپلائنٹ کمپنیوں کا مقصد حلال کاروبار کرنا ہوتا ہے؛ لیکن بسا اوقات کسی وجہ سے بعض کمپنیاں سودی قرض لیتی ہیں، یا پھر خواہی یا نہ خواہی سودی معاملات میں ملوث ہوجاتی ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ سود کمپنیوں کے

بنیادی کاروبار کا جزءنہیں ہے؛ بلکہ یہ ارم طاری ہے جو بعد میں اس کے ساتھ لاحق ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض کمپنیاں ایسی بھی ہیں جن کا سودی قرض صفر ہے،اس کے باوجود کہ بینک کی بنیاد سود ہے، مسلمانوں کا اکثریتی طبقہ اپنے پیسے بینک میں رکھتا ہے جہاں سے اس کے پیسے نہ معلوم کن کن جگہوں پر لگتے ہیں، جس کی تفصیل معلوم نہیں کی جاسکتی، جب کہ کمپنیوں کی ہر چیز معلوم کی جاسکتی ہے، کہ کتنا پیسہ کہاں گیا اور کتنا کس چیز میں استعمال ہوا، ہندوستانی پس منظر میں اگر بنک میں مسلمانوں کے رکھے ہوئے روپیوں اوران کی تعداد کا جائزہ لیا جائے تو شاید ان کی تعداد کروڑوں میں اوراُن کے روپئے پر ملنے والے سود کی مقدار اربوں میں ہوگی، بنکوں میں مسلمانوں کے اکاؤنٹس کی بات کریں،توان کی تعداد،شیئر مارکیٹ میں شریک مسلمانوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔

اب مذکورہ فقہی اصل کی روشنی میں بینک اورشیئر مارکیٹ کودیکھا جائےتو یہ دونوں مفسدے ہیں، بینک تواس لئے کہ اس کی پوری عمارت ہی سود پر کھڑی ہے، جب کہ شیئر مارکیٹ کی شریعہ کمپلائنٹ کمپنیاں اپنے اصل کاروبار میں تو حلال ہوتی ہیں؛لیکن کبھی کبھی سودی چیزوں میں ملوث ہوجاتی ہیں، ان دونوں مفسدوں میں اگر جائزہ لیا جائے تو بنک کا مفسدہ بڑا ہے جب کہ شریعہ کمپلائنٹ کمپنیوں کا مفسدہ ہلکا ہے۔اور مذکورہ قاعدہ کے مطابق کہ جب دومفسدے جمع ہوجائیں تو اوران میں سے ایک اخف ہوتو عمل کیا پر عمل کیا جائے گا۔

لیکن آج معاملہ برعکس ہے،بینکوں میں تو لوگوں کا ایک جم غفیر جارہا ہے جب کہ شیئر مارکیٹ کے تعلق سے وہ تذبذب کا شکار ہیں، حالاں کہ شیئر مارکیٹ میں شمولیت بہت سے ان مفاسد کے خاتمہ کا سبب ہے، جو بنک میں پایا جاتا ہے،مثلاً بینک میں جو پیسہ رکھا جاتا ہے،اس پر ملنے والے سود کو یا تو مسلمان بینک میں چھوڑ دیتے ہیں، یا پھراس کونکال کر بلاثواب کی نیت سے صدقہ کردیتے ہیں،مسلمانوں کے یہ چھوڑے ہوئے پیسے عام طور سے ان جگہوں میں استعمال ہوتے ہیں جن کا تعلق کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کے خلاف کی جانے سرگرمیوں سے ہوتا ہے، جب کہ شیئر مارکیٹ میں ان پیسوں پر نفع ملتا ہے جو کہ ایک مسلمان اپنی ضرورتوں میں بھی صرف

کرسکتا ہے، اسی طرح بنک میں رکھا ہوا سرمایہ جامد ہوتا ہے اور ذخیرہ اندوزی کے مشابہ ہوتا ہے، جب کہ شیئر مارکیٹ میں یہ پیسہ گردش میں رہتا ہے اور اقتصادی ترقی میں طلب ورسد کے خدائی قانون کے مطابق ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔

سوال:- دومفسدے کی بات وہاں سمجھ میں آتی ہے جہاں ان دونوں کے علاوہ کوئی تیسری صورت نہ ہو، جب کہ یہاں پر اس کے علاوہ کئی صورتیں ہیں، مثلاً ایک شخص جس کے پاس بچے ہوئے پیسے ہیں وہ ان پیسوں سے کاروبار کرسکتا ہے، یا پھر کسی دوسرے شخص سے مضاربت کا معاملہ کرسکتا ہے، یا پھر اس سے کوئی جائیداد خرید سکتا ہے وغیرہ، لہٰذا یہ کہنا کہ یہاں صرف دو مفسدے ہیں اور اس کے علاوہ کوئی تیسری صورت نہیں ہے کیسے صحیح ہوسکتی ہے؟

جواب:- یہ بات تو تسلیم ہے کہ اس کے علاوہ بھی راہیں ہیں؛ لیکن کیا یہ راہیں عمومی طور پر قابل عمل ہیں؛ اس لئے کہ عام طور سے جن کے پاس کچھ بچتیں ہوتی ہیں وہ نوکری پیشہ اور مزدور طبقے کے لوگ ہوتے ہیں، ان بچتوں کو کہاں لگایا جائے گا کہ ان سے نفع کی صورت نکلتی رہے، اس کے لئے ان کے پاس کئی صورتیں ہوتی ہیں، اول یہ کہ وہ اس سے تجارت کریں؛ لیکن یہ صورت ان کے لئے اس لئے ممکن نہیں ہے کہ ان کے پاس اتنا وقت ہی نہیں ہوتا کہ وہ تجارت کرسکیں، اس کے علاوہ ان کے لئے ایک صورت یہ ہے کہ کسی دوسرے کے ساتھ مضاربت کا معاملہ کریں، یہ صورت قابل عمل تو ہے؛ لیکن ان حالات میں جس میں امانت ودیانت کا جنازہ نکلا جارہا ہے، بمشکل کوئی اس کے لئے تیار ہوتا نظر آتا ہے، تیسری صورت یہ ہے کہ وہ ان پیسوں سے جائیداد خرید لے؛ لیکن اس طرح کے لوگوں کے پاس اتنی بڑی رقم نہیں ہوتی جس سے وہ جائیداد لے سکیں، بالآخر اس طرح کے لوگ اپنے پیسے بینک میں رکھتے ہیں، جیسا کہ اعداد وشمار اس کی شہادت کے لئے کافی ہے۔

خلاصہ:- پوری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ بنک اور شیئر مارکیٹ دونوں مفسدے ہیں؛ لیکن بینک کے مقابلے میں شیئر مارکیٹ اخف ہے؛ اس لئے کہ بینک از اول تا آخر سود پر منحصر ہے، جب کہ شیئر مارکیٹ میں سود کسی ایک جزو میں ہے اور یہ سود ہر کمپنی میں متیقن بھی نہیں ہے؛ لہٰذا شیئر

مارکیٹ اور بینک میں شیئر مارکیٹ اخف ہے، اور ساتھ ساتھ ایک متبادل راہ بھی، جہاں مسلمان اپنا پیسہ کمپنیوں میں لگا سکتے ہیں، اور اس پر نفع بھی کما سکتے ہیں۔

شریعہ کمپلائنٹ اور نان شریعہ کمپلائنٹ کمپنیوں میں کارکردگی کا تفاوت:

(کمپلائنٹ سے مراد وہ کمپنیاں ہے جو ان معیاروں پر پورا اترتی ہیں جو عام طور سے عالمی سطح پر چل رہے ہیں، جب کہ نان شریعہ کمپلائنٹ سے مراد وہ کمپنیاں ہیں جو ان معیاروں پر پورا نہیں اترتی ہیں۔ ذیل میں ان دونوں کی کارکردگی کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے، تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ شرعی معیاروں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی کارکردگی بھی اچھی رہی ہے)

ایک ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جس کمپنی کا سود جتنا زیادہ ہوگا اس کی کارکردگی اتنی ہی متاثر ہوگی۔ اور اس سے بھی بڑھ کر جب سود بہت زیادہ ہو جاتا ہے، تو کمپنی دیوالیہ ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ عالمی کساد بازاری میں ان کمپنیوں کا نقصان کم ہوا ہے، جو شرعی معیاروں پر تھیں، نیز اعداد و شمار کی روشنی میں یہ بھی ثابت کیا جا سکتا ہے کہ ان کمپنیوں کا نفع بھی زیادہ رہا ہے، چنانچہ جب امریکہ کی انرون (ENRON) کمپنی نے دسمبر ۲۰۰۱ء میں اپنے دیوالیہ ہونے کا اعلان کیا تھا، اس وقت وہ کمپنی ڈاؤ جونز شریعہ کمپلائنٹ اکویٹی انڈیکس سے بہت پہلے نکل چکی تھی، اس کی وجہ سے بہت سے مسلم سرمایہ کار اور فنڈ منیجر اس زبردست خسارے سے محفوظ تھے، جو اس دیوالیہ پن کے نتیجے میں ہوا۔ موجودہ معاشی بحران میں وہ انویسٹمینٹ فنڈ اور مسلم سرمایہ کار جو اِن شرعی معیاروں پر قائم رہے، ان کا نسبتاً کم خسارہ ہوا ہے، اور یہ اس لئے ہوا کہ شریعت نے کیپیٹل مارکیٹ میں سرمایہ کاری کے لئے جو معیار متعین کئے ہیں وہ سخت ہیں، ان معیاروں میں ایک معیار یہ ہے کہ اگر کسی کمپنی کا قرض اس کے بازار کی قیمت کا ۳۳ر فیصد ہے تو اس کمپنی میں سرمایہ کاری جائز نہیں ہے، اگر ہم ڈاؤ جونز اور اسٹینڈ ڈاینڈ پورزی کی شائع شدہ شریعہ انڈیکس اور مروجہ انڈیکس کی رپورٹ کو سامنے رکھ کر دونوں انڈیکسوں کا جائز لیتے ہیں تو وہ انڈیکس جو شرعی معیاروں پر عمل کرتی ہیں کی کاردگی مروجہ انڈیکس پر فائق رہی ہے، ڈاؤ جونز اسلامک مارکیٹ انڈیکس (Dow

Jones Islamic Market Index) (DJIM) نے موجودہ بحران میں یکم جنوری ۲۰۰۷ء اور ۲۵ رستمبر ۲۰۰۸ء کے درمیان میں 15.3% خسارہ برداشت کیا ہے، جب کہ دوسری طرف ڈاؤ جونز وولڈ انڈیکس (Dow Jones World Index) (DJWI) نے اس درمیان میں 23.4% نیچے گرا جب کہ دوسری طرف روایتی انڈیکس 25.3% نیچے آیا۔

اب شریعہ انڈیکس اور روایتی انڈیکسوں میں نفع (Return) کا موازنہ کریں تو اس پہلو سے بھی شریعہ انڈیکس کا پلڑا بھاری ہے، اسٹینڈ ڈاینڈ پورز کا 500 شریعہ انڈیکس (امریکہ) کا نفع 10.44% رہا ہے، جب کہ روایتی انڈیکس کا نفع 7.58% رہا ہے، اسی طرح یورپ کا 350 لارج کیپ شریعہ انڈیکس کا نفع 19.80% رہا ہے، جب کہ روایتی انڈیکس کا نفع 17.36% رہا ہے۔ جاپان کا 500 لارج کیپ شریعہ انڈیکس نے 10.43% نفع دیا ہے، جب کہ روایتی انڈیکس نے 10.34% نفع دیا۔ ان اعداد وشمار سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ کیپیٹل مارکیٹ میں سرمایہ کاری کے لئے شرعی معیار ایک کامیاب اور نفع بخش آلہ ہے، اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ یہ معیار صرف ایک اتفاق نہیں ہے؛ بلکہ اس پیچھے مضبوط اور ٹھوس ریسرچ ہے جو Purty کے ساتھ ساتھ بہتر Performance (کارکردگی کا ضامن ہے)۔ مذکورہ اعداد وشمار عربی مشہور اخبار ''الشرق الاوسط'' کے ۴ رنومبر ۲۰۰۸ء کے شمارہ میں شائع ہوئے ہیں۔

فی الحال اگر ڈاؤ جونز کے اسلامی انڈیکسوں کا گزشتہ سہ ماہی مارچ ۲۰۱۰ء کا جائزہ لیں تو عام طور سے اسلامی انڈیکسوں کی کارکردگی روایتی انڈیکسوں کے مقابلے میں اچھی رہی ہے، چنانچہ ڈاؤ جونز اسلامک انڈیکس (DJIM) ایشیا نے 5.96% اچھالی جب کہ ڈاؤ جونز (ڈی جے) ایشیا انڈیکس میں 5.53% کا اضافہ ہوا، اسی طرح (DJIM) ہانگ کانگ انڈیکس 7.96% بڑھا جب کہ ڈی جے ہانگ کانگ 5.61% بڑھا۔ (DJIM) انڈیا انڈیکس 6.93% اوپر تھا، جب کہ ڈی جے انڈیا ٹوٹل اسٹاک مارکیٹ انڈیکس 6.55% بڑھا۔ ان اعداد وشمار سے سمجھا جاسکتا ہے کہ شریعہ کمپلائنٹ انڈیکس شرح ترقی میں بھی عام انڈیکسوں سے کم نہیں ہیں؛ بلکہ ان

کارکردگی مجموعی طور پر عام انڈیکسوں سے اچھی ہی رہتی ہے، ہاں کچھ عام انڈیکسوں کی کارکردگی اسلامی انڈیکسوں سے اچھی بھی رہی ہے؛ لیکن یہاں پر وضاحت صرف اتنی مقصود ہے کہ اسلامی انڈیکسوں میں صرف شریعت ہی نہیں ہے؛ بلکہ وہ کارکردگی میں بھی اپنی مثال آپ ہیں، مزید برآں یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے کہ شرعی معیاروں کے قائم کرنے سے بہت سی ایسی کمپنیاں نکل جائیں گی جن کی کارکردگی کا اثر انڈیکس پر زیادہ پڑتا ہے، اور جہاں تک کارکردگی کی بات ہے تو یہ بھی معلوم ہونا ضروری ہے کہ ہندوستانی پس منظر میں شیئر مارکیٹ میں اندراج شدہ ۳۰۰۰/کمپنیوں میں سے شریعہ کمپلائنٹ صرف ۸۵۰/ سے کچھ زائد کمپنیاں ہیں جو تقریباً کل کمپنیوں کا اگر چہ ۲۸/ فیصد حصہ ہے؛ لیکن شیئر مارکیٹ میں ان کمپنیوں کا وزن تقریباً ۷۰/فیصد ہے، ظاہری بات ہے کہ ستر فیصد وزن جس طرف ہوگا مارکیٹ کا جھکاؤ بھی اسی طرف ہوگا، یہ اعداد وشمار تو عالمی ہیں، ذرا ہندوستانی شیئر مارکیٹ کا جائزہ لیجئے۔ (مذکورہ اعداد وشمار درج ذیل ویب سائٹ پر موجود ہیں)

(http://mondov isione.com/index.cf m?section=news&action=detail&id=89397)

اگر ہم ہندوستانی پس منظر میں شیئر مارکیٹ کا جائزہ لیں تو یہاں بھی شریعہ کمپلائنٹ اسٹاکس کی کارگردی سینسکس اور نفٹی کے مقابلے میں زیادہ اچھی رہی ہے۔ چنانچہ ہندوستان کا ''اسلامی تجارہ اکویٹی انڈیکس ۳۵'' (ITE35) جو شریعہ انڈیکس ہے، یہ انڈیکس اگر چہ پاپولر نہیں ہے؛ لیکن اس نے اس انڈیکس کا موازنہ بی ایس ای (BSE) کے سنسیکس انڈیکس اور این ایس ای (NSE) کے نفٹی انڈیکس سے کیا ہے، جس کو اس نے اپنی ویب سائٹ www.islamitijara.com پر بھی شائع کیا ہے۔ اس موازنہ میں (ITE35) کی کارکردگی عام طور سے سنسیکس اور نفٹی کے مقابلے میں فائق ہے۔

اسلامی تجارہ شریعہ اکویٹی انڈیکس ۲۰۰۳ء میں 83.68 فیصد بڑھا جب کہ نفٹی 71.90 فیصد اور سنسیکس 72.89 فیصد بڑھا ہے، اسی طرح ۲۰۰۴ء میں اسلامی تجارہ شریعہ اکویٹی انڈیکس 21.97 فیصد بڑھا، جب کہ نفٹی 10.68 اور سنسیکس 13.08 بڑھا ہے۔

اسی طرح اگر ہم گزشتہ سال ۲۰۰۹ء کی بات کریں تو پہلے سہ ماہی مارچ میں 6.20% Sharia ITE35 بڑھا، جب کہ سنسیکس اور نفٹی بالترتیب 1.90% اور 0.63% بڑھا ہے۔ دوسری سہ ماہی جون میں Sharia ITE35 63.10% بڑھا، جب کہ سنسیکس اور نفٹی بالترتیب 53.04% اور 57.98% بڑھا ہے، تیسرے سہ ماہی ستمبر میں 80.51% Sharia ITE35 بڑھا جب کہ سنسیکس اور نفٹی بالترتیب 71.80% اور 77.53% بڑھا ہے۔ اس کے علاوہ اگر گزشتہ چھ سالوں کا ریکارڈ دیکھیں تو ان میں بھی Sharia ITE35 بڑھوتری میں زیادہ ہے جب کہ خسارے کے معاملے میں اس کا تناسب اس سے کم ہے۔ چھ سالوں کی بات اس لئے کہ Sharia ITE35 کا بنچ مارک ۲۰۰۳ء سے ہے۔ (مذکورہ اعداد وشمار www.islamitijara.com پر موجود ہے)

خلاصہ یہ کہ مذکورہ اعداد وشمار سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ شرعی معیاروں کی رعایت کرتے ہوئے بھی کمپنیوں کی وہ معتد بہ مقدار حاصل ہوسکتی ہیں جو شیئر مارکیٹ سے بہتر فائدہ اٹھانے کا سبب بن سکتی ہیں۔

شیئر مارکیٹ کی شفافیت:

شیئر مارکیٹ کی ایک اہم خوبی ہے کہ اس میں شفافیت (TRANSPARENCY) بہت زیادہ ہے، اس میں کوئی چیز مخفی نہیں ہے، ہر شخص جب بھی چاہے اور جو بھی چاہے دیکھ سکتا ہے، شیئر کی قیمت کا اتار چڑھاؤ بالکل واضح ہوتا ہے؛ اس لئے دھوکہ دہی کے امکانات بہت کم ہوتے ہیں، خریدنے اور بیچنے میں کوئی جھول نہیں ہوتا، شیئرز پر قبضے میں بھی قانوناً محفوظ ہوتا ہے۔

قانونی فریم ورک اور شیئر مارکیٹ:

شیئر مارکیٹ کے معاملات کو مزید شفاف بنانے کے لئے سیکوریٹیز اینڈ ایکسچینج بورڈ آف انڈیا (سیبی) کا قیام عمل میں آیا، اس کا قیام ۱۹۸۸ء میں حکومت ہند کے ذریعہ ہوا اور قانونی طور پر ۱۹۹۲ء میں اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا، اس کی ہیڈ آفس ممبئی ہے، جب کہ چنئی، کولکاتا اور دہلی میں

اس کی علاقائی دفاتر ہیں، سیبی مارکیٹ سے تعلق رکھنے والے تین جماعتوں کے حقوق کی حفاظت کی ذمہ داری ہے: (۱) سیکورٹیز جاری کنندہ (۲) سرمایہ کار حضرات (۳) وہ لوگ وساطت کا کام کرتے ہیں، جیسے بروکرس وغیرہ۔

سیبی کے تین فنکشنس ہیں: (۱) نیم قانون سازی (quasi-legislative) (۲) نیم عدالتی اُمور (quasi-judicial) (۳) مارکیٹ سے متعلقہ امور کی انجام دہی (quasi-executive) اس کے یہ تین فنکشن اس بات کی وضاحت کے لئے کافی ہے کہ ''سیبی'' کے قوانین اور اس کے نفاذ کے طریقے کتنے سخت ہیں۔

خلاصہ یہ کہ مذکورہ ساری چیزیں شیئر مارکیٹ کی وہ خوبیاں ہیں جو ہر کسی کے لئے دلچسپی کا باعث ہیں؛ لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود مسلمان اس سے دور ہیں، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ آج تک ان کے سامنے شیئر مارکیٹ کی پوری حقیقت واضح نہیں ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جو پہلی وجہ کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے، کہ ان کے سامنے شیئر مارکیٹ کی شرعی حیثیت کی وضاحت نہیں ہو پائی ہے؛ لہٰذا ہندوستانی پس منظر میں شیئر مارکیٹ کے شرعی حیثیت کی وضاحت اگر علماء کے ایک معتبر گروپ کی جانب سے آ جائے تو اس خلاء کو بہت حد تک پورا کیا جا سکتا ہے۔ مزید برآں شیئر مارکیٹ کے تعلق سے اگر ایک معیار قائم ہو جائے تو بہت سارے ایسے مصنوعات بنائے جا سکتے ہیں، جو شرعی معیاروں پر قائم رہتے ہوئے مسلمانوں کی معاشی ترقی میں ایک اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اور اس سے ان کو ایک ایسا میدان فراہم ہو سکتا ہے جو ان کو معاشی قومی دھارے میں لانے کا سبب بن سکتا ہے؛ اس لئے یہ ایک ضرورت ہے کہ شیئر مارکیٹ کے تعلق سے ایک متفقہ معیار ہو جو مسلمانوں میں پائے جانے والے خلجان کو دور کر سکے، اور شرعی اور حکومتی قوانین کے اندر رہ کر ان کو ایک محفوظ موقع فراہم ہو سکے جو شیئر مارکیٹ میں ان کی نمائندگی میں اضافے کا سبب بن سکے۔

ہندوستانی کمپنیوں پر ایک نظر:

(یہاں کمپنیوں کی مجموعی تعداد اور پھر ان میں سے کتنی کمپنیاں ہماری کمپلائنٹ لسٹ میں ہے کہ ذکر کیا گیا۔ ہم نے کمپلائنٹ کی جو حد متعین کی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ کمپنی کا حلال کاروبار

ہو اور اس کا سودی قرض، سیال سرمایہ ۳۳ر فیصد واجب الوصول دین (Receivable) پینتالیس فیصد سے کم ہو، اسی طرح ہم نے ان معیاروں کو گھٹا کر دیکھا کہ کتنی کمپنیاں اس معیار گھٹانے کے بعد ہماری لسٹ میں آتی ہیں)

ہندوستان میں ایسے تو بہت ساری کمپنیاں ہیں؛ لیکن وہ کمپنیاں جن کی سالانہ رپورٹ اور روداد موجود ہے، کی تعداد ہمارے موجودہ تحقیق کے اعتبار سے تین ہزار تین سو اٹھارہ ہیں۔ ان کمپنیوں میں سے ہمارے کمپلا ئنٹ لسٹ میں ایک ہزار ایک کمپنیاں ہیں، گویا ہماری کمپلا ئنٹ لسٹ سے ۲ر ہزار ۷۳۱ر کمپنیاں خارج ہو گئیں، ان میں سے پانچ سو چھتیس تو انڈسٹری (صنعت) کی وجہ سے نکل گئیں اور ار ہزار ا ۸ ۷ر ان سودی تناسب کی وجہ سے نکل گئی جو معیار میں رکھی گئی ہیں۔

کمپنیوں کا سودی قرض، سیال سرمایہ اور واجب الوصول دین کی مقدار میں تبدیلی اور ہماری کمپلا ئنٹ لسٹ:

ہم اگر سودی قرض اور سیال سرمایہ کی مقدار پچیس اور واجب الوصول دین کی مقدار تیس فیصد رکھیں تو کل کمپنیوں میں سے آٹھ سو اٹھائیس کمپنیاں ہماری کمپلا ئنٹ لسٹ میں آتی ہیں، جس کا مارکیٹ کیپٹلا ئزیشن ۶۴ر فیصد سے کچھ اوپر ہے۔

اگر سودی قرض اور سیال سرمایہ کی مقدار بیس فیصد اور واجب الوصول دین کی مقدار تیس فیصد ہو تو کل کمپنیوں میں ہماری کمپلا ئنٹ لسٹ میں ۷۴۷ر آتی ہیں، جن کا مارکیٹ کیپٹلا ئزیشن ستاون فیصد سے کچھ اوپر ہے۔

اگر سودی قرض اور سیال سرمایہ کی مقدار پندرہ فیصد اور واجب الوصول دین کی مقدار تیس فیصد ہو تو کل کمپنیوں میں سے ۶۴۳ر کمپلا ئنٹ لسٹ میں آتی ہے، جن کا مارکیٹ کیپٹلا ئزیشن ۴۷ر فیصد سے کچھ اوپر ہے۔

اگر سودی قرض اور سیال سرمایہ کی مقدار دس فیصد ہو اور واجب الوصول دین کی مقدار ۳۰ر فیصد ہو، تو کل کمپنیوں میں سے ۵۰۵ر کمپنی آتی ہے، جس کا مارکیٹ کیپٹلا ئزیشن ۴۱ر فیصد سے

زیادہ ہے۔

کمپنیوں کا سیال سرمایہ اور سودی قرض ایک جائزہ:

اگر کمپنیوں کے مارکیٹ ویلو کے مقابلے میں ان کے سودی قرض اور سیال سرمایہ مجموعی طور پر جائزہ لیں اور واجب الوصول دین کو الگ رکھیں اور یہ مقدار ۳۳ر فیصد رکھیں، تو اس مقدار کے تحت ۱۴۲ار کمپنیاں بچتی ہیں، جن کا مارکیٹ کیپٹلائزیشن ۶۷ر فیصد سے زیادہ ہے۔ اور یہ مقدار ۲۵ر فیصد رکھیں تو اس کے تحت ۹۹۱ر آتی ہیں، اور جن کا مارکیٹ کیپٹلائزیشن ۶۴ر فیصد سے زیادہ ہے، اگر یہ مقدار ۲۰ر فیصد ہو تو ۸۷۷ر کمپنیاں آتی ہیں، اور جن کا مارکیٹ کیپٹلائزیشن ۵۷ر فیصد سے زیادہ ہے، اس مقدار جو مزید کم کیا جائے اور اس کو ۱۵ر فیصد رکھا جائے تو اس کے تحت ۷۴۶ر کمپنیاں آتی ہیں، اور جن کا مارکیٹ کیپٹلائزیشن ۴۷ر فیصد سے زیادہ ہے۔ اور اگر یہ مقدار ۱۰ر فیصد رکھی جائے اس کے تحت ۵۸۲ر کمپنیاں آتی ہیں اور جن کا مارکیٹ کیپٹلائزیشن ۴۲ر فیصد سے کچھ زیادہ ہے۔

کمپنیوں کا سودی قرض ایک جائزہ:

اگر کمپنیوں کی مارکیٹ ویلو کے مقابلے ان کے صرف سودی قرض کو دیکھیں اور اس کی مقدار ۳۳ر فیصد رکھیں، تو کل کمپنیوں میں سے ہماری کمپلائنٹ لسٹ میں بارہ سوا ٹھارہ کمپنیاں آتی ہیں، جن کا مارکیٹ کیپٹلائزیشن ۶۷ر فیصد سے کچھ زیادہ ہے، اگر یہ مقدار ۲۵ر فیصد ہو، تو کمپلائنٹ کی تعداد ایک ہزار ننانوے ہو جاتی ہیں، جن کا مارکیٹ کیپٹلائزیشن ۶۵ر فیصد سے زیادہ ہے۔ اور اگر یہ مقدار بیس فیصد ہو، تو کمپلائنٹ کی تعداد ایک ہزار ہو جاتی ہے، جن کا مارکیٹ کیپٹلائزیشن ۶۰ر فیصد سے زیادہ ہے۔ اور اگر اس کو اور کم کیا جائے اور سودی قرض کی مقدار پندرہ فیصد رکھیں تو یہ تعداد ۸۹۵ر ہو جاتی ہے، جن کا مارکیٹ کیپٹلائزیشن ۵۱ر فیصد سے زیادہ ہے۔ اور اگر مزید گھٹا دیا جائے تو یہ تعداد ۷۰۸ر ہو جاتی ہے، جن کا رکیٹ کیپٹلائزیشن ۴۷ر فیصد سے کچھ زیادہ ہے۔

تیار کردہ: اسلامی تجارہ ریسرچ ٹیم ممبئی

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر چہ بہت سے علماء ومفتیان نے شیئرز کے کاروبار کو شرکت ومساہمت کی قسم قرار دے کر جواز کی بات کہی ہے؛ لیکن جب گہرائی کے ساتھ اس موضوع کا جائزہ لیا جاتا ہے، تو کچھ ایسے سوالات اُبھرتے ہیں جن کا حل شریعت کی روشنی میں انتہائی مشکل ہے، جن میں سے صرف دو باتیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) شرکت ومضاربت ومرابحہ کے معاملے میں بنیادی چیز فریقین کی دیانت واَمانت ہے، اور یہ بات ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے کہ آج دنیا کی کوئی بھی کمپنی ایسی نہیں ہے کہ جو اپنی آمد وخرچ کا حقیقی حساب لوگوں اور حکومت کے سامنے کھول کر رکھے؛ بلکہ زیادہ تر غیر ضروری ٹیکس سے بچاؤ کے لئے زائد آمدنی کو مخفی رکھا جاتا ہے، اور چارٹرا کاؤنٹ ''بیلنس شیٹ'' میں صرف ناگزیر ضرورت والے حسابات کا افشاء کرتے ہیں، اور حساب کو قانون کے دائرہ میں لانے کے لئے بہت سی فرضی خانہ پوری بھی کی جاتی ہے، تو ایسی صورت میں شیئرز ہولڈروں کو ان کے حصص کے تناسب سے روپیہ ملنا یقیناً مشکل ترین عمل ہے، اور بظاہر اس کے حل کے لئے کوئی شکل نہیں، حتی کہ شیئرز ہولڈروں کو غیر قانونی آمدنی کے مطالبے کا بھی حق نہیں ہے، گو کہ وہ شرعاً شریک ہونے کے اعتبار سے حق دار ہونے چاہئیں۔

(۲) شیئرز کے کاروبار میں ایک اہم اشکال یہ ہوتا ہے کہ حصص کی قیمتوں کے گھٹنے یا بڑھنے کا مدار کمپنی کی مصنوعات کے گھٹنے یا بڑھنے پر ہونا چاہئے، جب کہ ہوتا یہ ہے کہ اصل کمپنی کسی بھی حال میں ہو اگر بازار میں اس کمپنی کے شیئرز کی طلب بڑھ جاتی ہے، تو ان کی قیمتیں آسمان تک پہنچ جاتی ہیں، گو کہ حقیقت میں کمپنی خسارے سے دوچار ہو، اور اس کے برخلاف اگر اس کے حصص کی طرف گاہکوں کی رغبت کم ہو جاتی ہے، تو شیئرز کی قیمتیں گر جاتی ہیں، اگر چہ کمپنی کے سالانہ حساب میں منافع دکھایا گیا ہو، اسی طرح کبھی کبھی ملکی اور بین الاقوامی حالات اور حکومتوں کی تبدیلی بھی فوری طور پر شیئرز مارکیٹ پر اثر انداز ہوتی ہے، اور یہ بات شرعی اعتبار سے سمجھ سے بالاتر ہے، جب

تک اس طرح کے اشکالات کا اطمینان بخش جواب نہ مل جائے، شیئرز کے کاروبار کے جواز پر اطمینان حاصل نہ ہوسکے گا؛ اس لئے آپ حضرات کو ان تمام پہلوؤں پر گہرائی سے غور کر کے رہنمائی کرنی چاہئے۔

عن الحسن بن علي رضي اللّٰه عنهما قال: حفظت من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: دع ما يريبك إلى ما لا يريبك. (سنن الترمذي رقم: ٢٥١٨، الترغيب والترهيب مكمل ٣٩٦ رقم: ٢٧٠٤ بيت الأفكار الدولية، فيض القدير ٤٥/٦ ٣٢٤٧-٣٢ رقم: ٤٢١١-٤٢١٤ مكتبة نزار مصطفى الباز رياض)

عن ابن المسيب أن عمر رضي اللّٰه تعالى عنه قال: إن من آخر ما نزل آية الربا وإن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم توفي ولم يفسرها، فدعوا الربا والريبة. (المسند للإمام أحمد بن حنبل ٥٠/١)

مال أحد الشريكين أمانة في يد الآخر. (شامي / أول كتاب الشركة ٤٦٥/٦ زكريا)

المضارب أمين. (البحر الرائق / كتاب المضاربة ٤٤٨/٧ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱۱/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسلمان کا شیئرز کی تجارت میں حصہ لینا؟

سوال (۲۲۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اِس زمانہ کی ایک عالمی تجارت بڑے زور وشور کے ساتھ جاری ہے، دنیا کے سب ہی لوگ خوب تجارت کررہے ہیں، اسی طرح دنیا کے مسلمان بھی بڑی تعداد میں اس تجارت میں مشغول ہیں، یہ تجارت کمپنیوں کی شیئرز کی تجارت ہے۔

(۱) ان کمپنیوں میں کون سی کمپنیاں حلال کام کرتی ہیں اور کون سی حرام کام کرتی ہیں؟ کون سی کمپنیوں کے شیئرز خرید سکتے ہیں، کون سی کمپنیوں کے شیئرز خرید نہیں سکتے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس کمپنی کی مصنوعات حلال ہوں، اور وہ حلال طریقہ پر کام کرتی ہوں، اس میں حصہ دار بن کر شرکت کرنا فی نفسہٖ جائز ہے؛ لیکن آج کل شیئرز بازاروں میں جو صورتیں اپنائی جانے لگی ہیں کہ خریدنے والوں کی منشاء کمپنی میں حقیقی حصہ داری کی نہیں ہوتی؛ بلکہ بجائے خود شیئرز کو مبیع مقصود بنالیا جاتا ہے، اور بسا اوقات کمپنیوں کا صرف کاغذی وجود مان کر اُس کے شیئرز کی خرید وفروخت شروع ہوجاتی ہے، اور اشیاء کی شکل میں اس کا کوئی جامد سرمایہ موجود نہیں ہوتا، اس طرح کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے؛ لہٰذا احتیاطاً شیئرز کے کاروبار میں حصہ نہ لیا جائے۔

عن حكيم بن حزام رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا تبع ما ليس عندك. (سنن أبي داؤد ۴۹۵/۲ رقم: ۳۵۰۳)

وقال القاري: قوله: ''لا تبع ما ليس عندك'' أي شيئًا ليس في ملك حال العقد. (مرقاة المفاتيح / باب المنهى عنها من البيوع ۷۸/۶ دار الكتب العلمية بيروت)

عن الحسن بن علي رضي اللّٰه عنهما قال: حفظت من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: دع ما يريبك إلى ما لا يريبك. (سنن الترمذي رقم: ۲۵۱۸، الترغيب والترهيب مكمل ۳۹۶ رقم: ۲۷۰۴ بيت الأفكار الدولية، فيض القدير ۴۵/۶ ۳۲-۴۷ ۳۲ رقم: ۴۲۱۱-۴۲۱۴ مكتبة نزار مصطفى الباز رياض)

عن ابن المسيب أن عمر رضي اللّٰه تعالى عنه قال: إن من آخر ما نزل آية الربا وإن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم توفى ولم يفسرها، فدعوا الربا والريبة. (المسند للإمام أحمد بن حنبل ۵۰/۱)

الشركة هي عبارة عن عقد بين المتشاركين في الأصل والربح. (شامي / كتاب الشركة ۴۶۶/۶ زكريا)

وبطل بيع مال غير متقوم. (شامي / باب البيع الفاسد، مطلب فيما إذا اجتمعت الإشارة

مع التسمية ۲٤١/٧ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۲/۱۴۳۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خرید کردہ شیئرز فروخت کرکے حلال چیزیں خریدنا؟

سوال (۲۲۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی مسلمان نے حرام کاروبار کرنے والی کمپنی کا مال اور شیئرز کروڑوں روپئے لگا کر لے لیا، اب وہ مسلمان کیا کرے؟ کیا وہ شیئرز فروخت کرکے دوسری حلال چیزیں جائیداد وغیرہ خرید سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حرام آمدنی سے اگر کوئی جائز کاروبار کیا جائے، تو اولاً نفع میں سے حرام کے بقدر آمدنی نکال کر غریبوں میں تقسیم کردی جائے، تو بقیہ نفع حلال ہوگا، ورنہ نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۸/۴۱۱ ڈابھیل)

لو اختلط بحيث لا يتميز يملكه ملكًا خبيثًا لكن لا يحل له التصرف ما لم يؤد بدله. (شامي / باب البيع الفاسد، مطلب قبيل في أحكام زيادة المبيع ٧/٣٠٢ زكريا)

ما يأخذه من المال ظلمًا ويخلطه بماله يصيره ملكًا له، وينقطع حق الأول ...... نعم، لا يباح الانتفاع به قبل أداء البدل في الصحيح من المذهب. (شامي، كتاب الزكاة / باب زكاة الغنم، مطلب: في التصدق من المال الحرام ٣/٢٢٠ زكريا)

رجل اكتسب مالا من حرام ثم اشترى، فهٰذا على خمسة أوجهٍ: أما إن دفع تلك الدراهم إلى البائع أولاً ثم اشترى منه بها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفعها، أو اشترى بدراهم أخر ودفع تلك الدراهم ...... وقال الكرخي: في الوجه الأول والثاني لا يطيب، وفي الثلاث الأخيرة يطيب ...... والفتوى اليوم

علی قول الکرخي دفعًا للحرج لکثرة الحرام. (شامي، کتاب البیوع / باب المتفرقات، مطلب: إذا اکتسب حرامًا ثم اشتریٰ علی خمسة أوجه ۷/ ٤٩٠ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۲/۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چند شرطوں کے ساتھ شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے

سوال (۲۲۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شریعتِ اسلامیہ میں شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے یا ناجائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کن شرائط کے ساتھ جائز ہے؟ مثال کے لئے جن کمپنیوں کے شیئرز خریدے جاسکتے ہیں، اُن کے اگر آپ نام واضح کردیں تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چند شرطوں کے ساتھ علماء نے شیئرز کی خرید وفروخت کو جائز قرار دیا ہے، مجموعی طور پر وہ شرطیں درج ذیل ہیں، اگر ان میں سے ایک بھی شرط نہ پائی جائے تو یہ کاروبار درست نہ ہوگا:

(۱) جس کمپنی کے شیئرز خریدے جائیں وہ عملی طور پر کاروبار کررہی ہو محض کاغذی منصوبہ کے مرحلے میں نہ ہو۔

(۲) اس کمپنی کی مصنوعات شرعاً نہ حرام ہوں، مثلاً شراب یا دیگر ممنوع اشیاء۔

آج کل اسٹاک ایکس چینج (یعنی شیئرز بازار) کا زیادہ تر دارومدار فرضی کمپنیوں پر ہے، جن کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں ہوتا ہے، ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت محض سٹہ بازی ہے، اس لئے پوری چھان بین اور تحقیق کے بعد ہی شیئرز کی خریداری کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

أما شرکة العنان أن یشترک إثنان في نوع من التجارات ……، أو یشترکان في عموم التجارات ولا یذکران الکفالة خاصة، کذا في فتح القدیر

...... والمفاوضة فيها فتضمنت معنى الوكالة دون الكفالة حتى تجوز هٰذه الشركة بين كل من كان من أهل التجارة، كذا في المحيط للسرخسي. (الفتاویٰ الهندية / الباب الثالث في شركة العنان ۲/ ۳۱۹ زكريا، فتاوى محموديه ۱۱/ ۳۰۰ قديم زكريا، فقهی مقالات ۱/ ۱۱۵، انوار رحمت ۳۵۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۳/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِنٹرنیٹ پر کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت کی شکلیں؟

سوال (۲۲۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اِنٹرنیٹ پر ایک شخص ایک کمپنی کے شیئرز کو اس طرح فروخت کرتا ہے کہ جو شخص اس کمپنی کا شیئرز خریدے گا، اس کو اپنا یہ شیئرز شام تک ضرور فروخت کرنا ہوگا، اگر خریدار شام تک فروخت نہیں کرتا، تو کمپنی خود فروخت کردیتی ہے، نیز اس شیئرز کی قیمت کا دسواں حصہ فوراً جمع کرنا ہوتا ہے، پھر اس شیئرز کے فروخت گی پر جو نفع ہوتا ہے، وہ اس خریدار کو مل جاتا ہے، اور اگر کوئی نقصان ہوتا ہے تو یہ نقصان کمپنی اس دس پرسینٹ رقم سے وصول کرلیتی ہے، جو خریدار نے خریدتے وقت جمع کی تھی، نیز یہ کمپنی دس پرسینٹ رقم وصول کرنے کے باوجود اور سودہ ہونے کے باوجود کوئی ایسی تحریر نہیں دیتی جو اس شخص کے خریدنے کی دلیل ہو، تو کیا یہ صورت جائز ہے؟

(۲) دوسری شکل بھی بعینہ پہلی ہی شکل ہے؛ البتہ صرف اتنا فرق ہے کہ اس میں خریدار کو ایک ماہ کا وقت دیا جاتا ہے، اگر ایک ماہ میں خریدار اس شیئرز کو فروخت نہیں کرتا، تو کمپنی خود فروخت کردیتی ہے؟

(۳) تیسری شکل یہ ہوتی ہے کہ خریدار شیئرز کی پوری رقم ادا کرتا ہے، اور اس کو پورا اختیار ہوتا ہے، جب چاہے فروخت کرے۔

نوٹ: - اس صورت میں اور پہلی دونوں شکلوں میں یہ بات ہوتی ہے کہ خریدار کو نہ اس

کمپنی کا علم ہوتا ہے کہ وہ کمپنی جس کے شیئرز خریدے ہیں، کس جگہ ہے اور نہ ہی اس کمپنی کی آمد وخرچ کا اس کے پاس کوئی حساب ہوتا ہے، اور اس کمپنی کا جو کاروبار ہوتا ہے، مثلاً کپڑا بنانا، تو اس کپڑا بنانے کی آمدنی میں جو نفع نقصان ہوتا اس کا نہ تو خریدار کو علم ہوتا ہے، اور نہ ہی اس کا اس سے کوئی تعلق ہوتا گویا یہ کمپنی ایک خیالی چیز جیسی ہوتی ہے؟ نیز اگر اس تیسری شکل میں خریدار کو کمپنی کا کاروبار معلوم ہوا اور اس کی اس کاروبار میں ساجھے داری بھی ہو تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شیئرز کے خرید وفروخت کے جواز کی بات اُسی صورت میں کہی جاسکتی ہے، جب کہ شیئرز ایسی کمپنی کا ہو جو صحیح کاروبار کرتی ہو، اور اس کا شیئرز خریدار کے قبضے میں آئے، جس میں تصرف کرنے کا اسے مکمل اختیار رہو، اِس کے علاوہ جتنی شکلیں آپ نے سوال میں لکھی ہیں وہ سب ناجائز ہیں، اور بالخصوص موجودہ دور میں اسٹاک اَیکس چینج کے ذریعہ انٹرنیٹ پر شیئرز کا روبار جوئے اور سٹہ کی ایک شکل ہے، اس میں حصہ لینا جائز نہیں، اس کے ذریعہ آمدنی کی شرعاً اجازت نہیں، اس میں نہ تو کمپنیوں کا پتہ رہتا ہے کہ واقعۃً موجود ہے یا نہیں، نہ ہی مبیع پر قبضہ ہوتا ہے کہ اس کو بیچنے کی شکل میں نفع لینا درست ہو، نیز عقد کے ساتھ شرائط فاسدہ بھی لگی رہتی ہیں، جس کی بنا پر یہ معاملات جائز نہیں۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن بيع الحصاة وعن بين الغرر. (صحيح مسلم / باب بطلان بيع الحصاة الخ رقم: ۱۵۱۳)

عن علي رضي اللّٰه عنه قال: نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن بيع المضطر وعن بيع الغرر. (سنن أبي داؤد رقم: ۳۳۸۲)

عن حكيم بن حزام رضي اللّٰه عنه قال: نهاني رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن أبيع ما ليس عندي. (سنن الترمذي رقم: ۱۲۳۳)

وفي رواية عنه مرفوعًا قال: قلت يا رسول اللّٰه! يأتيني الرجل فيريد من

البيــع، وليــس عندي، فأبتاع له من السوق، قال: لا تبع ما ليس عندک. (سنن أبي داؤد رقم: ۳۵۰۳، سنن النسائي رقم: ٤٦١۳)

عـن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صـلـى اللّٰـه عـليه وسلم: لا يحل سلف وبيع، ولا شرطان في بيع، ولا ربح ما لم يضـمن، ولا بيع ما ليس عندک. (سـنـن الترمذي رقم: ۱۲۳٤، سنن أبي داؤد رقم: ۳۵۰٤، هكذا في لمعات التنقيح ۵۷۲/۵-۵٦٤ دار النوادر)

وإذا كـان أحـد الـعـوضـيـن أو كلاهما محرما، فالبيع فاسد كالبيع بالميتة والـدم والخمر والخنزير، وكذا إذا كان غير مملوک كالحر. (الهداية ٤۹/۳، فقهي مقالات ۱۵٦/۱، انوار رحمت ۲٦٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۵/۷/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیع وفا

بیع الوفاء

سوال (۲۲۹):-کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ضرورت ایجاد کی ماں کہلاتی ہے، ضرورت کی وجہ سے بہت سی اشیاء وجود میں آتی ہیں، اور مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں، اور پیدا کئے جاتے ہیں، لوگ حالات کا شکار ہوتے ہیں، تو ان حالات سے نمٹنے کے لئے طرح طرح کی شکلیں تجویز کرتے ہیں؛ تا کہ اپنی ضرورتوں کو پورا کرسکیں، جس میں بسا اوقات اس سے صرف نظر ہوتا ہے کہ شرعی حکم کیا ہے؟ اور کبھی اس کی رعایت بھی پیشِ نظر ہوتی ہے، تو واضح طور پر ممنوع ومنکر سے بچنا مقصود ہوتا ہے۔

خرید وفروخت کے باب میں ''بیع وفا'' بھی ضرورت وحالات کے تحت اختیار کی جانے والی ایک شکل ہے جس کو کھلے طور پر سودی معاملات سے بچنے اور اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اختیار کیا گیا اور زمان ومکان کے فرق کے اعتبار سے اس میں وسعت وکثرت اور تنوع بہت پایا جاتا ہے، ہندوستان کے بعض خطوں میں اس کا کافی رواج پایا جاتا ہے، اِسی لئے مجمع الفقہ الاسلامی (الہند) نے اپنے آئندہ سیمینار کے موضوعات میں اس کو بحث میں شامل کیا ہے؛ تا کہ اس بابت تحقیق ومذاکرہ کے بعد اُمت کی رہنمائی کے لئے کوئی مناسب راہ تجویز کی جاسکے۔

بیع وفاء کی بنیادی شکل یہ ہے کہ ایک آدمی ضرورتمند ہوتا ہے، غیر سودی قرض ملتا نہیں اور سودی قرض لینا نہیں چاہتا، تو وہ اپنے کسی سامان (زمین وجائیداد وغیرہ) کا سودا یوں کرتا ہے کہ تم اتنی قیمت میں اس کو لے لو، اور اتنی مدت کے بعد یا جب بھی میں اس قیمت کو واپس کرنے کے حال میں ہوں تو یہ سامان تم مجھ کو اسی قیمت پر دیدینا کسی دوسرے کومت بیچنا۔

معاملہ یہ ہے کہ خرید وفروخت سے بیچی جانے والی شئ بیچنے والے کی ملکیت سے نکل جاتی

ہے اور خریدنے والا اس کا مکمل مالک بن جاتا ہے، اور خرید کردہ شئ میں اس کو پورا اِختیار ہوتا ہے کہ کچھ بھی کرے بیچے، ہبہ کرے، کرایہ پر دے وغیرہ، اور فروخت کردہ شئ سے سابق مالک وفروخت کنندہ کا کوئی واسطہ نہیں رہ جاتا، بیع وفاء کا معاملہ اس سلسلے میں اس سے مختلف ہے، تو اس بیع کی شرعی حیثیت اور اُس کا حکم کیا ہے؟

(۱) یہ معاملہ جو بیع کے عنوان سے خاص قید وبند کے ساتھ ہوتا ہے شرعاً منعقد اور درست ہے یا نہیں اگر شرعاً منعقد اور درست ہے تو حکماً یہ بیع ہے یا نہیں؟

الف:- بیع قرار دینے پر یہ شرط کہ بعد میں کسی دوسرے سے نہ بیچا جائے، فروخت کنندہ ہی سے بیچا جائے اس کا کیا حکم ہوگا۔

ب:- مالک اول کو بیچنے میں سابق ادا کردہ قیمت ہی لازم ہوگی، یا اس سے زائد کا بھی مطالبہ کیا جاسکتا ہے؟

ج:- خریدار جب تک اس کو اپنے پاس رکھے تو اس سے فائدہ اٹھانے کا کیا حکم ہوگا؟

د:- خریدار اگر کسی دوسرے سے بیچ دے تو اس بیع کا کیا حکم ہوگا، اور اگر مزید قیمت لے تو اس کی کیا حیثیت ہوگی؟

(۲) اگر اس کو رہن قرار دیا جائے تو:

الف:- جب تک بیچنے والا اس کو واپس نہ لے اس وقت تک خریدار کے لیے اس سے فائدہ اٹھانے کی کیا حیثیت ہوگی؟

ب:- اگر خریدار اس طریقہ پر خریدے کہ مکان یا زمین کا کرایہ ادا کرے، لیکن وہ اس کے مروجہ کرایہ سے بہت ہی کم ہو تو کیا یہ صورت جائز ہوگی؟

ج:- اس عرصہ میں خریدار اس شئ سے کسی طرح کا فائدہ (کاشت کا یا راجارہ داری وغیرہ) حاصل کرسکتا ہے یا نہیں؟

د:- خریدار اس کو بیچنے کا حق رکھتا ہے یا نہیں، اور بیچے تو کس حد تک قیمت لے سکتا ہے؟

(۳) آج کل بڑے شہروں میں کثیر رقم ضمانت اور اسی نسبت سے کم کرایہ پر معاملہ طے کیا

جا تا ہے، مثلاً ایک دوکان یا مکان پر دس لاکھ روپئے رقم ضمانت حاصل کی جاتی ہے تو اس کا مروجہ کرایہ دس ہزار روپئے ماہانہ ہونا چاہیے، لیکن مالک پانچ سو یا ایک ہزار روپئے کرایہ لینے پر آمادہ ہوجاتا ہے؛ کیونکہ اسے کاروبار یا کسی ضرورت کے لیے زرِضمانت کے نام پر بڑی رقم حاصل ہوجاتی ہے تو اب سوال یہ ہے کہ زرِضمانت کی حیثیت قرض کی ہوگی، یا امانت ورہن کی، اور اس کی وجہ سے کرایہ میں کی جانے والی کمی جائز ہوگی یا اسے قرض پر فائدہ اٹھانا سمجھا جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

حکم بیع الوفاء؛ بصورت عقد بیع

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (ا) الف:- بیع الوفاء (یعنی ثمن اول کے ساتھ اِقالۂ بیع کے وعدہ پر عقد کرنا) کی حقیقت میں فقہاء کی آراء مختلف رہی ہیں، جن میں سے تین اقوال درج ذیل ہیں:

قــــولِ اول:- بہت سے حضرات نے اس بیع کو مطلقاً رہن کے حکم میں رکھا ہے، اور مشتری کے لئے مبیع (مرہون) سے انتفاع کو ناجائز قرار دیا ہے۔ ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ عقود میں الفاظ کا اعتبار نہیں ہوتا؛ بلکہ مقاصد کا اعتبار ہوتا ہے، جیسا کہ اگر عقد کفالت میں اصیل کی برأت کی شرط لگائی جائے تو وہ عقد حوالہ بن جاتا ہے، اور اگر حوالہ کے الفاظ استعمال کئے جائیں؛ لیکن اصیل سے مطالبہ کی شرط ملحوظ ہو تو یہ عقد کفالت بن جاتا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایسے عقود میں محض الفاظ کو نہیں دیکھا جائے گا؛ بلکہ مقاصد کو پیشِ نظر رکھا جائے گا۔ علامہ علی بن عثمان بن محمد التیمی الحنفیؒ فتاویٰ سراجیہ میں لکھتے ہیں:

وعن السيد الإمام أبي شجاع والقاضي الحسن الماتريدي والقاضي الإمام على الصغدي أن بيع الوفاء رهن حقيقةً، ولا يطلق الانتفاع للمشتري إلا بإذن البائع، فهو ضامن لما أكل واستهلک، وللبائع استرداده إذا قضى دينه متى شاء؛ لأنهم يريدون به الرهن حقيقة، والعبرة للمقاصد لا للألفاظ، ألا ترىٰ أن الكفالة بشرط براءة الأصيل حوالة، والحوالة بشرط مطالبة الأصيل كفالة. (الفتاویٰ السراجية ٤٢٢ إتحاد ديوبند)

درمختار اور شامی میں ہے:

قيـل هـو رهـن فتـضـمـن زوائـده (درمـختار) وقال الشامي: وفي حاشية الـفـصولين عن جواهر الفتاوىٰ: هو أن يقول: بعت منك على أن تبيعه مني متى جئـت بـالثمن فهٰذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن وهو الصحيح. قـال فـي الـخيرية: والذي عليه الأكثر أنه رهن، لا يفترق عن الرهن في حكم من الأحـكـام. قـال السيد الإمام: قلت للإمام الحسن الماتريدي: قد فشا هٰذا البيع بيـن الـنـاس. وفيـه مـفسـدة عـظيـمة، وفتواک أنه رهن وأنا أيضاً على ذٰلک، فـالـصـواب أن نـجـمع الأئمة ونتفق على هٰذا ونظهره بين الناس، فقال: المعتبر اليوم فتوانا، وقد ظهر ذٰلک بين الناس، فمن خالفنا فليبرز نفسه وليقم دليله.

قـلـت: وبـه صـدر فـي جـامع الفصولين، فقال رامزاً لفتاوىٰ النسفي: البيع الـذي تـعـارفـه أهـل زماننا احتيالاً للربا وسموه بيع الوفاء، هو رهن في الحقيقة، لا يـمـلكه ولا ينتفع به إلا بإذن مالكه، وهو ضامن لما أكل من ثمره، وأتلف من شجره، ويسـقـط الدين بهلاكه لو بقي، ولا يضمن الزيادة وللبائع استرداده إذا قضى دينه، لا فـرق عـندنا بينه وبين الرهن في حكم من الأحكام، ثم نقل ما مرَّ عن السيد الإمام.

(الـدر الـمـختـار مـع الشـامـي، كتـاب البيـوع / بـاب الـصـرف، مـطلب في بيع الوفاء ٤٥/٧ ٥-٥٤٦ زكريا، ٤٢٤/٧-٤٢٥ دار إحياء التراث العربي بيروت، الفتاوىٰ الهندية ٢٠٩/٣، خانية على الهندية ١٦٤/٢-١٦٥)

مذکورہ بالا عبارات سے واضح ہوا کہ ان علماء وفقہاء کے نزدیک مقصد عقد کا اعتبار کرتے ہوئے بیع الوفاء پر رہن کے تمام احکامات جاری ہوتے ہیں اور یہ معاملہ ظاہراً بیع اور باطناً رہن کا ہے، اور اصولی اعتبار سے اس معاملہ میں عدم جواز کا پہلو غالب ہے۔ چناں چہ فقیہ النفس حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری نور اللہ مرقدہما وغیرہم کی رائے یہی ہے۔ حضرت سہارنپوریؒ کی تحریر کے الفاظ درج ذیل ہیں: ’’بیع الوفاء مروجہ اگرچہ مختلف فیہ ہے؛ لیکن برائے قواعد شرعیہ عدم جواز سے خالی نہیں‘‘۔ (فتاویٰ خلیلیہ ۳۹۵/۱)

قولِ ثانی:- بیع الوفاء کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں بعض پہلوؤں کے

اعتبار سے اگر چہ فساد پایا جاتا ہے؛ لیکن انجامِ کار یہ ایک جائز عقد بن جاتا ہے، جس کے ذریعہ مشتری کے لئے مبیع پر قبضہ کے بعد اس سے انتفاع حلال قرار دیا جاتا ہے، جیسا کہ دیگر بیوعاتِ فاسدہ میں قبضہ کے بعد ملکیت مان لی جاتی ہے، نیز لوگوں کی ضرورت کا خیال کرتے ہوئے شرطِ فاسد کو بھی اس عقد میں گوارا کرلیا گیا ہے۔ فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

بيع المعاملة وبيع الوفاء واحدٌ وإنه بيع فاسد؛ لأنه بيع بشرط لا يقتضيه العقد، وإنه يفيد الملك عند اتصال القبض به كسائر البيوع الفاسدة، مذكورة في فتاوىٰ أبي بكر بن الفضل. (الفتاوىٰ السراجية ٤٢٢ اتحاد ديوبند)

اور درمختار میں ہے:

وقيل بيع يفيد الانتفاع به، وفي إقالة شرح المجمع عن النهاية: وعليه الفتوىٰ. (درمختار)

اس پر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

هٰذا محتمل لأحد القولين، الأول أنه بيع صحيح مفيد لبعض أحكامه من حل الانتفاع به إلا أنه لا يملك بيعه. قال الزيلعي في الإكراه: وعليه الفتوىٰ. الثاني: القول الجامع لبعض المحققين أنه فاسد في حق بعض الأحكام حتى ملك كل منهما الفسخ، صحيح في حق بعض الأحكام: كحل الإنزال، ومنافع المبيع ورهن في حق البعض، حتى لم يملك المشتري بيعه من آخر، ولا رهنه وسقط الدين بهلاكه، فهو مركب من العقود الثلاثة: كالزرافة، فيها صفة البعير والبقر والنمر جوز لحاجة الناس إليه بشرط سلامة البدلين لصاحبهما. قال في البحر: وينبغي أن لا يعدل في الإفتاء عن القول الجامع. وفي النهر: والعمل في ديارنا على ما رجحه الزيلعي. (شامي، كتاب البيوع / باب الصرف، مطلب: في بيع الوفاء ٥٤٦/٧ زكريا)

اور تبیین الحقائق میں ہے:

ومن مشايخ سمرقند من جعله بيعاً جائزاً مفيداً بعض أحكامه، منهم

الإمام نجم الدين النسفي فقال: اتفق مشايخنا في هٰذا الزمان فجعلوه بيعاً جائزاً مفيداً بعض أحكامه، وهو الانتفاع به دون البعض، وهو البيع لحاجة الناس إليه ولتعاملهم فيه، والقواعد قد تترك بالتعامل، وجوز الاستصناع لذٰلک، وقال صاحب النهاية: وعليه الفتوىٰ. (تبيين الحقائق ٢٣٧/٦ زكريا)

اورعلامہ چلپی تبیین الحقائق کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

والأصح عندي أنه بيع فاسد يوجب الملک بعد القبض، وحكمه سائر البياعات الفاسدة، لأنه بيع بشرط لا يقتضيه العقد، وقد نهى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عن بيع وشرط. (حاشية چلپی تبيين الحقائق ٢٣٨/٦)

اورحکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہٗ نے اضطرارشدید کے موقع پر بائع کے لئے اس قول کواختیار کرنے کی اجازت دی ہے۔(دیکھئے: امدادالفتاویٰ ۱۰۸/۳)

قولِ ثالث:- لوگوں کے عرف وتعامل اورضرورت کوملحوظ رکھتے ہوئے بعض حضراتِ فقہاء نے اس عقدکودائرۂ جواز میں لانے کے لئے یہ حیلہ پیش فرمایا ہے کہ اولاً بیع کومطلق عن الشرط رکھاجائے، اورپھرمجلس عقد کے بعدآپس میں یہ طے کرلیاجائے کہ جب ثمن کی واپسی ہوگی تواس بیع کااقالہ کرلیاجائے گا، گویابیع الگ ہوااوروعدہ الگ، دونوں آپس میں مشروط نہ ہوں۔ ہمارے اکابرمیں ناظم مظاہرعلوم حضرت مولاناعبداللطیف صاحبؒ نے ایک طویل فتویٰ میں اسی قول پرفتویٰ دیاہے جوفتاویٰ خلیلیہ ۳۹۵/۱ پردرج ہے۔ فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

وعن الشيخ القاضي الإمام الإسبيجابي أنه قال: إنه بيع جائز، ويوفي بالوعد، قال بعض مشائخنا: من أراد أن يرتهن شيئاً ويباح له الغلة، فالوجه أن يشتري المحدود شراء باتًّا، ثم يقول المشتري للبائع: بعد التفرق عن مجلس العقد أن يقيل هٰذا البيع إليه إذا أوفى إليه جميع ما أدى من الثمن. (الفتاوىٰ السراجية ٤٢٢)

اورتبیین الحقائق میں ہے:

وإن ذكرا البيع من غير شرط ثم ذكرا الشرط على الوجه المعتاد جاز

البيع، ويلزمه الوفاء بالميعاد؛ لأن المواعيد قد تكون لازمة، قال عليه الصلوٰة والسلام: العدة دين. (المعجم الطبراني في الأوسط رقم: ١٥١٣، المجمع الزوائد وقال فيه حمزة بن داؤد ضعفه الدارقطني ١٦٦/٤)

فيجعل هٰذا الميعاد لازماً لحاجة الناس إليه. (تبيين الحقائق ٢٣٧/٦ ديوبند)

اور بعض فقہاء نے اس میں یہ شرط بھی بڑھائی ہے کہ یہ بیع مطلق عن الشرط ثمن مثل پر یا غبن یسیر (یعنی قیمت مثل سے معمولی کمی) کے ساتھ ہونی چاہئے۔ پس اگر غبن فاحش کے ساتھ یہ بیع ہوگی تو اصل مقصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ معاملہ بیع کا نہ ہوگا؛ بلکہ صرف رہن کا ہوجائے گا اور اس پر رہن کے احکام جاری ہوں گے۔

قال الشامي: قلت: وهٰذا ظاهر على هٰذا القول بأنه بيع صحيح لا يفسد الشرط اللاحق، فلا ينافي ما يأتي عن الشرنبلالية، هٰذا وفي الخيرية فيما لو أطلق البيع ولم يذكر الوفاء، إلا أنه عهد إلى البائع أنه إن أوفى مثل الثمن يفسخ البيع معه. أجاب: هٰذه المسئلة اختلف فيها مشائخنا على أقوال: ونص في الحاوى الزاهدي، أن الفتوىٰ في ذٰلک أن البيع إذا أطلق، ولم يذكر فيه الوفاء، إلا أن المشتري عهد إلى البائع أنه إن أوفى مثل ثمنه فإنه يفسخ معه البيع يكون باتًّا، حيث كان الثمن ثمن المثل أو بغبن يسير، وبهٖ أفتى في الحامدية أيضاً، فلو كان بغبن فاحش مع علم البائع به فهو رهن. (شامي، كتاب البيوع / باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء ٥٤٧/٧ زكريا، ٤٢٥/٧ دار إحياء التراث العربي بيروت)

بہرحال یہ قول دراصل جواز کا ایک حیلہ ہے، تاہم اس میں دو باتیں قابلِ لحاظ ہیں:

اول یہ کہ یہ معاملہ معروف ہونے کی بنا پر شرط نہ لگائے جانے کے باوجود مشروط ہی کے درجہ میں ہے۔ دوسرے یہ کہ عموماً یہ بیع ثمن مثل پر نہیں ہوتی؛ بلکہ غبن فاحش کے ساتھ ہوتی ہے۔ مثلاً اصل زمین کی قیمت اگر دس لاکھ روپئے ہے، تو اس پر دو لاکھ روپئے ثمن کے طور پر طے ہوتے ہیں، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہاں بیع مقصود نہیں؛ بلکہ رہن ہی مقصود ہے۔

اِنہی سب وجوہات کی وجہ سے اَکابر علماء نے اِس بیع کو مشتری کے لئے مشتبہ قرار دیا ہے۔
اس بارے میں فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی نور اللہ مرقدہٗ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کا درج ذیل فتویٰ بہت چشم کشا ہے، حضرت بیع الوفاء سے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''یہ صورت بیع الوفاء کی ہے اور اس کے جواز وعدم جواز میں اختلاف ہے، اور نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ اس طریقہ سے عقد کرنا بیع ہے یا رہن؟ اگر رہن ہے تو ظاہر ہے کہ بائع راہن ہوگا اور مشتری مرتہن، اور مرتہن کو شئ مرہونہ سے نفع حاصل کرنا علی الصحیح ناروا اور سود ہے۔

لأن كل قرض جر نفعاً فهو ربا. (فتح القدير / كتاب الحوالة ٦/ ٣٥٥، المصنف لابن أبي شيبة ٤/ ٣٣٣ بيروت)

اور اگر بیع ہے جیسا کہ ظاہر ہے، تو اس بیع میں یہ شرط کی گئی ہے کہ پندرہ سال کے اندر اگر بائع ثمن کو واپس کردے تو مشتری مبیع کو واپس کردے اور یہ قاعدہ فقہیہ ہے کہ ایسی شرط سے بیع فاسد ہوجاتی ہے، پس بہر حال عقد مذکور شرعاً صحیح نہیں ہے، اور اس کے مشتبہ ہونے میں تو کچھ شبہ ہی نہیں ہوسکتا؛ لہٰذا ترک کرنا اس کا لازم ہے؛ کیوں کہ مشتبہات سے بچنا بھی مامور بہ ہے، اور اتقاء شبہات موجب حفاظت دین ہے''۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱۴/ ۳۲۶)

اس سے معلوم ہوگیا کہ یہ عقد شبہ سے خالی نہیں ہے۔ اب رہ گئی یہ ضرورت کہ بغیر اس طرح کے معاملہ کے ضرورت مند غریب کو قرض نہیں مل پاتا، تو اس کی بنیاد پر یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ ایسے ضرورت مند کے لئے اسی طرح گنجائش نکالی جائے جیسے محتاج شخص کے لئے سود پر قرض لینے کی گنجائش ہوتی ہے۔ كما في الأشباه: يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح.

لیکن قرض دینے والوں کے لئے مبیع یا مرہون سے انتفاع کی حلت یقیناً مشتبہ ہے، اور بالخصوص بہار وغیرہ کے علاقوں میں اس معاملہ کے جواز کا بہانہ بنا کر غریب کاشت کاروں کی زمینوں کے ساتھ امیر لوگوں کا جو استحصال عرصوں سے جاری ہے وہ صریح ظلم ہے، اس کی ہرگز تائید نہیں کی جاسکتی۔ ہونا یہ چاہئے کہ مرتہن جائیداد کو نفع بخش بنائے اور اس کی آمدنی جمع کرتا رہے، اور

جب دین کے بقدر آمدنی ہوجائے تو اپنا قرض وصول کرلے اور جائیداد اصل مالک کو واپس کردے، یہی شکل بے غبار ہے، اور شبہ سے خالی ہے۔

جواب (ا)ب:- اس عقد کو خواہ رہن مانا جائے یا بیع، بہرصورت سابقہ ادا کردہ قیمت ہی لازم ہوگی، اس سے زائد کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا؛ رہن ماننے کی صورت میں تو یہ حکم ظاہر ہے، اور بیع ماننے کی صورت میں یہ یا تو بیع فاسد ہے جس کا فسخ ثمن مثل سے ضروری ہوتا ہے، یا عقد بیع سے الگ وعدۂ اِقالہ ہے، اور اِقالہ ثمن اول ہی پر ہوا کرتا ہے، اور یہ وعدہ کم از کم دیانۃً لازم ہے۔

وقيل إن بلفظ البيع لم يكن رهناً، ثم إن ذكرا الفسخ فيه أو قبله أو زعماه غير لازم كان بيعاً فاسداً. ولو بعده على وجه الميعاد جاز، ولزم الوفاء به؛ لأن المواعيد قد تكون لازمة لحاجة الناس وهو الصحيح. (الدر المختار مع الشامي ٤٢٥/٧-٤٢٦ بيروت)

جواب (ا)ج:- اس صورت میں خریدار کا مبیع سے فائدہ اٹھانا بالکل حرام تو نہیں کہا جاسکتا؛ کیوں کہ مالک کی طرف سے اس انتفاع کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت موجود ہے؛ البتہ مشتبہ ضرور ہے؛ اس لئے کہ اس میں ربا کا شبہ پایا جاتا ہے، جیسا کہ اوپر جواب [(ا)الف] میں گذر چکا ہے۔

جواب (ا)د:- اگر بیع مطلق واقع ہوئی ہے تو اصولاً بیع تام اور نافذ ہوچکی، اور مشتری کو مبیع کے اندر ہر طرح کا تصرف بشمول بیع کرنے کا حق حاصل ہوگیا؛ لیکن چوں کہ اس میں عقد سے ہٹ کر دوسرے کے ہاتھ بیع نہ کرنے کا وعدہ بھی کیا گیا ہے، اس لئے اس وعدہ کے پیش نظر مشتری اس کے بیچنے کا حق نہ رکھے گا، اور اس معاملہ میں یہ تصرف شئے مرہون میں تصرف کے مثل ہوگا، حتیٰ کہ جو حضرات فقہاء اس طرح کی بیع کو مطلق جائز کہتے ہیں وہ بھی بیع ثانی کے حق میں اس عقد کو رہن کے درجہ میں رکھتے ہیں۔

الثاني: القول الجامع لبعض المحققين أنه فاسد في حق بعض الأحكام؛ حتى ملك كل منهما الفسخ صحيح في حق بعض الأحكام: كحل الإنزال، ومنافع المبيع، ورهن في حق البعض حتى لم يملك المشتري بيعه من آخر.

(شامي، كتاب البيوع / باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء ٥٤٦/٧ زكريا، ٤٢٥/٧ بيروت)

حکم بیع الوفاء مروجہ: بصورتِ رہن

جواب (۲) الف:- اگر اس معاملہ میں بیع کا لفظ استعمال نہ ہو؛ بلکہ صرف رہن کا ذکر ہو، جیسا کہ عام رواج ہے کہ لوگ اس طرح کے لین دین کے وقت بیع کا ذکر نہیں کرتے؛ بلکہ رہن ہی کے ارادہ سے معاملہ کرتے ہیں، تو اب سوال یہ ہے کہ اگر راہن اجازت دیدے تو مرتہن کے لئے جائیداد سے انتفاع جائز ہوگا یا نہیں؟ تو اس بارے میں فقہاء کی دو رائے ہیں:

(۱) یہ کہ اس اجازت کا کوئی اعتبار نہیں اور مرتہن کے لئے یہ نفع اٹھانا سراسر سود ہے، یہ رائے سمرقند کے بڑے عالم علامہ عبداللہ بن محمد اسلم سمرقندیؒ کے حوالہ سے علامہ شامیؒ نے ان الفاظ میں نقل فرمائی ہے:

لا يحل له أن ينتفع بشيئ بوجه من الوجوه، وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً، فيبقى له المنفعة فضلاً فيكون رباً، وهٰذا أمر عظيمٌ. (شامي / كتاب الرهن ۱۰/۸۳ زكريا، مجمع الأنهر ۴/۲۷۳ مكتبه فقيه الأمة ديوبند)

(۲) دوسری رائے جو فقہ حنفی کی عام کتابوں میں مذکور ہے، وہ یہ ہے کہ اگر راہن اجازت دیدے تو مرتہن کے لئے شئ مرہون سے نفع اٹھانا سود نہیں ہے؛ بلکہ فی نفسہٖ جائز ہے۔

وليس للمرتهن أن ينتفع بالمرهون إلا بإذن الراهن، فإذا أذن له جاز أن يفعل ما أذن له فيه. (البحر الرائق / كتاب الرهن ۸/۲۳۸، مجمع الأنهر ۴/۲۷۳ فقيه الأمة ديوبند)

اب ان دونوں متعارض اقوال میں تطبیق دیتے ہوئے فقہاء نے دو توجیہیں پیش فرمائیں:

توجیہ (۱):- علامہ سمرقندیؒ کا فتویٰ احتیاط اور دیانت پر مبنی ہے، جب کہ عام معتبر کتابوں میں اصل مسئلہ بیان کیا گیا ہے؛ لیکن اس توجیہ کو علامہ حمویؒ نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ سود سے متعلق مسائل میں دیانت اور قضا دونوں کا حکم یکساں ہوتا ہے، اس لئے یہ تطبیق بے نتیجہ ہے۔

توجیہ (۲):- دوسری توجیہ یہ ہے کہ اگر رہن کا عقد کرتے ہوئے یہ شرط لگا دی جائے کہ مرتہن شئ مرہون سے فائدہ اٹھائے گا تو یہ معاملہ ناجائز ہوگا اور اگر شرط نہیں لگائی؛ بلکہ بعد میں

ویسے ہی اجازت دے دی تو یہ درست ہوگا، اور اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر مستقرض کسی سے قرض لینے کے بعد اپنی خوشی سے اس کی خدمت میں ہدیہ پیش کرے تو اگر یہ ہدیہ قرض میں مشروط ہے تو ممنوع ومکروہ ہوگا، اور اگر شرط نہ ہو تو گنجائش ہوگی۔ یہ توجیہ بظاہر قواعد کے موافق ہے، اور بہت سے علماء نے اس تفصیل کو قبول کیا ہے؛ لیکن علامہ شامیؒ نے بعض فقہاء کے حوالہ سے یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ چوں کہ متعارف یہی ہے کہ مرتہن شئ مرہون سے نفع اٹھاتا ہے، اور اگر کسی مرتہن کو یہ پتہ چل جائے کہ اسے مرہون سے نفع کی اجازت نہ ملے گی تو وہ ہرگز قرض دینے پر آمادہ نہ ہوگا؛ لہٰذا ''المعروف کالمشروط'' کے ضابطہ سے یہاں بھی ممانعت ہی کو ترجیح ہوگی۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:

قلت: وهٰذا مخالف لعامة المعتبرات من أنه يحل بالإذن إلا أن يحمل على الديانة، وما في ''المعتبرات'' على الحكم، ثم رأيت في جواهر الفتاوىٰ: إذا كان مشروطاً صار قرضاً فيه منفعة وهو ربا، وإلا فلا بأس، ما في المنح ملخصاً. وأقره ابنه الشيخ صالح. وتعقبه الحموي بأن ما كان رباً لا يظهر فيه فرق بين الديانة والقضاء. وعلى أنه لا حاجة إلى التوفيق بعد أن الفتوىٰ على ما تقدم: أي من أنه يباح.

أقول: ما في الجواهر يصلح للتوفيق وهو وجيه، وذكروا نظيره فيما لو أهدى المستقرض للمقرض: إن كانت بشرط كره، وإلا فلا. وما نقله الشارح عن الجواهر أيضًا من قوله: لا يضمن يفيد أنه ليس بربا؛ لأن الربا مضمون فيحمل على غير المشروط، وما في الأشباه من الكراهة على المشروط، ويؤيده قول الشارح لا آتي آخر الرهن: إن التعليل بأنه ربا يفيد أن الكراهة تحريمية فتأمل. وإذا كان مشروطاً ضمن كما أفتى به في الخيرية فيمن رهن شجر زيتون على أن يأكل المرتهن ثمرته نظير صبره بالدين.

قال ط: قلت: والغالب من أحوال الناس أنهم إنما يريدون عند الدفع

الانتفاع، ولولاه لما أعطاه الدراهم، وهٰذا بمنزلة الشرط، لأن المعروف كالمشروط وهو مما يعين المنع، والله تعالىٰ أعلم.

فائدة:- قال في التاتارخانية ما نصه: ولو استقرض دراهم وسلم حماره إلى المقرض، ليستعمله إلى شهرين حتى يوفيه دينه، أو داره ليسكنها فهو بمنزلة الإجارة الفاسدة، إن استعمله فعليه أجر مثله ولا يكون رهناً. وقدمناه في الإجارات، فتنبه. (شامي / كتاب الرهن ١٠/٨٣-٨٧ زكريا)

وقد علمت ترجيح القول بأنه رهن وأنه لا تصح إجارته من البائع. (شامي، كتاب البيوع / باب الصرف، مطلب: باع داره وفاءً ثم استأجر ٧/٥٤٩ زكريا)

اور ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے بھی اس بحث کا خلاصہ درج ذیل الفاظ میں بیان فرمایا ہے، جو قابل لحاظ ہے:

وإذا أذن الراهن للمرتهن في الانتفاع بالمرهون، جاز مطلقاً عند بعض الحنفية. ومنهم من منعه مطلقاً؛ لأنه ربا أو فيه شبهة الربا، والإذن أو الرضا لا يحل الربا ولا يبيح شبهته. ومنهم من فصل فقال: إن شرط الانتفاع على الراهن في العقد، فهو حرام؛ لأنه ربا، وإن لم يشرط في العقد، فجائز؛ لأنه تبرع من الراهن للمرتهن. والاشتراط كما يكون صريحاً، يكون متعارفاً، والمعروف كالمشروط.

وهٰذا التفصيل هو المتفق من روح الشريعة، والغالب من أحوال الناس أنهم عند دفع القرض إنما يريدون الانتفاع، ولولاه لما أعطوا الدراهم، وهٰذا بمنزلة الشرط؛ لأن المعروف كالمشروط، وهو مما يُعيّن المنع، كما قال ابن عابدين.

وأرى أن الاحتياط في الدين أمر واجب، وكل قرض جر نفعاً مشروطاً أو متعارفاً فهو عند الحنفية ربا، وقد صرح ابن نجيم في الأشباه أنه يكره (أي تحريماً) للمرتهن الانتفاع بالرهن. وقال في التاترخانية ما نصه: ولو استقرض دراهم، وسلم حماره إلى المقرض ليستعمله إلى شهرين، حتى يوفيه دينه، أو

داره ليسكنها فهو بمنزلة الإجارة الفاسدة، إن استعمله فعليه أجر مثله، ولا يكون رهنا. وعليه نرى أن ما اعتاده الناس في زماننا من رهن الدور على أن يسكنها المرتهن، ريثما يرد إلى الراهن دينه، وهو قرض، غير جائز باتفاق المذاهب، وليس العقد من قبيل بيع الوفاء، لعدم انصراف مقاصدالناس إلى البيع. (الفقه الإسلامي وأدلته ١٤٦/٥-١٤٧)

اورعلامہ عبدالرحمٰن الجزیری نے اس مسئلہ کی تلخیص درج ذیل عبارت میں فرمائی ہے:

أما المرتهن فأن في جواز انتفاعه بالمرهون بإذن الراهن خلافاً: فبعضهم يقول: لا يحل الانتفاع بالمرهون ولو أذنه الراهن، سواء كان سبب الدين بيعاً أو قرضاً؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً. فتبقى له المنفعة زيادة بدون مقابل، وهٰذا هو عين الربا، ولكن الأكثر على أنه يجوز انتفاع المرتهن بالمرهون إذا أذنه الراهن بشرط أن لا يشترط ذٰلک في العقد؛ لأنه إذا شرطه يكون قرضاً جر نفعاً وهو رباً. ونظير هٰذا ما لو افترض من شخص مالاً ثم أهدى له هدية، فإن كانت الهدية مشروطة فإنها تكون مكروهة أما إذا كانت بدون شرط فإنها جائزة له وإذا أذنه فليس له الرجوع، فإذا استعمل المرتهن المرهون بإذن الراهن وهلک أثناء استعماله فإنه يهلک أمانة، فلا شيء على المرتهن ويبقى دينه، أما إذا هلک بعد استعماله أو قبله فإنه يهلک بالدين.

(الفقه على المذاهب الأربعة مكمل، كتاب أحكام البيع وما يتعلق به / مبحث الانتفاع بالمرهون ٥٨٢ بيروت)

اس سب تفصیل کا خلاصہ یہی نکلا کہ مرتہن کے لئے مرہون سے انتفاع شبہ سے خالی نہیں ہے اور اس سے احتراز لازم ہے۔

گویا کہ راہن اگر قرض لینے میں مجبور ہو تو اس کے لئے تو گنجائش نکل سکتی ہے؛ لیکن مرتہن کے لئے انتفاع بہر حال مشتبہ ہوگا، اکثر محققین علماء ومفتیان کی رائے یہی ہے۔

جواب (۲) ب:- مرتہن کا شئ مرہون کو کرایہ پر لینا عقد رہن کو باطل کر دیتا ہے؛ لہٰذا

ایسی صورت میں رہن کا معاملہ ختم ہو جائے گا، صرف قرض اور کرایہ داری کا معاملہ باقی رہے گا، اور یہ کرایہ راہن کا حق ہوگا۔ اور مروجہ صورت میں چوں کہ کرایہ کی کمی کی بنیاد قرض پر ہے، اس لئے قرض پر نفع اٹھانے کا محظور پایا جائے گا اور یہ بھی ممنوع ہے۔

قال في الشامي: وأما إذا آجره المشتري وفاءً بإذن البائع فهو كإذن الراهن للمرتهن بذٰلک، وحكمه أن الأجرة للراهن ...... الخ. قلت: وإذا آجره بإذنه يبطل الرهن، كما ذكره في حاشيته على الفصولين. (شامي، كتاب البيوع / باب الصرف، مطلب: باع داره وفاءً ثم استأجر ۷/۹ ٥٤٥ زكريا)

قال الشيخ عبد الرحمن الجزيري: الحالة الثانية أن يكون المستأجر هو المرتهن وجدد استلام المرهون بالإجارة، أو يكون المستأجر أجنبيًا عنهما بإذنهما، وفي هٰذه الحالة يبطل عقد الرهن، وتكون الأجرة للراهن. (الفقه على المذاهب الأربعة مكمل، كتاب أحكام البيع وما يتعلق به / مبحث الانتفاع بالمرهون ٥٨٣)

جواب (۲) ج:- اس جزء کا جواب [(۲) الف] میں آچکا ہے۔

جواب (۲) د:- مرتہن کو عام حالات میں شئ مرہون کو فروخت کرنے کا حکم نہیں ہے؛ لیکن اگر راہن اجازت دیدے تو اس کی بیع نافذ ہو جائے گی اور وہ شئ مرہون کو بیچ کر اپنا قرض وصول کرکے مابقیہ رقم راہن کو لوٹا سکتا ہے، قرض سے زائد رقم وصول کرنا درست نہ ہوگا۔

ليس للمرتهن بيع ثمرة الرهن (درمختار) وفي الشامي: أى إذا لم يبحها له الراهن. (شامي، كتاب الرهن / باب ما يجوز ارتهانه وما لا يجوز ۱۰/ ۱۱۷ زكريا)

ولا يملك راهن ولا مرتهن بيعه بغير رضى الآخر. (تنوير الأبصار مع الدر المختار ۱۰/ ۹۷ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۴/۴/۲۰ھ
(اسلامک فقہ اکیڈمی کیلئے لکھے گئے مقالہ سے ماخوذ)

کتاب الربوا

سود کے مسائل

سود کی تعریف

سوال (۱):- کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:
سود کی تعریف مفتی بہ قول کے مطابق کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود کا تحقق شرعاً دو صورتوں میں ہوتا ہے:

(۱) **ربا الفضل** :- یعنی وہ مشروط زیادتی جو عقد معاوضہ میں کیلی اور وزنی چیزوں میں متعاقدین میں سے کسی ایک کے لئے لگائی جائے۔

(۲) **ربا النسیئہ**:- یعنی وہ زیادتی جو مدت کے مقابلہ میں وصول کی جائے۔

ان دونوں کی تفصیلی تعریف صاحب بدائع نے اس طرح فرمائی ہے:

أما الأول فالربوا في عرف الشرع نوعان: ربا الفضل وربا النساء: أما الفضل: فهو زيادة عين مال شرطت في عقد البيع على المعيار الشرعي، وهو الكيل أو الوزن في الجنس عندنا. وأما ربا النساء: فهو فضل الحلول على الأجل، وفضل العين على الدين في المكيلين أو الموزونين عند اختلاف الجنس أو في غير المكيلين أو الموزونين عند اتحاد الجنس عندنا. (بدائع الصنائع، البيوع / مسائل الربا ٤/ ٤٠٠ نعيمية ديو بند)

فذهب الحنفية والمالكية والحنابلة إلى أنه نوعان:

١-: ربا الفضل: وعرفه الحنفية بأنه فضل خال عن عوض بمعيار شرعي

مشروط لأحد المتعاقدين في المعاوضة.

۲:- ربا النسيئة: وهو: فضل الحلول على الأجل، وفضل العين على الدين في المكيلين أو الموزونين عند اختلاف الجنس، أو في غير المكيلين أو الموزونين عند اتحاد الجنس. (الموسوعة الفقهية ۲۲/۲۷ رقم المسئلة: ۱۲ وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية كويت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۱۲/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سود کے بارے میں شریعت کا ضابطہ؟

سوال (۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ماہنامہ ندائے شاہی مرادآباد اکتوبر ۱۹۹۱ء کے رسالہ صفحہ نمبر ۴۵ پر بعنوان ’’دینی مسائل اوران کا حل‘‘ میں آپ نے کسی سائل کے معلوم کرنے پر سود لے کر دینا جائز قرار دیا ہے، کیا یہ مسئلہ ہر خاص وعام پر لاگو ہوتا ہے یا کسی ایک شخص کے لئے، اگر سود لے کر سود دینا آپ نے جائز قرار دے دیا ہے، تو ہر مؤمن سود لے سکتا ہے اور دے سکتا ہے؟ یہ شرط بینک کے ساتھ ہی کیوں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مال حرام کے بارے میں ضابطۂ شریعت یہ ہے کہ وہ مال اس کے اصل مالک کو لوٹا دیا جائے، اور اگر کسی وجہ سے یہ نہ ہوسکے، تو وبال سے بچنے کی نیت سے غرباء ومساکین پر صدقہ کردیا جائے، سرکاری بینک سے جو سود ملتا ہے یہ مال حرام ہے، اب اسے اصل مالک (سرکاری خزانہ) کو لوٹانے کی ضرورت ہے، خواہ کسی بھی عنوان سے ہو، اس لوٹانے کی ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ بینک سے سود لینے والے پر اگر اسی قسم کے بینک کا سودی قرض بھی ہے، تو اس قرض کے سود میں بینک سے حاصل شدہ سود کی رقم لگادی جائے؛ تاکہ اس واسطے سے سود کی حرام رقم اس کے مالک تک پہنچ جائے، ندائے شاہی (ندائے شاہی اکتوبر ۱۹۹۱ء)

میں جوفتویٰ شائع ہوا ہے، اس میں صرف یہ بتایا گیا ہے کہ اس سودی رقم کا مصرف قرض کا سود بھی ہوسکتا ہے، رہا اسی مقصد سے کسی شخص کا بینک یا کسی دوسرے آدمی سے سودی لین دین کرنا تو یہ بالکل ناجائز ہے، اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، اور بالقصد ایسا معاملہ کرنے والا سود کے بارے میں قرآن وحدیث میں ذکر کردہ وعیدوں کا یقیناً مستحق ہوگا۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يردّه إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلّا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ۳۵۹/۱ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه، ۱٤۸/۱ مصري)

وفي الشامي: فإن علموا أربابه ردوه عليهم وإلا تصدقوا به. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب في الاستبراء، فصل في البيع ۳۸٦/٦ كراچی، ۵۵۳/۹ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۲/۴/۲۰ھ

ربا اور سود سے متعلق آیات واَحکام

سوال (۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ربوا کا مسئلہ بینک کاری: ربوی کے ایک ہی معنی بیان کئے گئے ہیں اور وہ ہے ''زیادتی''

سورۃ البقرۃ ۲/۵ کی آیت نمبر ۲۷۵: میں اللہ تعالیٰ کا قول: **﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾** یعنی اللہ تعالیٰ البیع (تجارت) کو حلال قرار دیا ہے اور زیادتی کو حرام قرار دیا ہے۔ اب اس زیادتی کو کس چیز میں حرام قرار دیا ہے کی تلاش کی جائے تو سب سے پہلے ''البیع'' میں کہنا پڑے گا؛ اس لئے کہ اس لفظ سے یہاں تجارت کا ذکر ہے۔ جس کو حلال قرار دیا ہے اس سلسلہ میں اس میں زیادتی کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ مجمل متفقہ طور پر ہر زبان میں مستعمل ہے۔

سورۃ آل عمران ۳، آیت نمبر ۱۳۰: میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **﴿لاَ تَأْكُلُوا الرِّبٰوا**

اَضۡعَافًا وَ مُضَاعَفَةً﴾ یعنی زیادتی کومتعدد اضافوں کے ساتھ مت کھاؤ۔اس زیادتی کا اطلاق صرف تجارت پرہی کیا جاسکتا ہے۔

ایک تشنگی کہ اس زیادتی کی مقدار کتنی ہونی چاہیئے۔اس کے لئے ایک شاندار حدیث وارد ہوئی ہے، اوراس کی صحت کے تعلق سے بھی پریشانی کی ضرورت نہیں ہے۔یعنی اس حدیث کے تعلق سے حضرت عمر فاروق کا قول نقل کیا گیا ہے جس میں اُنہوں نے فرمایا''یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری دنوں میں ارشاد فرمائی ہے، اورقبل اس کے کہ وہ ہمیں اس کو سمجھاتے آپ کا وصال ہوگیا۔اورلوگوں سے کہا کہ اس میں احتیاط برتیں؛اس لئے کہ اس حدیث کا مطلب سمجھ میں نہیں آرہاہے۔واقعہ بھی ایسا ہی ہے،اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**لا ربوا درهمًا بدرهمين، تمرًا بتمرين، حنطةً بحنطتين، شعيرًا بشعيرين، قفيرًا بقفيزين، نقدًا يدًا بيد إلا النسيئة**'' یعنی ربونہیں ہے،ایک درہم کے دو درہم ،ایک کھجور کے دو کھجور،ایک گیہوں کے دو گیہوں ،ایک بارلی کے دو ربالی اورایک ...... کے نقدا یک ہاتھ سے لینا دوسرے سے دینا،سوائے ''النسيئة'' کے۔

''النسيئة'' کے معنی بھول جانے ،انکاروغیرہ کے آسکتے ہیں،انسان اسی سے ہے اوراس کی فطرت ظاہر ہے،المؤطا میں امام مالک نے ''النسيئة'' کی تعریف بیان کیا ہے،اُنہوں نے لکھا ہے زمانۂ جاہلیت میں جب قرض لیاجاتا،تو ایک معاہدہ ہوتا کہ کتنا لوٹایا جائے گا اور کب لوٹایا جائے گا وغیرہ۔وقتِ مقررہ پرقرض دینے والا قرض دار سے کہتا ''أتقضي أم تربوا'' کیا قرض ادا کرتا ہے پرربویٰ'' کیا جائے،اگر وہ قرض ادا کرنے کے قابل ہوتا تو ادا کرتا، ورنہ اس پرربوی کیا جاتا یعنی مرتے پر مار'' اسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے حیائی فرمایا ہے،اور یہ ایسی ہے کہ کوئی اپنی ماں سے نکاح کرے۔اس کا ترجمہ زنا سے کیا گیا ہے،زنا تو کسی کونے کچڑے میں لوگوں کی آنکھوں سے دورکیا جاتا ہے،مگر نکاح علی الاعلان کیا جاتا ہے،کہ میں نے اپنی ماں سے نکاح کیا ہے اس میں ایسی بے حیائی ہے کہ اس کو بہت بڑا بے حیا ہی پسند کرے۔

اس کے علاوہ کتاب البیوع میں جہاں تجارتی عدل کوملحوظ نہیں رکھا گیا ہے وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وھو الربوا'' مثلاً مال بازار میں آنے سے پہلے راستے میں خریدنا، درخت پر کچے پھل خریدنا، مال روکے رکھنا کے بعد میں زیادہ قیمت پر فروخت کیا جاسکے، وغیرہ۔

اس کے بعد والی آیت یعنی ۲۷۶ر میں اللہ تعالی فرمایا ہے: میں صدقات کو بڑھاتا ہوں اور ربوا کو مٹاتا ہوں'' ظاہر ہے اگر کوئی تاجر اپنے مال کو زیادہ قیمت پر فروخت کرنا چاہے تو اس کی تجارت جلد یا بڑھ جائے گی۔اسی طرح صدقات کا جدول گذشتہ چودہ سوسال سے صدقات چاہے کسی بھی قوم کے کیوں نہ ہوں بڑھ ہی رہے ہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ربو کے بارے میں سائل کی پریشان خیال تحریر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نہ صرف سود کو؛ بلکہ بیع میں بھی قیمت کی زیادتی کو ربوا قرار دینا چاہتے ہیں، حالاں کہ یہ دعویٰ قرآنِ پاک اورنصوصِ شرعیہ کے قطعاً خلاف ہے، اسلام میں فی نفسہٖ بیع حلال ہے، جس میں فریقین کی تراضی کی بنیاد پر جتنی چاہے قیمت مقرر کی جاسکتی ہے، اگر بیع میں قیمت کی زیادتی پر روک لگائی جائے تو بیع آگے بڑھ ہی نہیں سکتی اور ساری دنیا کا کاروبار منجمد ہوکر رہ جائے گا، اس میں نفع کے تناسب کو لوگوں کی ضروریات کے اعتبار سے کم وبیش کرنا پسندیدہ تو کہا جاسکتا ہے؛ لیکن اس کی عام حالات میں تحدید کرنا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ بسا اوقات لینے والے کی نظر میں خود بخود مبیع کی قدر بڑھ جاتی ہے اور اس کے برخلاف ربا النسیئہ میں مدت کے مقابلے میں ہرطرح کی زیادتی اور نفع حرام ہوتا ہے، اور ربا الفضل میں ایسی زیادتی جو قدر وجنس کے ذریعہ پکڑ میں آسکے، جنس کے جنس سے تبادلہ میں ممنوع ہوتی ہے، جس کے دلائل واضح اور مشہور ہیں اور سائل نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے جو روایت: ''**لا ربوا درهمًا بدرهمين إلى آخره**'' پیش کی یہ کس کتاب میں ہے اس کا حوالہ مطلوب ہے؛ تاکہ اصل دیکھ کر صحیح مطلب معلوم کیا جاسکے۔

عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه

وسلم: يا بني النجار ثامنوني بحائطكم، وفيه خِرَبٌ ونَخُلٌ. (صحيح البخاري، البيوع / باب صاحب السلعة أحق بالسوم ۲۸۳/۱ رقم: ۲۰۵۹ ف: ۲۱۰٦)

قوله: ثامنوني، أي قدروا معي ثمنه وبيعونيه بالثمن. (مجمع البحار بحواله: حاشية صحيح البخاري ۳۸۸/۱)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رجلاً جاء فقال: يا رسول اللّٰه! سعِّر فقال: بل أدعُو، ثم جاء رجل فقال: يا رسول اللّٰه! سعِّر، فقال: بل اللّٰه يخفض ويرفع، وإني لأرجو أن ألقى اللّٰه، وليس لأحد عندي مظلمة. (سنن أبي داؤد، كتاب الإجارة / باب في التسعير ٤٨٩/٢ رقم: ٣٤٥٠)

عن أنس رضي اللّٰه عنه قال الناس: يا رسول اللّٰه! غلا السِّعرُ فَسَعِّرلنا فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن اللّٰه هو المسعِّر القابض الباسط الرازق، وإني لأرجو أن ألقى اللّٰه، وليس أحد منكم يطالبني بمظلمة في دم ولا مال. (سنن أبي داؤد، كتاب الإجارة / باب في التسعير ٤٨٩/٢ رقم: ٣٤٥١، سنن الترمذي ٢٤٥/١ رقم: ١٤٢٨، سنن ابن ماجة، التجارات / باب من كره أن يسعر ١٥٩/١ رقم: ٢٢٠٠)

عن أبي سعيد قال: غلا السعر على عهد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقالوا: لو قَوَّمْتَ يا رسول اللّٰه! قال: إني لأرجو أن أفارقكم ولا يطلبني أحد منكم بمظلمة ظَلَمْتُهُ. (سنن ابن ماجة، التجارات / باب من كره أن يسعر ١٥٩/١ رقم: ٢٢٠١)

قال أبو بكرة رضي اللّٰه عنه: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ولا تبيعوا الذهب بالذهب إلا سواء بسواء والفضة بالفضة إلا سواء بسواء، وبيعوا الذهب بالفضة والفضة بالذهب كيف شئتم. (صحيح البخاري، البيوع / باب بيع الذهب بالذهب ٢٩٠/١ رقم: ٢١٢٧ ف: ٢١٧٥)

عن عبد الرحمٰن بن أبي بكرة عن أبيه رضي اللّٰه عنه قال: نهى رسول اللّٰه

صلى اللّٰه عليه وسلم عن الفضة بالفضة والذهب بالذهب إلا سواء بسواء، وأمرنا أن نبتاع الذهب في الفضة كيف شئنا، والفضة في الذهب كيف شئنا.

(صحيح البخاري، البيوع / باب بيع الذهب بالورق يدًا بيد ۲۹۱/۱ رقم: ۲۱۳۲ ف: ۲۱۸۲)

عن عبادة بن الصامت رضي اللّٰه عنه قال: إني سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ينهى عن بيع الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح إلا سواء بسواء عينًا بعين، فمن زاد أو ازداد فقد أربى فرد الناس ما أخذوا. (صحيح مسلم ۲٤/۲)

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الذهب بالذهب والفضة بالفضة، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل يدًا بيد، فمن زاد أو استزاد فقد أربى، الآخذ والمعطي فيه سواء. (صحيح مسلم، المساقات / باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقدًا ۲٥/۲ رقم: ۱٥۸٤)

عن أبي سعيد رضي اللّٰه عنه قال: كنا نرزق تمر الجمع على عهد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وهو الخلط من التمر، فكنا نبيع صاعين بصاع فبلغ ذٰلک رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: لا صاعَيْ تمر بصاع، ولا صاعي حنطة بصاع، ولا درهم بدرهمين. (صحيح مسلم، المساقات / باب بيع الطعام مثلاً بمثل ۲۷/۲ رقم: ۱٥۹٥، سنن ابن ماجة ۱٦۳/۲)

عن البراء بن عازب وزيد ابن أرقم رضي اللّٰه عنهما قالا: نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن بيع الورق بالذهب دينًا. (صحيح مسلم، المساقات / باب النهي عن بيع الورق بالذهب دينًا ۲٥/۲ رقم: ۱٥۸۹)

نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: عن بيع الذهب بالورق دينًا.

(صحيح البخاري، البيوع / باب بيع الورق بالذهب نسيئة ۲۹۱/۱ رقم: ۲۱۳۱ ف: ۲۱۸۰)

أما ربا النسيئة فهو الأمر الذي كان مشهورًا متعارفًا في الجاهلية، وذٰلک أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذوا كل شهر قدرًا معينًا، ويكون رأس المال باقيًا، ثم إذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال، فإن تعذر عليه الأداء، زادوا في الحق والأجل، فهٰذا هو الربا الذي كانوا في الجاهلية يتعاملون به، وأما ربا النقد فهو أن يباع من الحنطة بمنوين منها، وما أشبه ذٰلک، إذا عرفت هٰذا فنقول: المروي عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما أنه كان لايحرم إلا القسم الأول، فكان يقول: لا ربوا إلا في النسيئة، وكان يجوز ربا النقد (ربا الفضل) ثم إنه رجع عنه. (الأعلام لابن القيم ۱/۲ ۳۵ بحواله: إعلاء السنن ۵۲۱/٤ النسخة القديمة)

عن حبان بن عبيد اللّٰه العدوي قال: سألت أبا مجلز عن الصرف فقال: كان ابن عباس رضي اللّٰه عنهما لايرى به بأسًا زمانا من عمره ما كان منه عينًا يعني يدًا بيد، فكان يقول: إنما الربا في النسيئة، فلقيه أبو سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه فقال له: يا ابن عباس! ألا تتقى اللّٰه إلى متى تؤكل الناس الربا، أما بلغک أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال ذات يوم وهو عند زوجته أم سلمة: إني لأشتهي تمر عجوة فبعثت صاعين من تمر إلى رجل من الأنصار، فجاء بدل صاعين صاع من تمر عجوة، فقامت فقدمته إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، فلما رآه أعجبه فتناول تمرة ثم أمسک فقال: من أين لكم هٰذا؟ فقالت أم سلمة رضي اللّٰه عنها: بعثت صاعين من تمر إلى رجل من الأنصار فأتانا بدل صاعين هٰذا الصاع الواحد، وها هو كل، فألقى التمرة بين يديه فقال: ردوه لا حاجة لي فيه، التمر بالتمر، والحنطة بالحنطة، والشعير بالشعير، والذهب بالذهب، والفضة بالفضة يداً بيد عينًا بعين مثلاً بمثل، فمن زاد فهو ربا، ثم قال: كذٰلک ما يكال ويوزن أيضًا، فقال ابن عباس: جزاک اللّٰه يا أبا

سعيد الجنة، فإنک ذکرتني أمراً کنت نسيته أستغفر اللّٰه أتوب إليه، فکان ينهى عنه بعد ذٰلک أشد النهي. (المستدرك للحاكم ٤٩/٢، النسخة القديمة ٤٣/٢ رقم: ٢٢٨٢)

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه يقول: الدينار بالدينار والدرهم بالدرهم، فقلت له: فإن ابن عباس لا يقوله، فقال أبو سعيد: سألته، فقلت: سمعته من النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أو وجدته في کتاب اللّٰه، فقال: کل ذٰلک لا أقول: وأنتم أعلم برسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم مني، ولکن أخبرني أسامة أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا ربوا إلا في النسيئة، قال أبو عبد اللّٰه: سمعت سليمان بن حرب يقول: لا ربوا إلا في النسيئة، قال: هٰذا عندنا في الذهب بالورق والحنطة بالشعير متفاضلًا لا بأس به يدًا بيد، ولا خير فيه نسيئة. (صحيح البخاري ٢٩١/١ رقم: ٢١٣٠، سنن ابن ماجة ١٦٣/٢، صحيح مسلم ٢٧/٢)

النسأ والنسيئة هو التاخير لغة وعزماً، والنسيئة الآخرة واستنسأه سأله أن ينسئه دينه أي يؤخره کذا في القاموس، وهو يعم البيع والقرض جميعًا يقال النقد خير من النسيئة أي العاجل خير من الآجل. (إعلاء السنن ٥٢١/١٤)

عن عثمان بن عفان رضي اللّٰه عنه قال: قال لي رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا تبيعوا الدينار بالدينارين، ولا الدرهم بالدرهمين. (المؤطا للإمام مالك ٢٦١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵؍۴؍۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا سودی رائج شکلوں کا حکم قرآن کے حرام کردہ سود کے علاوہ ہے؟

سوال (۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض پڑھے لکھے لوگ اس شبہ میں بھی مبتلا ہیں کہ قرآنِ کریم نے جس ربوا کو حرام قرار دیا ہے،

وہ ایک خاص قسم کا کاروبار تھا، جو زمانۂ جاہلیت میں رائج تھا کہ کوئی غریب مصیبت زدہ شخص اپنی مصیبت دور کرنے کے لئے کسی سے قرض لے لیتا ہے، اور قرض خواہ اس پر ایک نفع (سود) لیا کرتا تھا۔ یہ بے شک ایک سنگ دلی کی بات تھی کہ کوئی شخص کسی کی مصیبت میں اس کی مدد کرنے کے بجائے الٹا اس کی مصیبت سے فائدہ اٹھائے، قرآن نے سود کی اس صورت کو حرام قرار دیا ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس حرمت کا اطلاق آج کے زمانہ میں سود کی اس صورت پر ہو سکتا ہے جو مہاجنوں اور دوسرے سود خوروں کے وہاں شخصی اور انفرادی طور پر رائج ہے کہ کوئی ضرورت مند وغریب اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے (خواہ کوئی چیز گروی رکھ کر یا اور کسی اعتماد کی بناپر) ان سے قرض لیتا ہے اور اس پر حسبِ شرط وتعیین سود ادا کرتا ہے؛ لیکن آج کل تجارتوں، بینکوں، کمپنیوں اور اجتماعی اداروں کے ذریعہ جو سودی کاروبار ہوتا ہے، اس کی صورت بالکل مختلف ہے، اب سود دینے والے مصیبت زدہ لوگ نہیں ہیں؛ بلکہ متمول اور سرمایہ دار تجار ہیں جو غریبوں سے سود لینے کے بجائے خود ان کو سود دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں غریبوں کا ہی فائدہ ہے کہ بہت سے قلیل سرمایہ والے لوگ مذکورہ ذرائع سے کچھ نہ کچھ حاصل کر لیتے ہیں: لہٰذا موجودہ دور کے تجارتی سود پر حرمت کا اطلاق نہیں ہونا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اخبار میں شائع شدہ یہ حصۂ مضمون واقعی ناقص اور ادھورا ہے، اس میں سود کی حرمت پر شبہ کرنے والوں کا موقف پیش کیا گیا ہے، اس کا جواب نہیں دیا، جواب اس کا یہ ہے کہ دورِ نبوت میں بھی تجارتی سود کی شکلیں رائج تھیں، مکہ کے تجارتی قافلوں میں سرمایہ لگایا جاتا تھا، اور اس کے لئے سودی لین دین بھی ہوتا تھا، اس کے باوجود قرآن وسنت میں سود کی ممانعت کی گئی ہے، جو بلا فرق کے تمام صورتوں پر نافذ ہوتی ہے، اس موضوع پر علماء نے رسائل بھی تحریر فرمائے ہیں، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا رسالہ "جواہر الفقہ" میں موجود ہے۔

قولہ: ﴿ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا، وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ

الـرِّبَـوٰا﴾، أي إنما جوّزوا بذٰلک لاعتراضهم على أحكام اللّٰه في شرعه، وليس هٰذا قيـاسًـا مـنهـم للربا على البيع، لأن المشركين لا يعترفون بمشروعية أصل البيـع الـذي شرعه اللّٰه في القرآن ولو كان هٰذا من باب القياس لقالوا: إنما الربا مثـل البيـع، وإنـمـا قـالـوا: ﴿اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبوٰا﴾ أي هو نظيره، فلم حرم هٰذا وأبيـح هٰـذا؟ وهٰـذا اعتراض منهم على الشرع، أي هٰذا مثل هٰذا، وقد أحل هٰذا وحـرم هٰـذا، وقوله تعالىٰ: ﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَوٰا﴾ يحتمل أن يكون من تـمـام الـكلام ردًّا عليهم، أي على ما قالوه من الاعتراض، مع علمهم بتفريق اللّٰه بين هٰذا وهٰذا حكمًا. (تفسير ابن كثير مكمل ٢١٦ دار السلام للنشر والتوزيع الرياض)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن تشترى الثمرة حتى تـطـعـم، وقـال: إذا ظهر الزنا والربا في قرية فقد أحلّوا بأنفسهم عذاب اللّٰه. (المستدرك للحاكم ٣٧/٢، الترغيب والترهيب مكمل ٤١٩ رقم: ٢٨٨٢)

عـن ابـن مسعود رضي اللّٰه عنه ذكر حديثًا عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وقـال فيـه: ما ظهر في قوم الزنا والربا إلا أحلوا بأنفسهم عذاب اللّٰه. (المسند لأبي يعلىٰ رقم: ٤٩٨١، الترغيب والترهيب مكمل ٤١٩ رقم: ٢٨٨٣ بيت الأفكار الدولية)

عـن عمرو بن العاص رضي اللّٰه عنهما قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: ما من قوم يظهر فيهم الربا إلا أُخِذوا بالسنة، وما من قوم يظهر فيهـم الرشا إلا أُخِذوا بالرعب. (الـمسـنـد للإمام أحمد بن حنبل ٢٠٥/٤، الترغيب والترهيب مكمل ٤١٩ رقم: ٢٨٨٤ بيت الأفكار الدولية)

رُويَ عـن عبـادة بن الصامت رضي اللّٰه عنه عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسـلم قال: والذي نفسي بيده ليَبيتنَّ أُناسٌ من أمتي على أَشَرٍ وبطرٍ ولعبٍ ولهوٍ، فيـصبحوا قردةً وخـنـازير، بـاستـحلالهم المحارم واتخاذهم القينات وشربهم الخمر، وبأكلهم الربا، ولبسهم الحرير. (رواه عبد اللّٰه ابن الإمام أحمد في زوائده ٣٢٩/٥،

الترغیب والترهیب مکمل ٤٢٠ رقم: ٢٨٩٢ بیت الأفکار الدولیة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۲/۸/۵ھ

حدیث ربا کا مطلب

سوال (۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان: "**الحنطة بالحنطة والشعير بالشعير والملح بالملح والفضة بالفضة والذهب بالذهب والتمر بالتمر مثلاً بمثل يدا بيدٍ والفضل ربوا**" اس حدیث شریف کا کیا مطلب ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اشیاء ستہ ربویہ کے لین دین میں (اتحادِ جنس کے وقت) برابری اور نقدا نقدی کا لحاظ رکھا جانا ضروری ہے۔

الربا محرم في كل مكيل أو موزون إذا بيع بجنسه متفاضلاً، فالعلة عندنا الكيل مع الجنس، والوزن مع الجنس. (الهداية / أول باب الربا)

قال النووي: اختلفوا في العلة التي هي سبب تحريم الربا في الستة: ...... **وأما أبوحنيفة فقال: العلة فى الذهب والفضة من نحاس وحديد وغيرهما، وفي الأربعة: الكيل فيتعدي إلى كل مكيل كالجص والأشنان وغيرهما** ...... **قوله: يدًا بيدٍ: ويستفاد منه الحلول والتقابض في المجلس، وهما من الشروط الثلاثة، إذ المراد بالأول المماثلة بالوزن والكيل، وبالثاني اتحاد مجلس تقابض العوضين بشرط عدم افتراق الأبدان، وبالثالث الحلول لا النسيئة.** (مرقاة المفاتيح / باب الربا ٦/٤ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۴/۱۲/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سودی لین دین کرنے والے سے معاملات کرنا؟

سوال (۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی مسلمان سودی کاروبار کرتا ہے، اپنے پیسہ کو سود پر دیتا ہے، اس کے ساتھ تعلق رکھنا یا اس کے یہاں شادی بیاہ جیسا رشتہ کرنا اور مسلمانوں کا اس میں شریک ہونا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ دوم بینک کا سود شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ مندرجہ بالا مسئلہ کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ مطلع فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود لینے کی نیت سے بینکوں میں روپیہ جمع کرنا ہرگز جائز نہیں، اگر جمع کردیا ہے تو اس سے ملنے والے سود کو وہاں سے نکال کر مصارف مالِ حرام میں صرف کرنا لازم ہے، اور اپنے کسی استعمال میں لانا حرام ہے۔ اگر کسی شخص کی غالب آمدنی سود کی ہو تو اس کا ہدیہ لینا، اس کے یہاں کھانا کھانا اس وقت تک درست نہ ہوگا، جب تک کہ وہ صراحت نہ کردے کہ وہ ہدیہ یا کھانا حلال مال سے ہے، اگر ایسے شخص کے ساتھ تعلق رکھنے میں اس کی ہدایت اور حرام کاروبار چھوڑنے کی اُمید ہو، تو اس سے تعلق رکھنے کی گنجائش ہے، ورنہ اس سے بھی احتراز کیا جائے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ﴾ [البقرة: ۲۷۸]

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الربوا سبعون جزءاً أيسرها أن ينكح الرجل أمه.

وعن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن الربوا وإن كثر، فإن عاقبته تصير إلى قل. رواهما ابن ماجة والبيهقي في شعب الإيمان، وروى أحمد الأخير. (مشكاة المصابيح / باب الربوا، الفصل الثالث ۲٤٦)

من ملك أمور لا غير طية أو غير غصب أموالاً، وخلطها ملكها بالخلط

ويصير ضامنًا ...... إن علمت أصحابه أو ورثتهم وجب رده عليهم وإلا وجب التصدق. (شامي، كتاب الإجارة / مطلب في التصدق من المال الحرام ٢٩١/٢ دار الفكر بيروت، كذا في مجمع الأنهر / كتاب الزكاة ٢٨٥/١ دار الكتب العلمية بيروت)

إن كان غالب مال المهدي من الحرام ينبغي له أن لايقبل الهدية ولا يأكل من طعامه مالم يخبر أنه حلال إذ أنه استقرض من غيرہ. (فتاوىٰ قاضي خان)

أهدىٰ إلى رجل شيئًا أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام ينبغي أن لا يقبل الهدايا ولا يأكل الطعام إلا أن يخبره بأنه حلال الح. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات ٣٤٢/٥ كوئٹه، مجمع الأنهر، كتاب الكراهية / فصل في الكسب ١٨٦/٤ دار الكتب العلمية بيروت، بزازية، كتاب الكراهية / الفصل الرابع في الهداية ٣٦٠/٦ كوئٹه)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٣٦٥/٦ كراچی، ٥٥٣/٩ زكريا)

أكل الربوا وكاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه وغالب ماله حرام لايقبل ولا يأكل ما لم يخبره أن ذٰلک المال أصله حلال ورثه أو استقرضه. (الفتاوىٰ الهندية ٣٤٣/٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۲/۲۴/ ۱۴۱۰ھ

کیا جگہ اور حالات کے بدلنے سے سود کی تعریف بدلتی ہے؟

سوال (۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اختلافِ حالات، مکانات، اوقات اور اشخاص کے سبب سود کی تعریف میں اختلاف ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود کی تعریف ہر جگہ کے لئے ایک ہی ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة، جزءآیت: ۲۷۵]

وهو في الشرع عبارة عن فضل مال لا يقابله عوض في معاوضة مال بمال. (الفتاویٰ الهندية، البيوع / الباب التاسع، الفصل السادس ۱۱۷/۳ زكريا، كذا في الكنز / باب الربا ۲٤۸ زكريا، الدر المختار مع الشامي، البيوع / باب الربا ١٦٨/٥ دار الفكر بيروت، الهداية / باب الربا ۸۰/۳ دار المعارف ديوبند، كتاب الفقه على المذاهب الأربعة/ مباحث الربا، تفريعه وأقسامه ۲۲۷/۲ دار الكتب العلمية بيروت، تكملة فتح الملهم / باب الربا ٥٦٦/١ دار العلوم کراچی، تبيين الحقائق / باب الربا ٤٤٦/٤ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/۱۲/۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا سود لینے اور دینے والے دونوں کا حکم یکساں ہے؟

سوال (۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

سود لینے اور دینے کی حدیث میں خفت وشدت ہے یا یہ کہ لینے دینے دونوں کا حکم ایک ہی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: حدیث شریف میں سود لینے اور دینے والے دونوں کے لئے یکساں وعید اور لعنت وارد ہوئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نفسِ گناہ میں یہ سب شریک ہیں، اگرچہ مقدار میں اختلاف ہو۔

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم ۷۲/۲ رقم: ١٥٩٨، سنن الترمذي ۲۲۹/۱ رقم: ١٢٠٦، مشكاة المصابيح، البيوع / باب الربا ٢٤٤، مرقاة المفاتيح ٤٣/٦ رقم: ٢٨٠٧ دار الكتب العلمية بيروت)

قوله: هم سواء: أي في أصل الإثم، وإن كانوا مختلفين في قدره. (مرقاة

المفاتيح، البيوع / باب الربا ٤٣/٦ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۱۲/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مختلف الاجناس اشیاء میں ربوا کا تحقق کب ہوگا؟

سوال (۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اختلاف جنس کے سبب مکیلات، موزونات، معدودات میں ربوا کا تحقق ہو رہا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اختلافِ جنس کی صورت میں کمی وبیشی کے ساتھ لین دین درست ہے، مگر ادھار جائز نہیں، ورنہ ربا ہو جائے گا۔

عن عبادة بن الصامت رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبُرُّ بالبُرِّ، والشعير بالشعير، والتمُر بالتمُر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواءً بسواءٍ. (صحيح مسلم رقم: ١٥٨١، مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع / باب الربا، الفصل الأول ٤٣/٦ دار الكتب العلمية بيروت)

قوله: ''إذا كان يدًا بيدٍ'' أي حالاً مقبوضًا في المجلس قبل افتراق أحدهما عن الآخر. (مرقاة المفاتيح، البيوع / باب الربا، الفصل الأول ٤٤/٦ دار الكتب العلمية بيروت)

قال أبو المنهال: سألت البراء بن عازبٍ وزيدَ بن أرقَم رضي اللّٰه عنهم عن الصرف، فكل واحدٍ منهما يقول: هٰذا خيرٌ مني، فكلاهما يقول: نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن بيع الذهب بالورق دَينًا. (فتح الباري، كتاب البيوع / باب بيع الورق بالذهب نسيئةً ٤٨١/٥ رقم: ٢١٨١ دار الكتب العلمية بيروت)

عن سمرة بن جندب رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه نهى عن بيع الحيوان بالحيوان نسيئة. (السنن الكبرىٰ للبيهقي / باب ما جاء في النهي عن بيع

الحيوان بالحيوان نسيئة ٤٧٢/٥ رقم: ١٠٥٣٢ دار الكتب العلمية بيروت)

وإذا وجد أحدهما وعدم الأخر حل التفاضل وحرم النساء. (الهداية ٦٣/٣)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۱۲/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۰ ر کلو گیہوں کو ۱۵ ر کلو گیہوں کے بدلہ اُدھار دینا؟

سوال (۱۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نقد اور نسا میں مثلاً ایک شخص نے آج ۱۰ ر کلو گیہوں یا ۱۰ ر گرام سونا یا ۱۰ ر انڈے اس شرط پر ادھار لئے کہ چند دنوں کے بعد مدیون دائن کو ادا کردے گا، تو ۱۰ ر کلو گیہوں کے بجائے ۱۵ ر کلو یا کم وبیش یا ۱۰ ر گرام سونا کے بجائے ۱۲ ر گرام یا کم وبیش اور ۱۰ ر انڈے کے بجائے ۱۲ ر انڈے یا کم وبیش دائن کو ادا کرے گا، تو ان صورتوں میں سود ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہ سب صورتیں سود میں داخل ہیں۔

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ...... ولا تبيعوا الورق بالورق إلا مثلاً بمثل. (صحيح البخاري رقم: ٢١٧٧، صحيح مسلم رقم: ١٥٨٤، مشكاة المصابيح، البيوع / باب الربا رقم: ٢٨١٠)

أخرج الحارث بن أبي سلمة في مسنده عن علي أمير المؤمنين: كل قرض جر منفعةً فهو ربا. (فيض القدير / حرف الكاف ٣٤/٥ رقم: ٦٣٣٦ دار الفكر بيروت، شامي ١٦٦/٥ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۱۲/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سودی اسکیم میں ضمانتی بننا؟

سوال (۱۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ملک کے مسلمانوں میں بے روزگاروں کو اور حکومت کی نظر میں مسلمانوں میں پچھڑی ذاتوں کے بے روزگاروں کو قرض دینے کے لئے جو محکمے بنائے گئے ہیں، مثلاً قومی وصوبائی اقلیتی فلاح وبہبود ادارہ اور پچھڑا طبقہ فلاح وبہبود ادارہ، یہ سرکاری محکمے بے روزگار مسلمانوں کو مختلف اسکیموں کے تحت ایک متعین وقت کے لئے سود پر قرض دیتے ہیں، جیسے بینک سود پر قرض دیتی ہیں اسی طرح یہ سرکاری ادارے بھی قرض سود پر دستیاب کراتے ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ بینک کا سود ان اداروں کے مقابلہ میں کم نہ ہوتا ہے اس کے علاوہ بھی کچھ سہولیات بینکوں کی بنسبت مہیا کرائی جاتی ہیں، مثلاً بینک سے قرض لینے کے لئے زمین جائیداد کے کاغذات بینک میں رکھنے پڑتے ہیں، جب کہ ان سرکاری فلاحی اداروں سے قرض لینے کے لئے صرف دو ضمانتی ہی مہیا کرانے پڑتے ہیں۔ مختصر یہ کہ سرکاری فلاحی ادارے جو قرض دیتے ہیں، اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ وہ سالانہ کم فیصد سود کی در سے ایک متعین وقت میں آسان قسطوں کی شکل کے ساتھ واپسی کی قید لگا کر دیا جاتا ہے، اس قرض کو اگر کوئی اپنی طرف سے وقت پر جمع نہیں کراتا تو اس رقم پر سود چڑھتا رہتا ہے، آخر میں قرض لینے والا اگر رقم واپس نہیں کرتا تو پھر یہ ادارے اس رقم کی وصول یابی کے قانونی کارروائی اس کے ضمانتیوں کے خلاف بھی کی جاسکتی۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا ان سرکاری اداروں سے یہ رقم لینا جائز ہے، اور کیا اس قرض کی رقم لینے والے کی ضمانت لینا جائز ہے؟ اور کیا یہ بھی درست ہے کہ یہ قرض لے کر کیا جانے والا کاروبار سودی کاروبار کہلائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی بھی سودی اسکیم کو قبول کرنا یا اس میں ضمانتی بننا جائز نہیں ہے، ہاں اگر کوئی اسکیم ایسی ہو جس میں انجام کے اعتبار سے سود لازم نہ آتا ہو، تو اس کا حکم الگ ہوگا۔

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم ۷۲/۲ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي ۲۲۹/۱ رقم: ۱۲۰٦، مشكاة المصابيح، البيوع / باب الربا ۲٤٤، مرقاة المفاتيح ٤۳/٦ رقم: ۲۸۰۷ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴/۱۰/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا ہندوستان دارالحرب ہے؟

سوال (۱۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک عالم صاحب کہتے ہیں کہ ہندوستان دارالحرب ہے، اور دارالحرب میں سود لینا جائز ہے، چناں چہ ''البحر الرائق'' میں ہے: لا ربا بين المسلم والحربي في دار الحرب. (البحر الرائق ۱۳٥/٦) لہٰذا ہندوستان میں سود کا جواز ہونا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: فقہ کے جزئیہ ''لا ربا بين المسلم والحربي في دار الحرب'' میں وہ مسلمان مراد ہے جو ویزا لے کر باہر سے کسی غیر مسلم ملک میں جائے، مثلاً کوئی مسلمان ویزا لے کر اسرائیل یا امریکہ جائے، تو اس کے لئے وہاں کے غیر مسلم باشندوں سے سود لینا ''ربا'' نہیں کہلائے گا؛ لیکن جو مسلمان ہندوستان جیسے ملک کا مستقل شہری ہو، اُس کے لئے یہاں رہنے والے دیگر شہریوں اور بینکوں سے سود لینا جائز نہیں ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۱۵۷/۳، ایضاح النوادر ۹۷/۱)

قال إبراهيم النخعي وأبو حنيفة رحمهم اللّٰه تعالىٰ: إنه لا ربا بين أهل الحرب وأهل الإسلام في دار الحرب. وقال أبو يوسف والشافعي وأحمد ومالك رحمهم اللّٰه بخلافه. (إعلاء السنن / باب الربا في دار الحرب ۳۳۳/۱٤ إدارة القرآن كراچی)

ولا بين حربي ومسلم ومستامن ولو بعقد فاسد أو قمار ثمه. (الدر المختار

مع الشامي / باب الربا، قبيل باب الحقوق ١٨٦/٥ كراچی، ٤٢٢/٧ زكريا)

وبين الحربي والمسلم ثمة: أي لا ربا بينهما في دار الحرب، وكذلك إذا تبايعا بيعًا فاسدًا في دار الحرب، فهو جائز، وهٰذا عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما اللّٰه تعالىٰ. وقال أبو يوسف والشافعي رحمهما اللّٰه تعالىٰ: لا يجوز. (تبيين الحقائق، كتاب البيوع / باب الربا ٧٤٢/٤ كراچی، البحر الرائق / باب الربا ٢٢٦/٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۴/۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اگر بینک سے سود لینا حرام ہے، تو مسلمان اپنی رقم کی حفاظت کیسے کرے؟

سوال (۱۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر بینک سے سود لینا بہر صورت حرام تو مسلمان اپنی رقم کی حفاظت کی کیا شکل اختیار کریں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلمان اپنے روپئے بغرض حفاظت بینکوں کے کرنٹ اِکاؤنٹ میں رکھ سکتے ہیں؛ اور اگر کوئی سودی رقم اُن کے کھاتے میں آجائے تو اُسے اپنے استعمال میں نہ لائیں؛ بلکہ غریبوں کو تقسیم کردیں۔ (مستفاد: نظام الفتاویٰ ۲۱۲/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۴/۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہندوستان پر دارالاسلام یا دارالحرب ہونے کا حکم کب لگے گا؟

سوال (۱۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب؟ دارالاسلام ہونے یا دارالحرب ہونے کا حکم کب لگے گا، اس کی علت کیا ہے؟ اگر مان لیا جائے کہ ہندوستان دارالاسلام ہے، تو بینک یا ایل، آئی، سی، سے ملی ہوئی زائد رقم کا حکم کیا ہے؟ اسی طرح دارالحرب ہونے کی صورت میں کیا حکم لگے گا؟

بالدلیل جواب مرحمت فرمائیں۔

لیکن بعض لوگ ایک تیسری شق نکالتے ہیں کہ ہندوستان دارالامن ہے، تو یہ شق کہاں سے نکلی؟ آپ کے زمانہ میں دو ہی قسمیں تھی، تیسری کا ذکر بھی نہیں ہے۔ اگر مان لیا جائے کہ ہندوستان دارالامن ہے، تو ہندوستان کے حالات کا جائزہ لیا جائے، تو ہم مسلمانوں کو ہر اعتبار سے جن حالات ومشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، دیگر مذاہب کو نہیں کرنا پڑتا ہے، تو ہندوستان دارالامن کہاں ہوا، مثلاً اگر علماء کرام جہاد کے لئے موضوع پر کچھ گفتگو کریں تو حکومت کی طرف سے پابندی لگ جاتی ہے۔ اِسی طرح دیگر چیزیں جو ہم مسلمانوں کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہے، تشفی بخش جواب مرحمت فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت میں دارالاسلام اور دارالحرب کے احکامات بالکل جداگانہ ہیں، اور فقہاء نے ان کے متعلق شرائط بھی الگ الگ ذکر فرمائی ہیں، پہلے دور میں عموماً ان شرائط کا تحقق کسی ایک طرح کے دار پر بآسانی ہوسکتا تھا، اسی لئے کسی جگہ کو دارالاسلام یا دارالحرب قرار دینے میں زیادہ مشکل پیش نہیں آتی تھی؛ لیکن اب نیا عالمی نظام اور ملکوں کا سرحدی تعیین اور ملک میں بسنے والے شہریوں کے آپسی معاہدے اور دستور اِس انداز کے بن گئے ہیں کہ ان جگہوں پر حتمی طور پر دارالحرب یا دارالاسلام ہونے کا حکم لگانا سخت دشوار ہے؛ کیوں کہ ایسی جگہوں پر نہ تو مسلمانوں کو مطلق اقتدار اعلیٰ حاصل ہوتا ہے، اور نہ ہی ان کی مذہبی آزادی میں قانوناً کوئی دخل اندازی ہوتی ہے، ایسی جگہوں میں ہمارا ملک ہندوستان بھی شامل ہے، اس میں اگرچہ حکومتی سطح پر اسلامی قوانین جاری نہیں؛ لیکن دوسری طرف دستوری اعتبار سے مسلمانوں کو بھی وہی شہری حقوق حاصل ہیں جو غیر مسلموں کو ہیں، اِسی دستور کی بنیاد پر مسلمان اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے رہتے ہیں اور ملک کی عدالتیں جائز شکایتوں کو سن کر اُن کے ازالہ کی کوششیں کرتی ہیں؛ لہٰذا ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر اُن رخصتوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنا جو فقہاء نے

دارالحرب میں رہنے والوں کے لئے دی ہیں، دیانت وانصاف کے خلاف ہے؛ اِسی لئے اکابر مفتیان نے ہندوستان کو دارالامن یا دارالجمہوریہ کا نام دیا ہے، اور یہاں جمعہ وعیدین کے قیام، قوتِ نافذہ کے بغیر محاکم شرعیہ کو قائم کرنے نیز قومی وملی مسائل کے حل کے لئے تنظیمیں بنانے کی اجازت دی ہے، جب کہ مالی معاملات میں وہ تمام پابندیاں برقرار رکھی ہیں جو دارالاسلام میں رہنے والے مسلم شہریوں پر ہوتی ہیں، ظاہر ہے کہ احتیاط والا موقف یہی ہے، اس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۶/۲۵۵ ڈابھیل)

وقد اتفقت الأمة على أن الخروج من الخلاف مستحب قطعًا؛ لأن خلاف الأمة لا سيما خلاف جمهورهم يورث شبهة في الجواز، وقال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: ''الحلال بين والحرام بين، وبينهما مشبهات، فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه'' لا سيما وكون الهند دار الحرب عند الإمام محل نظر بعد، فالشبهة إذا قوية غير ضعيفة والتوقي عنه واجب من غير ريبة. (إعلاء السنن / باب الربا ١٤/٣٦٧ إدارة القرآن كراچی)

دار الحرب على قول أبي حنيفة لا تصير إلا بثلاثة أشياء: أحدها أن تكون متصلة بدار الحرب ليس بينها وبين دار الحرب موضع في يد أهل الإسلام، والثاني أن يجري فيها أهل الحرب أحكامهم، والثالث أن لا يبقى فيه مسلم أو ذمي آمن بالأمان الأول. (فتاویٰ خانية على هامش الهندية، كتاب السير باب الردة وأحكام أهلها، فصل في ما يبطله الارتداد ٣/٥٨٤ زكريا)

ودار الإسلام لا تصير دارالحرب إلا بإجراء أحكام الشرك فيها، وأن تكون متصلة بدار الحرب لايكون بينهما وبين دارالحرب مصر آخر للمسلمين، ولا يبقى فيها مسلم أو ذمي آمنا بالأمان الأول، فما لم توجد هٰذه الشرائط لا تصير دار الحرب. (خزانة المفتيين بحواله فتاویٰ محمودیه ١٦/٣٥٥ ڈابھیل)

في سير الأصل لأبي اليسر: أن دار الإسلام لا يصير دار الحرب ما لم يبطل جـميع ما صارت به دار الإسلام؛ لأن الحكم إذا ثبت لعلته فما بقي شيء من العلة، يبقـى بتـمامه، وفي المنشور دار الإسلام بإجراء أحكام الإسلام، فما بقي علقةٌ من علائق الإسلام يترجح بجانب الإسلام. (مجموعة الفتاویٰ / کتاب الصلاة ۲۳۸/۱ کراچی)

وذكـر الـحـلـواني إنـمـا تصير دار الحرب بإجراء أحكام الكفر، وأن لا يـحـكم فيها بحكم من أحكام الإسلام، وأن يتصل بدار الحرب وأن لا يبقى فيها مسـلـم ولا ذمي آمـنًـا بـالأمـان الأول، ...... فـإذا وجدت الشرائط كلها صارت دار الحرب، وعند تعارض الدلائل والشرائط يبقى ما كان على ما كان أو يترجح جـانـب الإسـلام احتيـاطـا. وظـاهر أنه إذا جرت أحكام المسلمين وأحكام أهل الشـرك لا تكون دار الحرب. (فتـاویٰ البـزازية عـلـى هامش الهندية، كتاب السير / فصل في الحظر والإباحة ۳۱۲/٦ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۱/۱/٦ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہندوستان کو دارالحرب کہہ کر سود کے جواز کا فتویٰ دینا؟

سـوال (۱۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے دس ہزار روپۓ فکس ڈپازٹ میں جمع کئے، ۵؍سال کے بعد اس کو دس ہزار کے بیس ہزار ملے، دس ہزار سود کے ہوگئے، کیا ان کا لینا درست ہے یا نہیں؟ علماء بریلوی اس سود کی رقم کو جائز قرار دیتے ہیں، دلیل دیتے ہیں کہ ہندوستان دارالحرب ہے، اور دارالحرب میں سود لینا درست ہے؛ لہٰذا دلائل میں ہندوستان کی حیثیت کو بھی مدلل تحریر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وبالله التوفيق: ہندوستان کی مستقل شہریت رکھنے والے مسلمان کے

لئے یہاں رہتے ہوئے سودی لین دین کرنا شرعاً حرام ہے؛ لہٰذا ایسے شخص کے لئے فکس ڈپازٹ کے ذریعہ سودی رقم لینا بالکل جائز نہ ہوگا، اور علماء بریلوی جس جزئیہ: **لا ربوا بين المسلم والحربي** سے استدلال کرتے ہیں، اس کا محمل وہ صورت ہے جب کہ کوئی مسلمان ویزا لے کر دارالاسلام سے دار الحرب جائے اور کسی حربی سے سود وصول کرے تو حلال ہے، یہ صورت ہندوستان جیسے ممالک میں نہیں پائی جاتی۔

قال إبراهيم النخعي وأبو حنيفة رحمهم اللّٰه تعالىٰ: إنه لا ربا بين أهل الحرب وأهل الإسلام في دار الحرب. وقال أبو يوسف والشافعي وأحمد ومالك رحمهم اللّٰه بخلافه. (إعلاء السنن / باب الربا في دار الحرب ۳۳۳/۱٤ إدارة القرآن كراچی)

ولا بين حربي ومسلم ومستامن ولو بعقد فاسد أو قمار ثمه. (الدر المختار مع الشامي / باب الربا، قبيل باب الحقوق ۱۸٦/٥ كراچی، ۴۲۲/۷ زكريا)

وبين الحربي والمسلم ثمة: أي لا ربا بينهما في ذار الحرب، وكذلك إذا تبايعا بيعًا فاسدًا في دار الحرب، فهو جائز، وهٰذا عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما اللّٰه تعالىٰ. وقال أبو يوسف والشافعي رحمهما اللّٰه تعالىٰ: لا يجوز. (تبيين الحقائق، كتاب البيوع / باب الربا ۷٤۲/٤ كراچی)

ولا بين الحربي والمسلم ثمة: أي لا ربا بينهما في دار الحرب عندهما خلافًا لأبي يوسفؒ. (البحر الرائق / باب الربا ۲۲٦/٦ زكريا)

في سير الأصل لأبي اليسر: أن دار الإسلام لا يصير دار الحرب ما لم يبطل جميع ما صارت به دار الإسلام؛ لأن الحكم إذا ثبت لعلته فما بقي شيء من العلة، يبقى بتمامه، وفي المنشور دار الإسلام بإجراء أحكام الإسلام، فما بقي علقةٌ من علائق الإسلام يترجح بجانب الإسلام. (مجموعة الفتاوىٰ / كتاب الصلاة ۲۳۸/۱ كراچی)

والبلاد التي في أيدي الكفرة اليوم لا شك أنها بلاد الإسلام، لعدم

اتصالها ببلاد الحرب، ولم يظهروا فيها أ؛كام الكفر؛ بل القضاة مسلمون ...... وأما البلاد التي عليها والٍ من جهتهم يجوز إقامة الجمعة والأعياد وأخذ الخراج، وتقليد القضاة، وتزويج الأيامى ...... وأما البلاد التي عليها ولاة كفار، فيجوز فيها أيضًأ إقامة الجمعة والأعياد، والقاضي قاض بتراضي المسلمين ...... وقد تقرر أن ببقاء شيء من العلة يبقى الحكم، وقد حكمنا بلا خلاف بأن هٰذه الديار قبل استيلاء التتار كانت من ديار الإسلام، وبعد استيلائهم إعلان الأذان أو الجمعة والجماعات والحكم بمقتضى الشرع والفتوىٰ والتدريس ذائعٌ بلا نكير من ملوكهم، فالحكم بأنها من بلاد الحرب لا جهة له نظرًا إلى الدراسة والدراية، وإعلان بيع الخمور وأخذ الضرائب والمكوس، والحكم من البعض برسم التتار كإعلان بني قريضة بالتهود وطلب الحكم من الطاغوت في مقابلة محمد عليه الصلاة والسلام في عهده بالمدينة، ومع ذٰلک كانت بلدة الإسلام بلا ريب. (لفتاوىٰ لبزازية على هامش الفتاوىٰ الهندية، كتاب السير / فصل في الحظر الإباحة ٦/ ٣١١ زكريا)

درج بالاعبارت نقل کرنے کے بعد حضرت مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلیؒ نے دارالحرب کی شرائط کا ہندوستان میں انکار کیا ہے اور آخر میں تحریر فرمایا ہے کہ: ’’پس یہ بلاد دارالحرب نہ ہوں گے، نہ بمذہب امام ابوحنیفہ اور نہ بمذہب صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ‘‘۔ (مجموعۃ الفتاویٰ/ کتاب العلم والعلماء ۱/ ۱۲۳ کراچی، بحوالہ: فتاویٰ محمودیہ ۱۶/ ۲۷۳-۲۷۲ ڈابھیل) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۳۰/ ۳/ ۱۴۱۹ھ

وقتِ مقررہ پر زمین کی قیمت ادا نہ کرنے پر غیر مسلم سے انٹرسٹ لینا؟

سوال (۱۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے اپنی ایک غیر منقولہ جائیداد کئی لاکھ روپئے میں فروخت کی، جس کو ایک غیر مسلم نے

اُدھار اِس شرط پر خریدلیا کہ چار ماہ کے اندر ساری قیمت ادا کر دوں گا، اور اگر چار ماہ کے اندر نہ دے سکا تو جتنے ماہ کی تاخیر ہوگی، اسی حساب سے ہر ماہ ۲۰؍ ہزار روپئے انٹرسٹ دیتا رہوں گا، اور رقم جوں کی توں ذمہ میں باقی رہے گی۔ اب حال یہ ہے کہ مشتری وقتِ مقررہ پر رقم ادا نہیں کر سکا، تو کیا زید مشتری سے ۲۰؍ ہزار روپئے انٹرسٹ لے کر اپنے مصرف میں لاسکتا ہے، جو کئی لاکھ روپئے بنتے ہیں؟ یا مشتری غیر مسلم سے لے کر مسلم غرباء پر صرف کر دے جو حکم شرعی ہو مع دلائل بیان فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود کی شرط پر مذکورہ بیع منعقد کرنا ہی جائز نہ تھا، اب اگر مبیع پر قبضہ دے دیا گیا ہے، تو بائع صرف اصل قیمت کا حق دار ہے، سودی زائد رقم کے مطالبہ کا بھی اسے شرعاً حق نہیں ہے، یہ حرام مال کسی بھی نیت سے غیر مسلم سے وصول نہ کیا جائے۔

ولو سلمنا جواز الربا بين المسلم والحربي في الهند، فلا ريب أن جانب الاحتياط والتوقي عنه أولىٰ وأحرىٰ. (إعلاء السنن، كتاب البيوع / أبواب بيوع الربا، تحقيق كون الهند دار الحرب أو دار الإسلام الخ ٣٦٨/١٤ كراچی)

وإذا قبض المشتري المبيع برضاء بائعه صريحًا أو دلالةً في البيع الفاسد ولم ينهه ملكه بمثله إن مثليًا وإلا فبقيمته. (تنوير الأبصار، البيوع / باب البيع الفاسد ٢٨٧/٧-٢٩٠ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۵/۳/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۲؍ ہزار جمع کر کے ایک لاکھ ۲۰؍ ہزار بینک سے لینا؟

سوال (۱۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک صاحب نے ۱۲؍ ہزار روپئے چندسال قبل بینک میں جمع کر دئے تھے، بیس سال بعد بینک والے ایک لاکھ ۲۰؍ ہزار روپئے دیں گے، تو کیا یہ صورت جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک سے سود لینے کے لئے اس طرح رقم بینک میں جمع کرنا جائز نہیں ہے۔

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة، جزء آیت: ۲۷۵]

عن عبد اللّٰه بن حنظلة غسيل الملائكة رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: درهم ربا يأكله الرجل وهو يعلم أشد من ستة وثلاثين زنية.

(المسند للإمام أحمد بن حنبل ٥/٢٢٥، الترغيب والترهيب مكمل ٤١٩ رقم: ٢٨٧٧ بيت الأفكار الدولية)

عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه ذكر حديثًا عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وقال فيه: ما ظهر في قوم الزنا والربا إلا أحلوا بأنفسهم عذاب اللّٰه. (المسند لإمام أبي يعلى ٤٩٨١، الترغيب والترهيب مكمل ٤١٩ رقم: ٢٨٨٣ بيت الأفكار الدولية)

عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: بين يدي الساعة يَظهر الربا والزنا والخمر. (رواه الطبراني ورواته رواة الصحيح، الترغيب والترهيب مكمل ٤٢٠ رقم: ٢٨٨٧ بيت الأفكار الدولية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۸/۸/۱۴۱۷ھ

بھارت سرکار اور غیر مسلم لوگوں کی مشترکہ کمپنی میں پیسہ جمع کر کے سود لینا؟

سوال (۱۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک کمپنی میں ۴۹ر فیصدی حصہ بھارت سرکار کا ہے، اور ۵۱ر فیصدی حصہ خالص غیر مسلم لوگوں کا ہے، تو کیا اس کمپنی میں روپیہ پیسہ جمع کر کے منافع (سود) کمانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سودی معاملہ کو قرآن وحدیث نے حرام اور ناجائز قرار

دیا ہے، اور اس کے اختیار کرنے والوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے؛ لہٰذا اس طرح کی کسی کمپنی میں شرکت کرنا اور سود کمانا حرام ہے۔

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم ۷۲/۲ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي ۲۲۹/۱ رقم: ۱۲۰٦، مشكاة المصابيح، البيوع / باب الربا ۲٤٤، مرقاة المفاتيح ٤۳/٦ رقم: ۲۸۰۷ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۷/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کافر قرض خواہ اگر قرض سے زائد سود مانگے تو کیا حکم ہے؟

سوال (۱۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے کسی کافر سے قرض لیا، پھر اصلیت دے دی اور جو ربوا تھا اس کو ادا نہیں کیا، وہ اس پر بار بار اصرار کرتا ہے، مگر کہنے کے باوجود بھی نہیں دیتا، تو اس کا کیا حکم ہے؟ سود ادا کرے یا نہیں، اگر ادا کرے گا تو کیا گناہ ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر زید کو شدید قسم کے جانی ومالی نقصان کا اندیشہ نہ ہو تو ہرگز سود نہ دے ورنہ گنہگار رہوگا۔

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم ۷۲/۲ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي ۲۲۹/۱ رقم: ۱۲۰٦، مشكاة المصابيح، البيوع / باب الربا ۲٤٤، مرقاة المفاتيح ٤۳/٦ رقم: ۲۸۰۷ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۱۱/۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہندوستانی بینکوں سے رائج سود کا لین دین؟

سوال (۲۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اِس وقت ہندوستانی بینکوں سے رائجہ سود کا لینا اور لے کر اپنے بیوی بچوں یا دیگر اعزہ واقارب کے مصرف میں لا یا جاسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستانی بینکوں سے رائج سود لے کر اسے اپنی کسی بھی ضرورت یا اپنے بیوی بچوں، نیز دیگر اعزہ واقارب کے مصرف میں خرچ کرنا ناجائز وحرام ہے؛ بلکہ اس رقم کو لے کر بلانیت ثواب فقراء اور مساکین پر صدقہ کرنا لازم ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۹۸، فتاوی محمودیہ ۴/۲۵۲، امداد الفتاویٰ ۳/۱۵۹، احسن الفتاویٰ ۷/۲۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۲/۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہندوستانی بینکوں سے سودی لین دین؟

سوال (۲۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہندوستان میں بینکوں سے لون لینا یا سود لینا کیسا ہے؟ نیز اس میں اسلامی وغیر اسلامی بینکوں کی کوئی تخصیص ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان کے بینکوں سے لون لے کر اس پر سود دینا اور سود لینا دونوں حرام ہیں، اور جو بینک سودی لین دین کرتا ہو، وہ اسلامی ہو ہی نہیں سکتا؛ لہٰذا سود کی حرمت کا حکم ہر طرح کے بینکوں پر لاگو ہوگا۔ (امداد الفتاوی ۳/۱۵۷)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ [البقرۃ، جزء آیت: ۲۷۵]

قال تعالیٰ: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ

مُّؤۡمِنِيۡنَ﴾ [البقرة، جزء آیت: ۲۷۸] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۲/۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر مسلم سے سود لینا؟

سوال (۲۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مسلم شخص کاروبار کرتا ہے، اور اُس کے لئے لون کی رقم بینک سے لیتا ہے، جس کا سود بھی دیتا ہے، اور کاروبار میں سامان اُدھار بھی لیتا ہے، اسی دوران اُس نے ایک غیر مسلم سے بھی اُدھار مال لیا ہے، جس کی ادائیگی تین ماہ کے اندر طے ہوئی تھی، مگر ادائیگی کے لئے تقریباً ۵؍سال لگادئے اور وہ غیر مسلم اس کاروباری مسلم سے سود کی رقم بھی مانگتا ہے، تو مسلم کہتا ہے کہ ہمارے یہاں سود لینا دینا دونوں ناجائز ہیں، جب کہ یہ خود بینک سے برابر لون کی شکل میں روپیہ لیتا رہا ہے، اُس کی صحیح صورت کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سودی لین دین بہر حال حرام ہے، خواہ کسی کافر سے ہو یا سرکاری بینک سے ہو۔ بریں بناء مسئولہ صورت میں مذکورہ مسلمان کاروباری شخص کو ہر طرح کے سودی کاروبار سے بچنا لازم ہے، اور جس غیر مسلم سے اُس نے ادھار مال لیا ہے، اُسے بروقت ادا نہ کر کے وہ وعدہ خلافی کا مرتکب ہوا ہے؛ اس لئے جلد از جلد اصل رقم غیر مسلم کو لوٹانے کی فکر کرنی چاہئے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة، جزء آیت: ۲۷۵]

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم ۷۲/۲ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي ۲۲۹/۱ رقم: ۱۲۰۶، مشكاة المصابيح، البيوع / باب الربا ۲٤٤، مرقاة المفاتيح ٤۳/٦ رقم: ۲۸۰۷ دار الكتب العلمية بيروت)

عن عبد اللّٰه بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحًا حرَّم حلالاً أو أحل حرامًا، والمسلمون على شروطهم إلا شرطًا حرّم حلالاً أو أحل حرامًا. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام / باب ما ذكر عن النبي ﷺ في الصلح بين الناس ۲۵۱/۱)

ولا ربا بين حربي ومسلم مستأمن احترز بالحرب عن المسلم الأصلي والحربي. (شامي / باب الربا ۴۲۲/۷ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۴/۱۴۳۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گورنمنٹ کے سودی پروگرام میں شرکت کرنا؟

سوال (۲۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گورنمنٹ نے کچھ پروگرام ایسے بنائے ہیں کہ اس پروگرام میں اتنا روپیہ دوگے تو اتنے سال میں اتنا روپیہ ملے گا، مثلاً پانچ ہزار روپیہ پیڑ لگانے کے لئے پانچ سال کے لئے دیتے ہیں، تو دس ہزار روپیہ ملے گا، اور سلائی مشین کے لئے دیتے ہو تو آٹھ ہزار ملے گا، درمیان میں روپیہ لینا چاہیں تو رقم مل جائے گی مگر نفع نہیں دیا جائے گا، یہ صورت جواز کی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بظاہر یہ صورت بھی قرض پر نفع لینے کی ہے اور سودی معاملہ میں داخل ہے؛ لہٰذا اِس طرح گورنمنٹ کو رقم دے کر زیادہ رقم لینا شرعاً درست نہ ہوگا۔

والثاني أنه معلوم أن ربا الجاهلية إنما كان قرضًا مؤجلاً بزيادة مشروطة فكانت الزيادة بدلاً من الأجل فأبطله اللّٰه وحرمه. (أحكام القرآن للجصاص / تحت آية: إنما الخمر والميسر والأنصاب الخ ۴٦۷/۱ دار الكتاب العربي بيروت)

روى مالک عن زيد بن أسلم في تفسير الربا قال: كان الربا في الجاهلية أن

يكون للرجل على الرجل حق إلى أجل، فإذا أحل قال: أتقضيني، أم تربي؟ فإن قضاه أخذ، وإلا زاد حقه، وزاد الأخر في الأجل. (فتح لقدير / باب الربا ٣/٤ ٣١ دار الفكر بيروت)

كل قرض جر نفعًا حرام أي إذا كان مشروطًا. (شامي ١٦٦/٥ كراچی، ٣٩٥/٧ زكريا)

كل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف ...... الفضل الشروط في القرض ربا محرم لا يجوز للمسلم من أخيه المسلم أبدًا، لإجماع المجتهدين على حرمته. (إعلاء السنن / رسالة كشف الدجى على حرمة الربوا ١٤ /٥١٨ إدارة القرآن كراچی)

الربا هو القرض على أن يؤدي إليه أكثر أو أفضل مما أخذ. (حجة اللّٰه البالغة / الربا سحت باطل ٢٨٢/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۳/۶/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چندہ کر کے بینک میں جمع کرنا اور اُس کی منفعت سے مدرسہ چلانا؟

سوال (۲۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مدرسہ کے ذمہ دار نے اعلان کیا کہ عوام میں سے پانچ سو افراد ایسے تیار ہو جائیں جو کہ ہمیں ایک ایک ہزار روپیہ دیں، ہم اس مجموعی رقم کو بینک میں جمع کر دیں گے، اور پھر ہم ان افراد سے مدرسہ کے لئے کوئی چندہ کی اپیل نہیں کریں گے، بعد از اں بینک میں جمع شدہ اس رقم پر جو منفعت حاصل ہوگی، وہ مدرسہ کی ضروریات پر خرچ کریں گے، بعد ازاں آنجناب سے سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح رقم جمع کرنے کے بعد بینک سے حاصل ہونے والی منفعت کو مدرسہ کی ضروریات پر خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ طریقہ پر خالص بینک کے سود سے مدرسہ کا خرچ چلانا نہ صرف قطعاً حرام ہے؛ بلکہ ایسے ناپاک روپیہ کا علم دین کی اشاعت میں صرف کرنا دین

کی سخت توہین ہے، اس طرح کے خیال کو دل سے نکال دینا اور ایسا اعلان واپس لینا لازم ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة، جزءآیت: ۲۷۵]

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن اللّٰه طيب لا يقبل إلا طيبًا، وإن اللّٰه أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين، فقال: ﴿يٰٓأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾ وقال تعالىٰ: ﴿يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث أغبر يمد يديه إلى السماء يا رب! يا رب! ومطعمه حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وغذي بالحرام، فأنى يستجاب لذٰلك. (صحيح مسلم ۱/۳۲٦ رقم: ۱۰۱۵، سنن الترمذي ۲/۱۲۸ رقم: ۲۹۸۹، مسند أحمد رقم: ۸۳٤۸، شعب الإيمان للبيهقي ۲/۳۸۸ رقم: ۱۱۱۸، المصنف لعبد الرزاق ۵/۱۹ رقم: ۸۸۳۹)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: يأتي على الناس زمانٌ لا يبالي المرء ما أخذ منه، أمِنَ الحلالِ أم من الحرام. (صحيح البخاري، مشكاة المصابيح، كتاب البيوع / باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الأول ۲٤۱)

لأن اللّٰه تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب فيكره تلويث بيته بما لا يقبله. (شامي ۲/۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۲/۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کھاتے سے سودی رقم نکال دینے پر اَصل مال کا کیا حکم ہے؟

سوال (۲۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بینک میں ہم حفاظت کی خاطر جو روپئے جمع کرواتے ہیں، اس پر چھ ماہ کے ختم پر اور سال کے ختم پر کچھ سود ملتا ہے، تو ملنے کے فوراً بعد صرف سود کے روپئے ہم اپنے کھاتے سے نکال لیتے ہیں، جب کہ ہمارے خالص روپئے (یعنی جو ہم نے جمع کروائے ہیں) ہمارے کھاتہ میں باقی ہیں۔

یہ سود کے ملے ہوئے روپئے فقراء کو دینے کے لئے نکالنا ہے؛ لیکن پوچھنا یہ ہے کہ ہمارے خالص روپیوں کے کھاتے میں ہوتے ہوئے صرف سود کے روپئے نکال سکتے ہیں، ہم نے ایک آدمی سے سنا ہے کہ جب تک اصل رقم کو نہیں نکالیں گے، وہاں تک سود کے روپئے متعین نہیں ہوتے، سود کے روپئے تو اصل رقم کو نکالنے کے بعد متعین ہوں گے، تو اس مسئلہ کا تحقیقی جواب مطلوب ہے، اور اگر صرف سود کو اصل رقم نکالے بغیر نہیں نکال سکتے ہیں، تو بینک سے سود وصول کرنے کا کیا طریقہ اور حیلہ ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک کے کھاتوں میں سود کی رقم الگ سے درج ہوتی ہے، اور اُصول یہ ہے کہ نقود اور روپیہ پیسہ قبضہ میں آنے سے پہلے متعین نہیں ہوتے؛ بلکہ قبضہ کے وقت ہی اُن کا تعین ہوتا ہے، اب جو شخص اپنے کھاتے سے سودی رقم متعین طور پر نکالے گا، تو اب یہ رقم قبضہ میں آنے سے خود بخود متعین ہوجائے گی اور ما بقیہ رأس المال سے اُس کا کوئی تعلق نہ رہے گا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ بینک کی طرف سے محض کھاتے میں درج کرنے سے پورا مال مخلوط کے درجہ میں نہیں آجاتا؛ اس لئے کہ وہاں تمیز قطعاً دشوار نہیں، اس اعتبار سے مال مخلوط والا اشکال اس صورت پر وارد نہیں ہوگا۔

وهو أن ما يتعين بالتعيين يتعلق العقد به، فتمكن الخبث فيه، والنقد لا يتعين في عقود االمعاوضة. (شامي / باب البيع الفاسد، مطلب: في تعيين الدراهم في العقد الفاسد ۲۹۹/۷ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۳؍۳؍۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِضطراری حالت میں سود لینا؟

سوال (۲۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: زید کا روپیہ بینک میں جمع ہے، روپیہ نکالنے پر جو سود ملتا ہے اُس کو کہاں پر خرچ کرنا چاہئے؟ یا کن لوگوں کو دینا چاہئے، مسلم یا غیر مسلم؟ زید نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ سود لینے والے اور دینے والے پر خدا کی لعنت ہوتی ہے، تو بینک سے سود پر قرض لے کر تجارت کرنے والوں کے یہاں دعوت میں علماء کرام کا شریک ہونا درست ہے یا نہیں؟ نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ کسی مجبوری کی بناء پر سود لینا یا دینا رشوت کا لین دین کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سودی روپیہ بلا نیت ثواب غریبوں کو دے دینا چاہئے، سودی لین دین کے عادی لوگ یقیناً لعنتِ خداوندی کے مستحق ہیں، جس شخص کی غالب آمدنی حرام مال سے ہو اُس کے یہاں دعوت نہیں کھانی چاہئے، سود اور رشوت لینے کی تو کسی حالت میں اجازت نہیں؛ البتہ ایسی مجبوری کے وقت سودی قرض لینے اور رشوت دینے کی اجازت ہے، جب کہ بغیر اس کے جان بچانی دشوار ہو یا سخت مشقت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔

يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح. (الأشباه والنظائر ١٤٩/١)

وقال الحموي: هٰهنا خمسة مراتب ضرورة وحاجة ومنفعة وزينة وفضول، فالضرورة بلوغه حداً إن لم يتناول الممنوع هلک أو قارب، وهٰذا يبيح تناول الحرام والحاجة كالجائع لو لم يجد ما يأكله لم يهلک، غير أنه يكون في جهد ومشقة. (حموي على الأشباه ١٤٠/١)

الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً أو خاصةً. (شرح المجلة لسليم رستم باز ٣٣ رقم المادة: ٣٣، الأشباه والنظائر / الفن الأول، القاعدة الخامسة ٩٣)

الضرورات تبيح المحظورات. (شرح المجلة ٢٩ رقم لمادة: ٢١، الأشباه والنظائر / القاعدة الخامسة ٨٧ مكتبة دار العلوم ديوبند، قواعد الفقه ٨٩ رقم: ١٧٠ دار الكتاب ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۲/۸/۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِنکم ٹیکس سے بچنے کے لئے بینک میں رقم جمع کروانا؟

سوال (۲۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گورنمنٹ بینک میں کچھ مخصوص رقم جمع کرادیتی ہے اور اس پر نفع کے نام سے سود دیتی ہے اس کو لینا کیسا ہے؟ پھر اس کو رشوت یا انکم ٹیکس میں دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور گورنمنٹ کا یہ رقم جمع کرانا اس لئے ہوتا ہے کہ انکم ٹیکس میں کچھ حد تک چھوٹ ہوجاتی ہے تو یہ جمع کرنا اور چھوٹ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور جمع کردہ رقم پر سود بنام نفع لے کر اپنے استعمال میں لاسکتے ہیں یا نہیں؟ نیز فکس ڈپازٹ اس نیت سے کرانا جائز ہے یا نہیں کہ اس پر ملی رقم کو حکومت کی بے جا دفعات اور ظالمانہ ٹیکسز وغیرہ میں دے دیں، یا غریبوں، ضرورت مند مزدوروں اور نوکروں کی مدد کردیں، نیز جس کے پاس بہت سے لڑکے لڑکیاں ہوں، وہ فکس ڈپازٹ کراسکتا ہے اور زائد رقم اپنے ذاتی استعمال میں لاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اس رقم سے صاحب نصاب مسلمان کی دعوت کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیرواجبی ٹیکس (انکم ٹیکس) کی ادائیگی سے بچنے کے لئے بطریق حیلہ بینک میں وقتی طور پر روپیہ جمع کرنے کی گنجائش نکل سکتی ہے؛ لیکن اس سے جو بھی سود ملے وہ اپنی ذات پر یا رشوت کے طور پر یا کسی غنی پر خرچ کرنا جائز اور درست نہیں ہے، اس سودی رقم کو انکم ٹیکس جیسے غیرواجبی ٹیکس میں یا پھر فقراء ومساکین پر خرچ کرسکتے ہیں۔ (دیکھئے: جدید محقق مسائل ۱۷/۳، ایضاح النوادر ۹۹)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة، جزء آیت: ۲۷۵]

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم ۷۲/۲ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي ۲۲۹/۱ رقم: ۱۲۰۶، مشكاة المصابيح، البيوع / باب الربا ۲۴۴، مرقاة المفاتيح ۴۳/۶ رقم: ۲۸۰۷ دار الكتب العلمية بيروت)

قال الشامي: فإن علموا أربابه ردوه عليهم وإلا تصدقوا به. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء ٣٦٨/٦ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱۱/ ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِنکم ٹیکس سے بچنے کے لئے N.S.C خریدنا؟

سوال (۲۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک ملازمت کرتا ہے، اس کو اتنی تنخواہ ملتی ہے کہ سالانہ آمدنی پر انکم ٹیکس دینا پڑتا ہے، واضح رہے کہ N.S.C یا N.S.S وغیرہ خریدنے میں جو رقم صرف ہوتی ہے، اس کو حکومت صرفہ میں تسلیم کر کے بقیہ رقم پر ہی انکم ٹیکس لیتی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے N.S.C یا N.S.S خریدنا کیسا ہے؟ نیز اس پر زائد ملی ہوئی رقم سود ہوگی یا نہیں؟ اور اس کی زکوٰۃ کی ادائیگی کی کیا صورت ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اِنکم ٹیکس جیسے غیر واجبی ٹیکس سے بچنے کے لئے N.S.C وغیرہ خریدنے کی گنجائش ہے؛ لیکن ان میں جو زائد رقم ملے گی وہ سود ہوگی، جس کا حکم یہ ہے کہ اسے انکم ٹیکس میں لگا دیا جائے ورنہ فقراء پر بلا نیت ثواب تقسیم کر دیا جائے، اپنے کسی استعمال میں نہ لایا جائے۔

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالاً بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد، كالبيوع الفاسدة والاستئجار على المعاصي والطاعات، أو بغير عقد، كالسرقة والغصب والخيانة والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه، ولكن إن أخذه من غير عقد ولم يملكه يجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك، وإلَّا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ٣٥٩/١ مركز

الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يردّه إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلّا أن يدفعه إلى الفقراء؛ لأنه لو أنفق على نفسه فقد استحكم ما ارتكبه من الفعل الحرام، ودخل تحت قوله صلى الله عليه وسلم: "ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث أغبر يمد يديه إلى السماء يا ربّ يا ربّ، ومطعمه حرام، وملبسه حرام" الحديث، أو أضاعه واستهلكه، فدخل تحت قوله صلى الله عليه وسلم: "نهى عن إضاعة المال". فيلزم عليه أن يدفعه إلى الفقراء، ولكن لا يريد بذٰلک الأجر والثواب، ولكن يريد دفع المعصية عن نفسه. (بذل المجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ۳۵۹/۱ - ۳۶۰ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ۳۶۵/۶ كراچى، ۵۵۳/۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۳/۷/۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تنخواہ کا کچھ حصہ بینکی فنڈ میں کٹوانا؟

سوال (۲۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میری تنخواہ تین ہزار روپئے ہے جو کہ بینک سے ملتی ہے؛ لیکن میرا خرچ دو ہزار سے پورا ہوجاتا ہے تو میں بینک سے صرف دو ہزار روپیہ لیتا ہوں اور ایک ہزار فنڈ کی طرح اسی بینک میں کٹادیتا ہوں، تو اس پر جو سود لگے گا وہ جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ نے اپنے اختیار سے جو ایک ہزار روپیہ فنڈ میں

کٹوایا ہے، اس پر جو زائد رقم ملے گی وہ سود ہوگی، یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ حکومت سے لے کر اپنے ہاتھ سے بینک میں جمع کر دیں اور بینک اس پر سود دے، تو وہ ناجائز ہوتا ہے۔

والثاني أنه معلوم أن ربا الجاهلية إنما كان قرضًا مؤجلاً بزيادة مشروطة فكانت الزيادة بدلاً من الأجل فأبطله اللّٰه وحرمه. (أحكام القرآن للجصاص / تحت آية: إنما الخمر والميسر والأنصاب الخ ٤٦٧/١ دار الكتاب العربي بيروت)

روى مالك عن زيد بن أسلم في تفسير الربا قال: كان الربا في الجاهلية أن يكون للرجل على الرجل حق إلى أجل، فإذا أحل قال: أتقضيني، أم تربي؟ فإن قضاه أخذ، وإلا زاد حقه، وزاد الأخر في الأجل. (فتح القدير / باب الربا ٣١٣/٤ دار الفكر بيروت)

كل قرض جر نفعًا حرام أي إذا كان مشروطًا. (شامي ١٦٦/٥ كراچی، ٣٩٥/٧ زكريا)

كل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف ...... الفضل الشروط في القرض ربا محرم لا يجوز للمسلم من أخيه المسلم أبدًا، لإجماع المجتهدين على حرمته. (إعلاء السنن / رسالة كشف الدجى على حرمة الربوا ٥١٨/١٤ إدارة القرآن كراچی)

الربا هو القرض على أن يؤدي إليه أكثر أو أفضل مما أخذ. (حجة اللّٰه البالغة / الربا سحت باطل ٢٨٢/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

راشٹریہ بچت پتر اور منی بیگ پالیسی کا حکم؟

سوال (۳۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: راشٹرئے بچت پتر، منی بیگ پالیسی۔

مذکورہ اسکیم کے بارے میں جب کہ اِس پالیسی کو خریدنے کے بعد اِن میں سے کسی میں جتنا روپیہ جمع کیا جاتا ہے، چند سالوں کے بعد اس کی رقم دوگنی ہوجاتی ہے، اور وقتاً فوقتاً بونس بھی دیا

جاتا ہے، کچھ لوگ اس کو اس بنا پر درست بتلاتے ہیں کہ سرکار اس روپیہ سے تجارت کرتی ہے؛ لہٰذا کھاتہ دار کو اس کے منافع سے کچھ حصہ مقرر کر کے بطور اشتراکیت زر اصل کے ساتھ ادا کرتی ہے، کیا یہ صورتیں جائز ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ دونوں صورتیں بلاشبہ سود ہیں، اِن میں اشتراکیت کا احتمال اس لئے نہیں ہے کہ نفع نقصان دونوں میں شرکت ہے؛ کیوں کہ پالیسی خریدنے والا صرف بینک کا نفع لیتا ہے، اگر نقصان ہو تو اس میں وہ شریک نہیں ہوتا؛ لہٰذا اُسے اشتراکیت کہہ کر دائرۂ جواز میں نہیں لایا جاسکتا، اس میں اور فکس ڈپازٹ کھاتہ میں حکماً کوئی فرق نہیں ہے۔

هو فضل خال عن عوض بمعيار شرعي. (تنوير الأبصار مع الدر المختار ١٦٩/٥ كراچی، ٣٩٨/٧ زكريا)

لأن الربا هو الفضل الخالي عن العوض و حقيقة الشروط الفاسدة هي زيادة مالا يقتضيه العقد و لا يلائمه فيكون فيه فضل خال عن العوض وهو الربا بعينه. (شامي، كتاب البيوع / باب الربا ١٦٩/٥ كراچی، ٣٩٩/٧ زكريا، كذا في البحر الرائق / باب الربا ١٢٤/٦ كراچی)

كل قرض جر نفعًا حرام أي إذا كان مشروطًا. (شامي ١٦٦/٥ كراچی، ٣٩٥/٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۲/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بینک کے کھاتے میں جمع شدہ رقم پر منافع لینا؟

سوال (۳۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بینک کے اندر چالو کھاتہ یا مدتی کھاتہ میں جمع رقم پر دئے گئے منافع درست ہیں یا نہیں؟ اس دور

میں جب کہ اکثر لوگ بینک سے منسلک ہیں جب کہ تنخواہ بھی ملتی ہے، تو بینک سے چاہتے یا نہ چاہتے کچھ رقم جو بینک میں رہ جاتی ہے، اس پر منافع دیا جاتا ہے، اس کا مصرف یا (تطہیر) کیسے کیا جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک سے ملنے والا منافع سود ہے، اس کا اپنے ذاتی استعمال میں لانا درست نہیں، اسے بینک سے نکال کر غریبوں اور مسکینوں پر بلا نیت ثواب صدقہ کر دیا جائے۔

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ۳٦٥/٦ کراچی، ۵۵۳/۹ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۲/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرض ادا کرنے کے لئے سود لینا؟

سوال (۳۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے والد صاحب کی مالی حیثیت بہت کمزور ہے، تقریباً ۴۵ یا ۴۶ ہزار روپئے قرض ہے، کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی کیسے ادا ہوگا؟ بظاہر کوئی آمدنی بھی نہیں ہے، ایسے حالات میں میں قرض ادا کرنے کے لئے سود کا روپیہ لاٹری کھلوا کر یا زکوٰۃ کا روپیہ حاصل کر کے قرض ادا کر سکتے ہیں یا شرعاً جو حکم ہو تحریر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لاٹری کھلوانا اور سود لینا قطعاً حرام ہے، قرض کی ادائیگی کے لئے اس حرام کے ارتکاب کی ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی، جس روپیہ سے آپ لاٹری خریدنا چاہتے ہیں یا اس پر سود لینا چاہتے ہیں، اسے قرض کی ادائیگی میں کیوں صرف نہیں کرتے؟ اگر حلال طریقہ پر کوشش جاری رکھیں اور رفتہ رفتہ قرض ادا کرتے رہیں، تو انشاء اللہ جلد ہی اس ذمہ داری

سے سبک دوش ہوجائیں گے۔ ارشاد خداوندی ہے:

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا. وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ [الطلاق، جزء آیت: ۲-۳]

یعنی جو شخص اللہ سے تقویٰ اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی نکلنے کا راستہ کھول دیتا ہے، اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: اجتنبوا السبع الموبقات، قالوا يا رسول اللّٰه! وما هن؟ قال: الشرك باللّٰه، والسحر، وقتل النفس التي حرم اللّٰه إلا بالحق، وأكل الربا وأكل مال اليتيم، والتولي يوم الزحف، وقذف المحصنات الغافلات المؤمنات. (صحيح البخاري رقم: ٢٧٦٦، صحيح مسلم رقم: ٨٩، كذا في الترغيب والترهيب مكمل ٤١٧ رقم: ٢٨٦٤ بيت الأفكار الدولية)

البتہ اگر آپ خاندان سادات میں سے نہیں ہیں اور کوئی مال دار اپنی زکوٰۃ کی رقم سے آپ کا قرض ادا کرتا ہے، تو یہ صورت درست ہے، زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

عن معقل قال: سألت الزهري عن ﴿الْغَارِمِيْنَ﴾ قال: أصحاب الدين ﴿وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ وإن كان غنيًا. (المصنف لابن أبي شيبة ٤٢٤/٢ رقم: ١٠٦٦٢ بيروت)

فإن كان مديوناً فدفع إليه مقدار ما لو قضى به دينه لا يبقى له شيء أو يبقى دونه المأتين لا بأس به. (الفتاویٰ الهندية ١٨٨/١، الدر المختار مع الشامي / باب المصرف ٣٠٣/٣ زكريا، مجمع الأنهر الزكاة / في بيان أحكام المصارف ٣٣٣/١ بيروت، كذا في الفتاویٰ التاتارخانية ٢٢١/٣ رقم: ٤١٨٥ زكريا)

ولو قضىٰ دين الفقير بزكوٰة ماله إن كان بأمره يجوز. (الفتاویٰ الهندية / كتاب الزكاة ١٩٠/١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۶/۵/۱۴۱۴ھ

غریبوں پر تقسیم کرنے کے لئے غیر مسلم سے سود لینا؟

سوال (۳۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ہندوستان میں رہنے والے ہندؤں سے سود وصول کرتا ہے، صرف اسی نیت سے کہ اس کو وصول کرکے غریب مسکین مسلمانوں کو بطور ضرورت دے دے، ثواب کی نیت نہ کی ہو، یا ثواب کی نیت کی ہو، یا صرف اپنے لئے حاصل کرتا ہے، شرعی حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سودی رقم غریبوں میں تقسیم کردینے کی نیت کے باوجود بھی ہندو یا مسلمان کسی سے سود لینے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ۵۰۲)

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم ۷۲/۲ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي ۲۲۹/۱ رقم: ۱۲۰٦، مشكاة المصابيح، البيوع / باب الربا ۲٤٤، مرقاة المفاتيح ٤۳/٦ رقم: ۲۸۰۷ دار الكتب العلمية بيروت)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الكبائر سبع: أولهن الإشراك باللّٰه، وقتل النفس بغير حقها، وأكل الربا، وأكل مال اليتيم، وفرار يوم الزحف، وقذف المحصنات، والانتقال إلى الأعراب بعد هجرته. (مسند بزار وكشف الأستار رقم: ۱۰۹، الترغيب والترهيب مكمل ٤۱۸ رقم: ۲۸٦۸ بيت الأفكار الدولية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۴/۶/۸ھ

مسجد کا روپیہ سیونگ بینک میں جمع کرنا؟

سوال (۳۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: مسجد کا روپیہ اسلامی فنڈ میں اَمانت رہتا تھا، اب وہاں سے نکال کر سیونگ بینک میں جمع کردیا ہے؛ تاکہ وہاں سے سود جو ملے وہ مسجد کے پاخانوں میں خرچ کردیں گے، ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود کا روپیہ بلانیت ثواب فقراء پر صدقہ کرنا لازم ہے، اُسے مسجد کے پاخانوں یا دیگر مصارف خیر میں نہیں لگایا جاسکتا، اس لئے مسجد کا روپیہ سود لینے کے لئے بینک میں نہ رکھا جائے؛ البتہ برائے حفاظت کرنٹ اِکاؤنٹ میں رکھنے میں حرج نہیں۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب، ولا يقبل اللّٰه إلا الطيب الخ. (صحيح البخاري / باب الصدقة، من كسب طيب ١٨٩/١)

وقيل: كل مسجد بني مباهاةً أو رياءً أو سمعةً أو لغرض سوى ابتغاء وجه اللّٰه، أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار. (الكشاف ٢/٠ ٣١، التوبة: ١٠٧ دار الكتاب العربي بيروت، كذا في روح المعاني ٢١/١١، التوبة: ١٠٧ مكتبة دار إحياء التراث العربي بيروت، التفسير الأحمدي ٤٧٨، المكتبة الحقانية بشاور، حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة ٢٧٨/١ دار المعرفة بيروت)

قال العلامة الحصكفي: لا بأس بنقشه خلا محرابه بجص وماء ذهب بماله الحلال (الدر المختار) وقال ابن عابدين: قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذٰلک مالاً خبيثًا، أو مالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن اللّٰه تعالىٰ: لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله الخ، شرنبلالية. (رد المحتار، كتاب الصلاة / مطلب: كلمة "لا بأس" دليل على أن المستحب غيره؛ لأن البأس الشدة ٦٥٨/١ کراچی، وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ٢٧٨/١ دار المعرفة بيروت)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي ۳۸۵/٦ کراچی، ۵۵۳/۹ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۴/۶/۲۷ھ

انجمن میں روپیہ جمع کر کے واپسی کے وقت زیادتی انعام کی شرط لگانا؟

سوال (۳۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک انجمن میں ہفتہ واری پچاس روپیہ جمع کرتا ہے، اس حساب سے زید نے انجمن میں سال بھر میں دو ہزار روپیہ جمع کئے، اب انجمن اس کو سال پورا ہونے کے بعد اسی سال پوری رقم واپس کرنے کے ساتھ ساتھ ۲۰۰/ یا ۲۵۰/ روپیہ کے انعامات دیتی ہے، انعامات میں برتن اٹاچی گھڑی وغیرہ ہوتے ہیں؟

اس کے اندر یہ بھی حساب ہوتا ہے کہ اگر کسی کے ایک ہزار روپیہ ہوتے ہیں، تو اس کو جگ وغیرہ دیا جاتا ہے، اور اگر پانچ سو روپیہ ہوتے ہیں، تو گلاس وغیرہ انعام میں دیا جاتا ہے، تو کیا انجمن سے یہ انعام لینا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روپیہ جمع کرانے والوں پر واپسی کے وقت زیادتی انعام کی شرط لگانا سود ہے؛ لہٰذا انعام کے عنوان سے جو چیزیں انجمن کی جانب سے اصل جمع کردہ رقم سے زیادہ دی جاتی ہیں، اس کا لینا بالکل درست نہیں ہے۔

كل قرض جر نفعًا حرام أي إذا كان مشروطًا. (شامي ١٦٦/٥ کراچی، ۳۹۵/۷ زکریا)

كل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف ...... الفضل الشروط في القرض ربا محرم لا يجوز للمسلم من أخيه المسلم أبدًا، لإجماع المجتهدين

علی حرمته. (إعلاء السنن / رسالة کشف الدجی علی حرمة الربوا ١٤ /٥١٨ إدارة القرآن کراچی)

الربا هو القرض علی أن یؤدي إلیه أکثر أو أفضل مما أخذ. (حجة الله البالغة / الربا سحت باطل ٢٨٢/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۱۲/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بینک انٹرسٹ کا حکم؟

سوال (۳۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بینک انٹرسٹ سود ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلاشبہ بینک انٹرسٹ سود ہے؛ اس لئے کہ شرعی ربا کی تعریف اس پر صادق آتی ہے، یعنی مدت پر متعین نفع بلا کسی عوض کے حاصل ہوتا ہے۔

قال في البدائع: وأما ربا النساء عنده فهو فضل الحلول علی الأجل. (بدائع الصنائع ٤٠٧/٤ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۶/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سرکاری بینک سے سود لینا؟

سوال (۳۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کوئی سرکاری بینک آج کی تاریخ میں پانچ ہزار روپیہ لے رہی ہے، اور ۲۵؍سال کے بعد دو لاکھ روپیہ دینے کا وعدہ کر رہی ہے، پرائیویٹ کمپنیوں کو قرض دے گی، اور اس سے اس پر سود وصول کرے گی، ایسی صورت میں اس بینک میں روپیہ جمع کرنا جائز اور حلال ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ کاروبار سراسر سودی ہے، اس میں کسی طرح بھی

شرکت بالکل جائز نہیں ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ [البقرة، جزء آیت: ۲۷۵]

قال تعالیٰ: ﴿وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ﴾ [البقرة، جزء آیت: ۲۷۸]

قال اللّٰه تبارک و تعالیٰ: ﴿فَاِنْ لَمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾

[البقرة، جزء آیت: ۲۷۹]

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ﴾ [البقرة، جزء آیت: ۲۷۵]

عن عبد اللّٰه بن حنظلة غسيل الملائكة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: درهم ربوا يأكله الرجل وهو يعلم أشد من ستة وثلاثين زينة.

(مشكاة المصابيح ٢٤٦، رواه أحمد في مسنده ٢٢٥/٥، مرقاة المفاتيح ٥٥/٦ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۱۰/۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

یونٹ ٹرسٹ میں رقم جمع کر کے ماہانہ نفع لینا؟

سوال (۳۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: یونٹ ٹرسٹ میں رقم جمع کر کے مہینہ کا فائدہ لینا کیسا ہے؟ بہت سے لوگ نوکری سے ریٹائر ہونے کے بعد ملے ہوئے فنڈ کے پیسہ کو جمع کر کے فائدہ لینا چاہتے ہیں، اگر جائز ہو تو اس سے فائدہ اٹھائیں، اگر ناجائز ہو تو اس سے بچا جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر صورت یہ ہے کہ یونٹ ٹرسٹ میں خریدار کو کبھی نقصان نہ ہوتا ہو، اگرچہ نفع کی شرح میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہو، تو یہ سود میں داخل ہے، اور اسے خرید کر نفع اٹھانا حلال نہیں ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة، جزءآیت: ۲۷۵]

أخرج الحارث بن أبي سلمة في مسنده عن علي أمير المؤمنين: كل قرض جر منفعةً فهو ربا. (فيض القدير / حرف الكاف ٣٤/٥ رقم: ٦٣٣٦ دار الفكر بيروت، شامي ١٦٦/٥ کراچی)

عن علي أمير المؤمنين رضي اللّٰه عنه مرفوعًا: كل قرض جرّ منفعة فهو ربا، وكل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف. (إعلاء السنن، كتاب الحوالة / باب كل قرض جر منفعة فهو ربا ٤٩٩/١٤ إدارة القرآن کراچی)

كل قرض جرّ منفعة فهو وجه من وجوه الربا. (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقات والمزارعة ٥٧٥/١ کراچی)

كل قرض جر نفعًا حرام (درمختار) أي إذا كان مشروطًا. (شامي، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية، فصل في القرض ١٦٦/٥ کراچی، ٣٩٥/٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۱۶/۸/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سیونگ بینک میں روپیہ جمع کر کے سود حاصل کرنا؟

سوال (۳۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں جامعہ حسینیہ دارالعلوم اسلامیہ عربیہ چلہ امروہہ کی مجلس شوریٰ کا رکن ہوں، کچھ حضرات کا خیال ہے کہ مدرسہ کا سرمایہ سیونگ بینک میں جمع کر کے بینک سے سود وصول کرنا درست نہیں ہے، جب کہ میں جمع کرنے اور اس پر سود وصول کر کے مدرسہ کے نادار طلبہ پر خرچ کرنا درست سمجھتا ہوں، اس شک کو دور کرنے کی غرض سے استفتاء پیش خدمت ہے، کیا مدرسہ کو زکوۃ، چرم قربانی اور صدقات کی مدات کا ملنے والا سرمایہ سیونگ بینک میں حفاظت کی غرض سے جمع کرنا جائز ہے، اور اس سرمایہ پر بینک رضا کارانہ طور پر سود ادا کرتا ہے، تو کیا بینک سے یہ سود کی رقم وصول کر کے مدرسہ

کے نادار طلبہ کے خورد ونوش اور وظائف میں خرچ کرنا جائز ہے، اور کیا دوسرے غرباء کو بھی دے سکتے ہیں یا سود کی رقم بینک میں چھوڑ دیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود حاصل کرنے کی نیت سے بینک میں روپیہ جمع کرانا جائز نہیں ہے، اور حفاظت کی غرض کرنٹ اکاؤنٹ میں جمع کرنے سے بھی پوری ہو جاتی ہے؛ لہٰذا سیونگ بینک میں جمع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

عن الحسن بن علي رضي اللّٰه عنهما قال: حفظت من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: دع ما يريبك إلى ما لا يريبك. (سنن الترمذي رقم: ٢٥١٨، الترغيب والترهيب مكمل ٣٩٦ رقم: ٢٧٠٤ بيت الأفكار الدولية، فيض القدير ٣٢٤٥/٦-٣٢٤٧ رقم: ٤٢١١-٤٢١٤ مكتبة نزار مصطفى الباز رياض)

ولا بأس بأن يؤاجر المسلم دارًا من الذمي ليسكنها، فإن شرب فيها الخمر أو عَبَدَ فيها الصليب أو أدخل فيها الخنازير، لم يلحق المسلم إثم في شيء من ذٰلك؛ لأنه لم يؤاجرها لذٰلك، والمعصية في فعل المستاجر، وفعله دون قصد رب الدار، فلا إثم على رب الدار في ذٰلك. (المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارات / باب الإجارة الفاسدة ٢٩/١٦ المكتبة الحبيبية)

الحاجة تنزل منزلة الضرورة، عامةً كانت أو خاصةً، ولهٰذا جوزت الإجارة على خلاف القياس للحاجة. (الأشباه والنظائر / القاعدة الخامسة، الفن الأول ٩٣ كراچی)

المشقة تجلب التيسير، والأصل فيها قوله تعالىٰ: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بُكُمُ الْعُسْرَ﴾ (الأشباه والنظائر / القاعدة الرابعة، الفن الأول ٧٧ كراچی)

باقی یہ مسئلہ الگ ہے کہ اگر کسی کے پاس سودی رقم ہو تو غریبوں پر اسے صرف کرنا درست ہے۔

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي،

كتاب الحظر و الإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٣٦٥/٦ كراچی، ٥٥٣/٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۶/۹/۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ڈاک خانہ سے سودی رقم لینا؟

سوال (۴۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے ۲۵؍ ہزار کی رقم ڈاک خانہ میں جمع کی تھی، جواب سرکاری اسکیم کے مطابق دوگنی یعنی پچاس ہزار ہوگئی ہے، کیا اپنی اصل رقم کے ساتھ اس زائد رقم کا ڈاک خانہ سے نکالنا درست ہے؟ اور چوں کہ اس وقت زید مالی خسارہ کی وجہ سے پریشان حال ہے، تو کیا ایسا شریعت کی نظر میں درست ہے کہ زید مجموعی رقم ۵۰؍ ہزار نکال کر تجارت میں استعمال کرے، تو سود والی وہ رقم جو اس نے تجارت میں لگائی تھی، نکال کر کسی غریب مسلمان کو ثواب کی نیت کے بغیر دیدے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ڈاک خانہ سے زائد رقم نکال کر غریبوں کو تقسیم کردیں، آپ کے لئے اس سودی رقم کو کسی بھی طرح استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر و الإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٣٦٥/٦ كراچی، ٥٥٣/٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۶/۹/۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بینک کے فکس ڈپازٹ کھاتے میں رقم جمع کرنا؟

سوال (۴۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بینک کی ایک اسکیم ہے جسے ”فکس ڈپازٹ“ کہا جاتا ہے، مثلاً پانچ سال یا سات سال کے لئے ایک مخصوص رقم جمع کی جاتی ہے اور مقررہ وقت کے بعد جمع کرنے والے کو دوگنی رقم بینک ادا

کرتی ہے،تو کیا وہ اضافی رقم لینا جائز ہے یانہیں؟ یا اگر کوئی شخص یہ اضافی رقم لے چکا ہےتو اسے اس مصرف میں لےسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک کےفکس ڈ پازٹ کھاتے میں رقم جمع کرنا جائز نہیں ہےاور جو جمع شدہ رقم پر اضافہ ملتا ہے وہ سود ہے،اس کو غریب نادار پر بلانیت ثواب صدقہ کرنا ضروری ہے۔(ایضاح النوادر ۱/۱۷۵)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يردّه إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلّا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ۳٥٩/۱ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه، ١٤٨/١ مصري) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۷/۴/٦ھ

الجواب صحیح:شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کسان کا زمین بیچ کر بینک میں پیسے جمع کرنا؟

سوال (۴۲):-کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:میں اپنی کاشتکاری کی زمین فروخت کر کےاس کا روپیہ بینک میں جمع کر دوں،تو اس روپیہ پر جو سود مجھ کو ملے گا،کیا وہ میں اپنے لئے استعمال کرسکتا ہوں یانہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود کا روپیہ اپنے ذاتی استعمال میں لینا قطعاً حرام ہے، آپ سود کھا کر اپنی عاقبت خراب نہ کریں،سود خوار پر اللہ تعالیٰ کی لعنت وارد ہوئی ہے۔

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم ۷۲/۲ رقم:

۱۵۹۸، سنن الترمذي ۲۲۹/۱ رقم: ۱۲۰٦، مشكاة المصابيح، البيوع / باب الربا ۲٤٤، مرقاة المفاتيح ٤۳/٦ رقم: ۲۸۰۷ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/۴/۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فکس ڈپازٹ سے ملی ہوئی سودی رقم کو استعمال کرنا؟

سوال (۴۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کا اچانک ایک حادثہ میں انتقال ہوگیا، اس کے دو لڑکی اور ایک لڑکا ہے، اس شخص کی کچھ رقم بینک میں جمع تھی، انتہائی کوشش کے بعد وہ رقم تینوں بچوں کے نام فکس ڈپازٹ میں بذریعہ منتقلی کاغذات جمع کردی گئی، اب وہ رقم دوگنی ہوگئی ہے، بچوں کے پاس یہی ایک ذریعہ معاش ہے، کوئی اور خاص ذریعہ معاش بھی ظاہراً نہیں ہے، تینوں بچے اب تک بھی نابالغ ہیں، تو کیا یہ دوگنی اضافہ شدہ رقم بچوں کی شادی بیاہ ودیگر مصارف میں خرچ کی جاسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمع کردہ اصل رقم مالکان بچے اپنے حصوں کے بقدر استعمال میں لائیں اور زائد سودی رقم فقراء میں تقسیم کردیں، سودی رقم کو اپنے ذاتی استعمال میں لانا جائز نہیں ہے۔

ويردونها على أربابها إن عرفوهم وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ۳٦٥/٦ كراچی، ۵۵۳/۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۱۰/۱۴۱۷ھ

F-D کرانا؟

سوال (۴۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: آج کل ہمارے بہت سے مسلمان بھائی ایف ڈی کراتے ہیں، ایف ڈی اس کو کہتے ہیں کہ مثلاً ایک شخص نے دس ہزار روپیہ پانچ سال کے لئے بینک میں جمع کئے اور پانچ سال تک کوئی روپیہ بینک سے نہیں نکالا، اور جب وہ شخص پانچ سال کے بعد اپنا روپیہ بینک سے لینے جاتا ہے، تو بینک اس شخص کو روپئے کو دوگنا کرکے دیتی ہے، یعنی دس ہزار کے بیس ہزار روپئے، تو کیا اس شخص کے لئے اپنی جمع کی ہوئی رقم سے زیادہ رقم بینک سے لینا سود تو نہیں ہے، جائز ہے یا نہیں؟ تحقیق کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ مدارسِ عربیہ کے ذمہ داران بھی ایف ڈی کراتے ہیں، اور جائز ہونے کی دلیل پیش کرتے ہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایف ڈی کرانا نا جائز ہے، اور زائد ملنے والی رقم سود ہے، یہ رقم اپنے استعمال میں نہ لائی جائے؛ بلکہ فقراء پر صدقہ کردی جائے۔ احادیثِ شریفہ میں سودخور کی بڑی سخت سزا بیان کی گئی ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ الرِّبَا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا﴾ [البقرة، جزء آیت: ٢٧٥]

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ﴾ [البقرة: ٢٧٨]

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة، جزء آیت: ٢٧٥]

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا الرِّبَا اَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوْا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [آل عمران: ١٣٠]

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما عُرِجَ به إلى السماء نظر في سماء الدنيا، فإذا رجالٌ بُطونهم كأمثال البيوت العِظام قد مالت بطونهم وهم مُنضَّدون على سابلة آل فرعون يُوقفون على النار

كـل غـداةٍ وعشي يقولون: ربنا لا تُقِمِ الساعةَ أبدًا، قلت: "يا جبرئيل من هٰؤلاء؟ قـال: هٰؤلاء أكلة الربا من أمتک لا يقومون إلا كما يقوم الذي يتخبطه الشيطان من المس". (الترغيب والترهيب مكمل ٤٢٠ رقم: ٢٨٨٦ بيت الأفكار الدولية)

لأن سبيـل الـكسـب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٣٦٥/٦ كراچی، ٥٥٣/٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۱۱/۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مکان کی تعمیر میں حلال مال کے ساتھ کچھ سودی پیسہ بھی لگادے؟

سوال (۴۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے پانچ لاکھ روپیہ کا ایک مکان بنوایا، اس میں ضرورت کی وجہ سے پانچ ہزار روپیہ سودی قرضہ لے کر استعمال کئے ہیں، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اب اس پورے مکان کا استعمال کرنا کیسا ہے؟ نماز پڑھنے کے متعلق کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سودی قرض لینا اگرچہ سخت گناہ ہے، اور قرض لینے والے پر اس معاملہ کا گناہ ہوگا؛ لیکن اس رقم سے بنائے گئے مکان کا استعمال درست ہے؛ اس لئے کہ سود کی زائد رقم اس میں صرف نہیں ہوئی ہے، اور اس کا خریدنا اور اس میں نماز پڑھنا بھی بلا کراہت درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۴۳۷/۲۴ میرٹھ)

وأمـا الـقـرض الـمشـروط بـالـفـضـل والمنفعة فلم يقل أحد أنه من باب الإرفاق؛ بل اتفقوا على كونه مثل البيع، ثم اختلفوا – إلى قوله – وقال الحنفية: يبطل الشرط لكونه منافيًا للعقد، ويبقى القرض صحيحًا. (إعلاء السنن، كتاب الحوالة / معنى كون الزيادة على النص نسخًا عند الحنفية ٥٣٣/١٤-٥٣٤ كراچی)

أهدى إلى رجل شيئًا أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس إلا أن يعلم بأنه حرام؛ فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لا يقبل الهدايا ولا يأكل الطعام إلا أن يخبره بأنه حلال. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات ٥/٣٤٢، مجمع الأنهر، كتاب الكراهية / فصل في الكسب ٤/١٨٦ دار الكتب العلمية بيروت، بزازية على الهندية، كتاب الكراهية / الفصل الرابع في الهداية ٦/٣٦٠ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۸/۱۲/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رفاہی اداروں کی رقم فکس ڈپازٹ کھاتے میں رکھنا؟

سوال (۴۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عوام کی رقم کو بغیر ان کی اجازت بینکوں میں فکس ڈپازٹ کیا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رفاہی اداروں کی رقم بغرض حفاظت سرکاری بینک میں رکھنا بہرحال جائز ہے، مگر فکس ڈپازٹ کھاتے میں رکھنا جائز نہیں؛ کیوں کہ اس کھاتے میں جمع کرنے کا مقصد سوائے سود حاصل کرنے کے کچھ نہیں چاہئے، عوام کی طرف سے اجازت ہو یا نہ ہو۔

عن الحسن بن علي رضي الله عنهما قال: حفظت من رسول الله صلى الله عليه وسلم: دع ما يريبك إلى ما لا يريبك. (سنن الترمذي رقم: ٢٥١٨، الترغيب والترهيب مكمل ٣٩٦ رقم: ٢٧٠٤ بيت الأفكار الدولية، فيض القدير ٦/٣٢٤٥-٣٢٤٧ رقم: ٤٢١١-٤٢١٤ مكتبة نزار مصطفى الباز رياض)

عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم ٢/٧٢ رقم: ١٥٩٨، سنن الترمذي ١/٢٢٩ رقم: ١٢٠٦، مشكاة المصابيح، البيوع / باب الربا ٢٤٤، مرقاة المفاتيح ٦/٤٣ رقم: ٢٨٠٧ دار الكتب العلمية بيروت)

أما ربا النسيئة فهو الأمر الذي كان مشهورًا متعارفًا في الجاهلية، وذٰلک أنهم کانوا يدفعون المال على أن يأخذوا كل شهر قدرًا معينًا، ويكون رأس المال باقيًا، ثم إذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال، فإن تعذر عليه الأداء، زادوا في الحق والأجل، فهٰذا هو الربا الذي كانوا في الجاهلية يتعاملون به، وأما ربا النقد فهو أن يباع من الحنطة بمنوين منها، وما أشبه ذٰلک، إذا عرفت هٰذا فنقول: المروي عن ابن عباس رضي الله عنهما أنه كان لا يحرم إلا القسم الأول، فكان يقول: لا ربوا إلا في النسيئة، وكان يجوز ربا النقد (ربا الفضل) ثم إنه رجع عنه. (الأعلام لابن القيم ۲/۱۳۵ بحواله: إعلاء السنن ۴/۵۲۱ النسخة القديمة)

كل قرض جر نفعًا حرام أي إذا كان مشروطًا. (شامي ۵/۱۶۶ كراچی، ۷/۳۹۵ زكريا)

كل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف ...... الفضل الشروط في القرض ربا محرم لا يجوز للمسلم من أخيه المسلم أبدًا، لإجماع المجتهدين على حرمته. (إعلاء السنن / رسالة كشف الدجى على حرمة الربوا ۱۴/۵۱۸ إدارة القرآن كراچی)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۴/۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اندرا وِکاس پتر اور کسان وِکاس پتر خریدنا؟

سوال (۴۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر پنشن لینا جائز ہوتو کیا اندرو کاس پترا ور کسان وِکاس پتر وغیرہ خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ جو کہ چار پانچ سال بعد دو چند ہو جاتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اندر وِکاس پتر تو صراحۃً سود ہے، یہ تو ایسا ہے جیسے فکس

ڈپازٹ میں روپیہ جمع کرکے اس کی رسید حاصل کرلی جائے، اسے پنشن پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، پنشن میں صرف یک طرفہ پیسہ ملتا ہے، اور وِکاس پتر وغیرہ میں رقم دونوں طرف سے جمع کی جاتی ہے، اس لئے ان کاغذات کو خرید کر روپیہ دوگنا تگنا کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ﴾ [البقرة: ۲۷۸]

كل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف ...... الفضل الشروط في القرض ربا محرم لا يجوز للمسلم من أخيه المسلم أبدًا، لإجماع المجتهدين على حرمته. (إعلاء السنن / رسالة كشف الدجى على حرمة الربوا ۱٤/ ٥١٨ إدارة القرآن كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴/۵/۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

''سہارا اِنڈیا'' نامی بینک میں روپیہ جمع کرنا؟

سوال (۴۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ضلع بستی میں ایک ''سہارا اِنڈیا'' نامی بینک قائم ہے، ہندو مسلمان سب اس میں روپیہ جمع کرتے ہیں، اس کا ضابطہ یہ ہے کہ کھاتہ کھلنے کے بعد جس کی جو مرضی ہو اپنی وسعت کے بقدر ہر ماہ سو، پچاس، دوسو روپئے وہ برابر جمع کرتا رہے؛ لیکن یہ جمع ہونے والی رقم ایک مدت معینہ سے قبل وہ نکال نہیں سکتا، اور وہ مدت سات سال کی ہے۔ اب سات سال کے بعد جب وہ رقم مالک کو واپس ملے گی تو سات سال کی مدت میں جتنا اس نے جمع کیا ہے اس کا دوگنا ہوکر ملے گا، اور اس بینک اسکیم کا کاروبار کیا ہے، کچھ پتہ نہیں، تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے بینک میں مسلمانوں کا روپیہ جمع کرنا شرعی اعتبار سے جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سہارا اِنڈیا ایک سودی مالیاتی کمپنی ہے اس میں جمع شدہ

رقم پر ملنے والا متعین اضافہ یقیناً سود ہے؛ اس لئے اس کاروبار میں حصہ لینا مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة، جزء آیت: ۲۷۵]

عن عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: اٰكل الربا وموكله، وكاتباه إذا علموا به، والواشمةُ والمستوشمةُ للحسن، ولاوي الصدقة، والمرتدُّ أعرابيًا بعد الهجرة ملعونون على لسان محمد صلى اللّٰه عليه وسلم. (المسند للإمام أحمد ابن حنبل ۴۰۹/۱، صحيح ابن خزيمة رقم: ۲۲۵۰، صحيح ابن حبان رقم: ۱۱۵٤، الترغيب والترهيب مكمل ٤۱۸ رقم: ۲۸۷۰ بيت الأفكار الدولية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۴/۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بغیر کسی مجبوری کے بینک میں روپیہ جمع کرنا؟

سوال (۴۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بغیر کسی مجبوری کے بینک میں روپئے جمع کرنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چوں کہ بینک کے اکثر معاملات سودی ہوتے ہیں؛ لہٰذا بغیر کسی مجبوری کے بینک میں رقم جمع کرانا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/۱۵-۱۶، فتاویٰ محمودیہ ۴/۲۰۰ قدیم) البتہ بغرضِ حفاظت بینک میں رقم رکھنی درست ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة، جزء آیت: ۲۷۵]

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: أربع حق على اللّٰه على أن لا يدخلهم الجنة ولا يُذيقهم نعيمها: مُدمِنُ الخمر، وآكل الربا، وآكل مال اليتيم بغير حق، والعاق لوالديه. (المستدرك للحاكم ۳۷/۲، الترغيب

والترهيب مكمل ٢١٨ رقم: ٢٨٧١ بيت الأفكار الدولية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۴/۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مجبوری کے وقت بینک میں روپیہ جمع کرانا؟

سوال (۵۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی مجبوری ہو تو بینک میں روپیہ جمع کرانا کیسا ہے؟ مجبوری کی تعریف حدود اور قیود کیا ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مجبوری کی صورت مثلاً گھر میں روپیوں کا محفوظ رہنا مشکل ہو، یا چوری یا ضائع ہوجانے کا اندیشہ ہو، تو بینک میں رقم جمع کرانے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۶/۳۱۲ ڈابھیل)

الحاجة تنزل منزلة الضرورة، عامةً كانت أو خاصةً، ولهٰذا جوزت الإجارة على خلاف القياس للحاجة. (الأشباه والنظائر / القاعدة الخامسة، الفن الأول ٩٣ كراچی)

المشقة تجلب التيسير، والأصل فيها قوله تعالىٰ: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بُكُمُ الْعُسْرَ﴾ (الأشباه ولنظائر / القاعدة الرابعة، الفن الأول ٧٧ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۴/۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِنکم ٹیکس سے بچنے کے لئے پرائیویڈٹ فنڈ میں رقم جمع کرنا؟

سوال (۵۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا اگلے سال انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے پرائیویڈٹ فنڈ میں لازمی رقم کے علاوہ مزید رقم جمع کی جاسکتی ہے، اور اس اختیاری رقم پر ملنے والی زائد رقم سود ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مزید اختیاری رقم جمع کرائی جاسکتی ہے، اس پر اضافہ سود

ہوگا، اور اس پر زکوٰۃ بھی فرض ہوگی؛ کیوں کہ وہ اپنے اختیار میں آ چکی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۵/۱۴۷)

والثاني أنه معلوم أن ربا الجاهلية إنما كان قرضًا مؤجلاً بزيادة مشروطة فكانت الزيادة بدلاً من الأجل فأبطله اللّٰه وحرمه. (أحكام القرآن للجصاص / تحت آية: إنما الخمر والميسر والأنصاب الخ ٤٦٧/١ دار الكتاب العربي بيروت)

روى مالک عن زيد بن أسلم في تفسير الربا قال: كان الربا في الجاهلية أن يكون للرجل على الرجل حق إلى أجل، فإذا أحل قال: أتقضيني، أم تربي؟ فإن قضاه أخذ، وإلا زاد حقه، وزاد الأخر في الأجل. (فتح القدير / باب الربا ٣١٣/٤ دار الفكر بيروت)

كل قرض جر نفعًا حرام أي إذا كان مشروطًا. (شامي ١٦٦/٥ كراچی، ٣٩٥/٧ زكريا)

كل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف ...... الفضل الشروط في القرض ربا محرم لا يجوز للمسلم من أخيه المسلم أبدًا، لإجماع المجتهدين على حرمته. (إعلاء السنن / رسالة كشف الدجى على حرمة الربوا ٥١٨/١٤ إدارة القرآن كراچی)

الربا هو القرض على أن يؤدي إليه أكثر أو أفضل مما أخذ. (حجة اللّٰه البالغة / الربا سحت باطل ٢٨٢/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۱۱/۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہندوستانی قومی بینکوں اور پوسٹ آفس کے سود کا حکم

سوال (۵۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہندوستانی قومی بینکوں اور پوسٹ آفس سے جو سود دیا جاتا ہے وہ جائز ہے یا ناجائز؟ اور بینکوں کے سود کو ذاتی استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؛ کیوں کہ ماہِ اکتوبر کے انگریزی ۲۰۰۱ء کے ماہنامہ ''دوائن پاتھ'' کے ادارتی مضمون میں مصطفیٰ رضا خاں پسر اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں صاحب کے فتویٰ کے حوالہ سے اس کو حلال کہا گیا ہے، یہاں عوام میں اس کے بعد ایک اضطراب

پیدا ہوگیا ہے کہ بینک اور پوسٹ آفس کا سود حلال ہے یا نہیں، اب اس مضمون کے بعد بعض لوگ حلال کہہ رہے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک اور ڈاک خانہ سے ملنے والی سودی رقم کو اپنے استعمال میں لانا ہرگز جائز نہیں ہے، اس کو فقراء پر تقسیم کرنا ضروری ہے، ہندوستان جیسے جمہوری ممالک میں بھی حکم یہی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة، جزء آیت: ۲۷۵]

اس لئے سوال میں سود کی حلت کے جس فتویٰ کا ذکر کیا گیا ہے وہ قابلِ عمل نہیں ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أفتى بغير علم كان إثمه على من أفتاه. (سنن أبي داؤد / باب التوقي في الفتيا ۱۵۹/۲ المكتبة الإمدادية ملتان)

من أفتى الناس وليس بأهل للفتوىٰ فهو آثم وعاص. (إعلام الموقعين ۱۶۶/٤ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۲/۸/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مہر کی رقم کو بینک میں جمع کرکے اس پر سود لینا

سوال (۵۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہندوستان کی گورنمنٹ کی بینک سے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نا جائز ہے تو ان اشخاص کا کیا حکم ہے جو ہندوستان کی بینک سے سود لے کر کھاتے ہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کی زکوٰۃ کیسے ادا کی جائے گی؟ اور قرآن کی اس آیتِ کریمہ کے بارے میں علماء کا کیا خیال ہے:

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة، جزء آیت: ۲۷۵]

اور ہمارے یہاں عورت کا جومہر ہوتا ہے، تو اس کو بوقتِ نکاح ادا کردیا جاتا ہے، اور اس پیسہ کو بینک میں جمع کردیا جاتا ہے، ان پیسوں پر سود لیا جاتا ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حکومت کے بینک سے سود لے کر اپنے استعمال میں لانا ہرگز جائز نہیں ہے، جو لوگ اس سودی رقم کو استعمال میں لانے والے ہیں وہ سخت گنہگار ہیں، اس سودی رقم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے؛ بلکہ اسے بینک سے نکال کر محتاج اور فقیر لوگوں میں تقسیم کرنا لازم ہے، اسی طرح مہر کی رقم کو بینک میں جمع کرکے اس پر سود لینا اور اسے ذاتی استعمال میں لانا بھی حرام ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۸/۱۱۶، فتاویٰ محمودیہ ۴/۲۳۴)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة، جزء آيت: ٢٧٥]

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم ٧٢/٢ رقم: ١٥٩٨، سنن الترمذي ٢٢٩/١ رقم: ١٢٠٦، مشكاة المصابيح، البيوع / باب الربا ٢٤٤، مرقاة المفاتيح ٤٣/٦ رقم: ٢٨٠٧ دار الكتب العلمية بيروت)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث فأما إن ملكه بعقد فاسد أو حصل له بغير عقد ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه ويريد أن يدفع مظلمته عن نفس فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء لأنه لو أنفق على نفسه فقد استحكم ما ارتكبه من الفعل الحرام. (بذل المجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ٣٥٩/١-٣٦٠ تحت رقم: ٥٩ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي، مظفرفور أعظم جراه، ١٤٨/١ لكناؤ) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

سلامی کی رقم کا فکس ڈپازٹ کرانا اور سود لینا

ســوال (۵۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: کیا سلامی کی رقم بینک میں فکس ڈپازٹ رکھ کر اس کا سود لینا جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سلامی یا کوئی بھی رقم کا بینک میں فکس ڈپازٹ کرانا اور اس پر سود لینا قطعاً حرام ہے۔ (ایضاح النوادر ۱/۱۷۵)

أما ربا النسيئة فهو الأمر الذي كان مشهورًا متعارفًا في الجاهلية، وذٰلک أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذ كل شهر قدرًا معينًا ويكون رأس المال باقيًا، ثم إذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال فإن تعذر عليه الأداء زادوا في الحق والأجل فهٰذا هو الربا الذي كانوا في الجاهلية يتعاملون به. (تفسير كبير ۷/۹۱) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۳/۸/۱۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

سودی رقم سے لوہا اور سیمنٹ خرید کر اپنی زمین میں لگانا؟

سوال (۵۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بینک میں جمع کی ہوئی رقم پر جو زیادہ رقم ملتی ہے، سود کی اس رقم سے سیمنٹ اور لوہا خرید کر اپنی زمین پر لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک کے سود کی رقم اپنے کسی استعمال میں لانی جائز نہیں ہے، اپنی تعمیر میں بھی اسے نہیں لگایا جاسکتا، یہ رقم غریبوں کو بلا نیت ثواب دے دی جائے۔

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٦/٣٦٥ كراچی، ۹/۵۵۳ زكريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۴/۱/۱۵ھ

بنک کے شیئرز کی آمدنی کا حکم؟

سوال (۵۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا بینک کے شیئرز خریداری کی یا بینک کے ممبر کی کمائی مکمل حرام ہے؟ اس کا وبال اکیلے پر رہے گا یا اہلِ خانہ پر بھی ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک کی آمدنی اکثر حرام ہوتی ہے؛ لہٰذا اُس کے شیئرز بھی حرام ہوں گے، نیز بینک کے ممبروں کو ملنے والی رقم بھی ناجائز ہے، اہل خانہ کو چاہئے کہ وہ ایسے شخص کو اس طرح کی کمائی سے باز رکھنے کی کوشش کریں؛ لیکن اگر مجبوری ہو اور کوئی راہ نہ ہو تو پھر حرام کمائی کا وبال اُسی شخص پر ہوگا، اہلِ خانہ اس کے ذمہ دار نہ ہوں گے۔

امرأة زوّجها في أرض الجور إذا أكلت من طعامه، ولم يكن عينه غصبًا، أو اشترى طعامًا أو كسوةً من مال أصله ليس بطيب، فهي في سعة من ذٰلک، والإثم على الزوج. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / فصل في البيع ۹/۵۵۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۴/۱۱/۲۶ھ

بینک کا منافع سود ہے؟

سوال (۵۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: روپیہ جمع کرنے والوں کو جو منافع بینک سے جاتا ہے، وہ جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک میں روپیہ جمع کرنے پر جو منافع ملتا ہے، وہ صراحۃً سود ہے، کسی مسلمان کے لئے اسے اپنے استعمال میں لانا حلال نہیں۔

عن سمرة بن جندب رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه

وسلم: رأيت الليلة رجلين أتياني، فأخرجاني إلى أرض مقدسة، فانطلقنا حتى أتينا على نهرٍ من دمٍ، فيه رجل قائم، وعلى وسط النهر رجل بين يديه حجارة. فأقبل الرجل الذي في النهر، فإذا أراد الرجل أن يخرج، رمىٰ الرجل بحجر في فيه، فرده حيث كان، فجعل كلما جاء ليخرج رمىٰ فيه بحجر، فيرجع كما كان، فقلت: من هٰذا؟ فقال الذي رأيته: آكل الربا. (صحيح البخاري، كتاب البيوع / باب آكل الربا وشاهده وكاتبه ۲۸۰/۱)

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم ۷۲/۲ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي ۲۲۹/۱ رقم: ۱۲۰٦، مشكاة المصابيح، البيوع / باب الربا ۲٤٤، مرقاة المفاتيح ٤۳/٦ رقم: ۲۸۰۷ دار الكتب العلمية بيروت)

عن عبد اللّٰه بن حنظلة غسيل الملائكة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: درهم ربا يأكله الرجل وهو يعلم أشدُّ من ستة وثلاثين زنيةً. (مجمع الزوائد، كتاب البيوع / باب ما جاء في الربا ۱۱۷/٤ دار الفكر بيروت، مشكاة المصابيح ۲٤٦، رواه أحمد في مسنده ۲۲٥/٥، مرقاة المفاتيح ٥٥/٦ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۴/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بینک کا انٹرسٹ سود ہے؟

سوال (۵۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بینک سے منافع (انٹرسٹ) لینا شریعتِ اسلامیہ کی رو سے کیسا ہے؟ جب کہ ۲۱/ستمبر ۲۰۰۴ء بروز شنبہ میں شائع شدہ روز نامہ ''راشٹر یہ سہارا'' کے صفحہ تین پر فاضل مضمون نگار ساجد حسین صاحب نے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حوالے سے منافع لینے کو جائز قرار دیا ہے، چناں چہ فاضل مضمون نگار نے اپنے مضمون

کے کالم۲؍ پر مکتوبات شیخ الاسلام جلد۲؍۵۷،۲؍۲۱۲ کا حوالہ دے کر تحریر کیا ہے کہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ: ''ہندوستان میں غدر اور خیانت (یعنی ڈکیتی اور چوری) کو چھوڑ کر ہر طرح سے (قانون ملک کے مطابق) اَموال حاصل کرنا مسلمانوں کے لئے مباح (جائز) ہے، بعد از اں فاضل مضمون نگار نے کالم۳؍ پر تحریر فرمایا ہے کہ ۱۹۸۰ء میں خادم نے دار العلوم دیوبند کو لکھ کر مولانا مدنیؒ کی تحریر کے متعلق پوچھا تھا، تو اُن کا جواب تھا کہ بینک سے ملنے والی اضافہ کی رقم لینا قطعی درست اور مباح ہے، مگر اس کو لفظ سود مت کہئے؛ بلکہ بینک کا منافع کہئے الخ۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا فاضل مضمون نگار کے مطابق بینک سے منافع (انٹرسٹ) لینا جائز ہے یا ناجائز؟ بالتفصیل اور مع دلیل جواب سے نوازیں۔

نوٹ:- مضمون نگار کا مضمون جس کی اِشاعت ۲۱ستمبر ۲۰۰۴ء بروز منگل کو ہوئی تھی، اُس کی فوٹو کاپی ارسالِ خدمت ہے، جو کہ استفتاء کے ساتھ منسلک ہے، اس مسئلہ میں امیر غریب کا حکم یکساں ہے یا فرق ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: علماء دیوبند کا متفقہ موقف یہ ہے کہ ہندوستان کے بینکوں سے سودی لین دین قطعاً جائز نہیں ہے، جمعیۃ علماء ہند کے ''ادارۃ المباحث الفقہیہ'' کے پانچویں فقہی اجتماع منعقدہ ۱۷؍تا ۱۹؍رجب ۱۴۱۶ھ بمقام دیوبند میں اس موقف کا باقاعدہ اعلان کیا گیا تھا، اور ہمرشتہ سوال مطبوعہ مضمون تلبیس یا ناواقفیت پر مبنی ہے، حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے کبھی بھی بینک کے سود کو حلال نہیں کہا؛ بلکہ آں موصوف تو دلیل کے اعتبار سے حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو راجح قرار دیتے تھے جس میں واقعی دار الحرب میں بھی سودی لین دین کو ممنوع کہا گیا ہے۔ (دیکھئے: امداد الفتاوی ۳؍۱۵۷)

اور شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی بعض تحریرات سے جو بینک کے سود کو لینے کی اجازت معلوم ہوتی ہے، وہ انگریزی دورِ حکومت کے بینکوں کے بارے میں ہے، آزادی کے بعد یہ حکم نہیں رہے گا، چناں چہ خود آپ نے مشترکہ قومی بینکوں سے سود لینے کی ممانعت فرمائی ہے، اور ایک جگہ صاف طور پر یہ

ارشاد فرمایا ہے کہ ''ہم مسلمانوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ سود کا لین دین اور معاملہ حرام سمجھیں اور اس سے باز آئیں، اور اپنے اخراجات کم کریں؛ تاکہ قرض لینے کی نوبت نہ آئے''۔ (دیکھئے: فتاوی شیخ الاسلام ۱۴۰)

دراصل مضمون نگار نے حضرت مدنیؒ کی تحریرات کو سیاق وسباق سے کاٹ کر پیش کیا ہے، جو کسی طرح مناسب نہیں، اور مضمون میں دارالعلوم دیوبند کے جس فتویٰ کا ذکر ہے جب تک وہ مکمل استفتاء وفتویٰ ہمارے سامنے نہ ہو، ہم اس کے متعلق کوئی رائے زنی نہیں کرسکتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۱۱/۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر مسلم ملکوں کے بینکوں کے سود کا حکم؟

سوال (۵۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا کوئی شخص ہندوستان میں رہ کر چین، اٹلی وغیرہ کے بینک سے سود لے سکتا ہے یا نہیں؟ اس طور پر کہ وہ پیسہ بھی انہیں ممالک سے آتا ہے، اور وہ بینک بھی وہیں ہے، ہندوستان میں نہیں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستانی شہری کے لئے خالص دارالحرب ممالک جیسے چین، اٹلی وغیرہ کے بینکوں سے سود لینے کی گنجائش ہے۔ (ایضاح النوادر ۱/۹۷)

ولا بين حربي و مسلم مستأمن، ولو بعقد فاسد أو قمار ثمه. (الدر المختار مع الشامي ٧/٤٢٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۳/۱۴۲۶ھ

لڑکی پیدا ہونے پر گورنمنٹ کا اس کے نام پر بینک میں رقم جمع کرنا؟

سوال (۶۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کرناٹک گورنمنٹ کی طرف سے ایک اسکیم یہ ہے کہ اگر گھرانے میں لڑکی پیدا ہوتی ہے، تو لڑکی

کے سرپرست حضرات حکومتِ کرناٹک کو اطلاع کرتے ہیں، اور کرناٹک گورنمنٹ اس بچی کے لئے دس ہزار روپئے کسی قومی بینک میں جمع کر دیتی ہے، اور یہ دس ہزار روپئے بارہ سال کے بعد پچیس ہزار ہو جاتے ہیں، اس اصل رقم دس ہزار پر جو پندرہ ہزار کا اضافہ ہوا ہے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ نیز یہ رقم لڑکی کو بارہ سال کے بعد ہی ملتی ہے، اس سے پہلے نہیں ملتی۔

یہ ضرور بتائیں کہ حکومت نے جو دس ہزار روپئے اس بچی کے نام بینک میں جمع کئے ہیں، کیا لڑکی اور وہ معصوم بچی ان کی مالک ہوگئی ؟ اگر وہ ان کی مالک ہوگئی تو شرعی ضابطہ کے موافق صغیر اور صغیرہ کے مال پر والدین کو حق تصرف حاصل ہوتا ہے، جب کہ کرناٹک گورنمنٹ کا ضابطہ یہ ہے کہ بارہ سال کے بعد اضافی رقم پچیس ہزار کے ساتھ خود لڑکی ہی ان کو نکال سکتی ہے، حکومت اس کے والدین کو اس رقم پر حق تصرف نہیں دیتی۔ اس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ لڑکی مالک نہیں ہوتی، اور بارہ سال کے بعد اس کو جو رقم مل رہی ہے، تو گویا حکومت اس کو اب دس ہزار نہیں؛ بلکہ پورے پچیس ہزار روپئے از سرنو دے رہی ہے، باقی آپ کی رائے ہمارے لئے زیادہ اہمیت رکھتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سوال میں ذکر کردہ تفصیل واقعہ کے مطابق ہے، تو بچہ کی پیدائش پر جو رقم حکومت کی طرف سے مقرر کی گئی ہے، چوں کہ ابھی اس پر بچی یا بچی کے اولیاء کو تصرف کا حق نہیں ہے؛ بلکہ یہ محض ایک وعدہ کے درجہ میں ہے؛ اس لئے اس رقم پر جو بینک سے اضافہ ہوگا، اس پر سود کا اطلاق نہیں ہوگا، اور بارہ سال کے بعد جب بچی خود یہ رقم اپنے دستخط سے نکالنے جائے گی، تو اس وقت جو اضافہ شدہ رقم ملے گی، وہ سب اس کے لئے حکومت کی جانب سے عطیہ ہوگا؛ لہٰذا یہ پوری رقم اس کے لئے حلال ہے، اور یہ اضافہ سود کی تعریف میں داخل نہیں ہے، اس کی نظیر ایسی ہی ہے، جیسا کہ سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں سے لازمی طور پر پرائیویٹ فنڈ کاٹ کر اس پر جو حکومت کی طرف سے ملازمت کے ختم پر اضافہ ملتا ہے، وہ اصل تنخواہ کا جزو قرار پاتا ہے، اسے سود نہیں کہا جاتا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۳۹۴/۱۶ ڈابھیل، احسن الفتاویٰ ۳۵/۷، فتاویٰ رحیمیہ ۱۵۱/۵)

الـربـا هو فضل خال عن عوض مشروط لأحد المتعاقدين في المعاوضة، فليس الفضل في الهبة بربا . (شامي ۳۹۸/۷ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۲/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کمپنی کو تجارت کے لئے روپیہ دینا اور کمپنی کا دو تین سال بعد ڈبل رقم واپس کرنا؟

سوال (۶۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل بڑی بڑی کمپنیوں کی طرف سے ایجنٹ لوگوں کے پاس آتے ہیں اور سمجھاتے ہیں کہ تم کمپنی کو کچھ روپیہ دو، اس سے کمپنی تجارت کرے گی اور تم کو دو سال یا تین سال کے بعد ڈبل دیں گے، جیسے ٹاٹا کمپنی وغیرہ، اِسی طرح تجارت چل رہی ہے، ہمارے گمان میں تو یہ سود کا بزنس ہے؛ لیکن بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ سود کا کاروبار نہیں ہے؛ کیوں کہ ہم تو کمپنی کو بزنس کے لئے دے رہے ہیں، اور کمپنی ہم کو دو یا تین سال کے بعد کچھ روپیہ اضافہ کرکے دے رہی ہے، اور کمپنی جو کچھ دے گی، ہم خوش ہوکر لیں گے، اور اس پر راضی ہوکر فارم پر دستخط کررہے ہیں، تو کیا یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو جواز کی کیا شکل ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں جس صورت کا ذکر کیا گیا ہے کہ متعین طور پر دو تین سال میں ڈبل رقم واپس کی جاتی ہے، یہ قطعاً حرام اور سودی معاملہ ہے، یہ کاروباری شراکت نہیں ہے؛ کیوں کہ شراکت میں حقیقی طور پر نفع نقصان میں شرکت ہوتی ہے، جس کا ان کمپنیوں میں کوئی دستور نہیں ہے؛ لہٰذا اِس طرح کے معاملات میں شامل ہونا قطعاً حرام ہوگا۔

(مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴۱۹/۳-۴۲۰)

الـربـا هـو الـفـضـل المستحق لأحد المتعاقدين في المعاوضة الخالي عن

عوض شرط فيه. (الهداية / باب الربا ۳/ ۸۰)

الربا فضل خال عن عوض بمعيار شرعي مشروط ذٰلک الفضل لأحد المتعاقدين أي بائع أو مشترٍ في المعاوضة. (تنوير الأبصار مع الدر المختار / باب الربا ۷/ ۴۰۰ زكريا، ۵/ ۱۶۸ دار الفكر بيروت)

هو في الشرع عبارة عن فضل مال لا يقابله عوض في معاوضة مال بمالٍ.

(الفتاوىٰ الهندية / الباب التاسع، الفصل السادس ۳/ ۱۱۷ زكريا، كذا في الفقه على المذاهب الأربعة/ مباحث الربا، تعريفه وأقسامه ۲/ ۲۲۷ دار الكتب العلمية بيروت، كذا في الكنز / باب الربا ۲۴۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۳۰/۴/۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کھاتے میں سود منتقل ہونے سے پہلے سود کی نیت سے روپیہ الگ کرنا؟

سوال (۶۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: راقم الحروف اپنی رقم حفاظت کے خیال سے بینک میں رکھنا چاہتا ہے، رقم بینک میں رکھنے کی وجہ سے اس پر ہر مہینہ سود کا اضافہ ہوتا ہے، بندہ اس سے پہلے کہ سود (سود مرکب میں تبدیل ہوکر) اصل رقم میں ضم ہوجائے نکال لینے کے لئے تیار ہے، اور پھر نکالی ہوئی سودی رقم کو اپنی ذات پر خرچ بھی کرنا نہیں چاہتا، نکالی ہوئی سودی رقم کن کن مدوں میں بغیر ثواب کی نیت کے خرچ کی جاسکتی ہے؟ بندہ اس رقم کو جو بڑی رقم ہے کہاں اور کس مصرف میں لگائے؟ جہاں سے بغیر کسی کراہت کے اس رقم سے حاصل شدہ کو استعمال کرسکتے ہیں، اپنی اصل رقم کی حفاظت کے ساتھ؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تک آپ کے کھاتے میں سودی رقم بینک کی طرف سے منتقل نہ ہو، اس سے پہلے آپ کا سود کی نیت سے پیسہ نکالنا اپنی جمع شدہ رقم کو سود سے بچانے کے لئے کافی نہیں ہے؛ کیوں کہ جب اس میں سودی رقم شامل ہی نہیں ہوئی تو پیشگی نکالنے کا

کیا مطلب؟ البتہ جب کھاتے میں جتنی سودی رقم چڑھ جائے، تو اسی کے بقدر رقم نکال کر الگ کرنے سے بقیہ جمع شدہ رقم سود سے محفوظ ہوجائے گی، اور اس صورت میں سود کی نیت سے جو رقم نکالی گئی ہے، وہ آپ کے لئے اپنی ذات پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے؛ البتہ غیر واجبی ظالمانہ ٹیکس (سیل ٹیکس، انکم ٹیکس وغیرہ) میں یہ سودی رقم خرچ کی جاسکتی ہے، اور غریب محتاج پر بلا نیت ثواب صرف کرنے کی اجازت ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۶/۳۸۲-۳۸۳)

وهو أن ما يتعين بالتعين يتعلق العقد به، فتمكن الخبث فيه، و العقد لا يتعين في عقود المعاوضة. (شامي، باب البيع الفاسد / مطلب: في تعيين الدرهم في العقد الفاسد ۲۹۹/۷ زكريا)

ويردونها على أربابها إن عرفوهم وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٦/٣٦٥ كراچی، ۹/۵۵۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/٦/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مختلف کھاتوں کی سودی رقم کے بقدر ایک کھاتے سے نکالنا؟

سوال (٦۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے اپنے اور کچھ متعلقین کے نام بھی اپنے ہی کھاتے ہیں، ان کھاتوں میں اپنی رقمیں جمع کرتا رہتا ہوں، کچھ سالوں میں ان مختلف کھاتوں میں تقریباً تیس ہزار روپیہ سودی جمع ہوگیا ہے، میں نے ہر کھاتے سے جتنی جتنی سودی رقم ہے حساب کرلیا ہے، اب سودی رقم نکالنے کی نیت سے اپنے ایک ہی کھاتے سے تیس ہزار روپیہ نکال سکتا ہوں یا نہیں؟ جب کہ تمام کھاتے سرکاری بینک ہی کے ہیں، اور بینک کے لوگ بھی سود کی رقم الگ سے نہیں رکھتے؛ بلکہ تمام رقمیں مخلوط ہی ہوتی ہیں، مری اس طرح نیت کر کے سودی رقم نکالنا شرعاً درست ہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: حسبِ تحریر سوال مختلف کھاتوں میں موجود سودی رقم کے

بقدر ایک ہی کھاتے سے نکال کر تمام کھاتوں کا سود نکلنا شرعاً کافی نہیں ہے؛ بلکہ ہر کھاتے کا سود اُسی کھاتے سے نکال کر ادا کرنا چاہئے۔

قوله عليه السلام: الحنطة بالحنطة مثلا بمثلٍ يدًا بيد، والفضل ربا. (الهداية، البيوع / باب الربا ۷۷/۳، صحيح مسلم / باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقدًا رقم: ۱۵۸۵)

والنقدية أوجبت فضلاً في المالية، فتحقق شبهة الربا، وهي مانعة كالحقيقة. (الهداية، البيوع / باب الربا ۷۹/۳)

والشبهة فيه أي الربا كالحقيقة. (الهداية، البيوع / باب الربا ۸۵/۳)

وإن كان مالا مختلطًا مجتمعًا من الحرام ولا يعلم أربابه ولا شيئًا منه بعينه حل له حكمًا، والأحسن ديانة التنزه عنه. (شامي / باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاً حرامًا ۳۰۱/۷ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۲۶/۱/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حرام مال سے اِضافہ شدہ کاروبار کو پاک کرنے کا طریقہ؟

سوال (۶۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سودی رقم سے کیا گیا کاروبار حرام ہے تو اس کا ازالہ کیسے کرے؛ اس لئے کہ اُس کے پاس ان پیسوں کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے کہ اس کے ذریعہ سے اس کی حرمت کو ختم کیا جا سکے؟ تو کیا ایسے شخص کے لئے شریعتِ مطہرہ میں کوئی گنجائش ہے؟ بالتفصیل تشفی بخش جواب دیں، عین کرم واحسان ہوگا۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حرام نقد رقم سے جو اضافہ ہوا ہے، وہ اس وقت تک پاک نہ ہوگا، جب تک کہ اصل لگی ہوئی حرام رقم کو کاروبار سے نکال کر غریبوں میں بلا نیت ثواب تقسیم نہ کر دیا جائے۔

وأمـا إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يردّه إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلّا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ۳۵۹/۱ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه، ۱٤۸/۱ مصري)

رجـل اكتسب مالاً من حرام ثم اشترى، فهٰذا على خمسة أوجه: (۱) إما إن دفـع تـلـک الـدراهـم إلى البائع أولاً ...... (٤) أو اشتـرى مـطـلقًا ودفع تلک الـدراهـم ......، وقـال الـكـرخـيؒ في الوجه الأول والثاني: لا يطيب، وفي الثلاثة الأخيرة: يـطـيـب ......، لكن الفتوىٰ اليوم على قول الكرخيؒ دفعًا للحرج، لكثرة الحرام. (شامي ٤۹۰/۷ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۴/۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیت المال میں جمع شدہ زکوٰۃ کی رقم بینک میں فکس ڈپازٹ کے طور پر رکھنا؟

سوال (٦٥):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بیت المال کی رقم میں سے کچھ رقم یا پوری رقم کو استعمال میں لانے سے پہلے مختصر مدت کے لئے بینک میں فکس ڈپازٹ میں رکھی جاسکتی ہے؛ تاکہ اس کا جو سود آئے وہ مستحقین کو پہنچائیں، کیا اس کی گنجائش ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کی رقم بینک میں فکس ڈپازٹ کے طور پر رکھنا اور پھر اس پر سود وصول کرنا قطعاً حرام ہے، اس گناہ سے ہر مسلمان کو اجتناب لازم ہے۔

عن جابر بن عبد اللّٰہ رضي اللّٰہ عنه قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم

آکل الربوا ومؤکله وکاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم ۷۲/۲ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي ۲۲۹/۱ رقم: ۱۲۰٦، مشکاة المصابيح، البيوع / باب الربا ۲٤٤، مرقاة المفاتيح ٤۳/٦ رقم: ۲۸۰۷ دار الکتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱/۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سود کی رقم ملنے سے پہلے حساب لگا کر مجرا کرنا؟

سوال (٦٦):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سود کی رقم پندرہ سال میں آتی ہے، تو کیا ہم ابھی سے دی جانے والی رقم کا حساب لگا کر آنے والی رقم میں سے اپنا روپیہ نکال سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نہیں۔

قال شيخنا: ويستفاد من کتب فقهائنا کالهداية وغيرها: أن من ملک بملک خبيث، ولم يمکنه الرد إلى المالک، فسبيله التصدقُ على الفقراء ...... قال: إن المتصدق بمثله ينبغي أن ينوي به فراغ ذمته، ولا يرجو به المثوبة. (معارف السنن، أبواب الطهارة / باب ما جاء لا تقبل صلاة بغير طهور ۳٤/۱ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۱۱/۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تنخواہ میں سے اِنکم ٹیکس کٹ جانے کے بعد سودی رقم سے وصول کرنا؟

سوال (٦٧):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایضاح المسائل (مؤلفہ: مفتی شبیر احمد قاسمی) میں لکھا ہے کہ انکم ٹیکس میں سودی رقم دی جاسکتی ہے، تو وہ سرکاری ملازم جن کی تنخواہ سے ہی انکم ٹیکس کاٹ لیا جاتا ہے، کیا اپنی تنخواہ کو حکومت کے

ذریعہ دئے گئے سود سے پورا کرسکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انکم ٹیکس کٹ جانے کے بعد سودی رقم اپنے استعمال میں نہیں لاسکتے، مگر یہ کرسکتے ہیں کہ اپنی تنخواہ پہلے پوری وصول کرلیں، پھر انکم ٹیکس کی رقم سودی رقم سے منہا کرادیں۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۹۹)

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالاً بغير حق فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة والاستيجار على المعاصي – إلى قوله – ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه؛ ولكن إن أخذ من غير عقد لم يملكه، ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك. (بذل المجهود، الطهارة / باب فرض الوضوء ۱/۳۵۹ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي، مظفرفور أعظم جراه)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، الطهارة / باب فرض الوضوء ۱/۳۵۹ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ۶/۳۶۵ کراچی، ۹/۵۵۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۶/۱۱/۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسلمان کا بینک سے ملنے والے سود کو لینا؟

سوال (۶۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا کسی مسلمان کو بینک میں اپنی جمع رقم پر سود لینا چاہئے یا بینک پر ہی چھوڑ دینا چاہئے؟ اگر لیں تو اس کے استعمال کا صحیح مصرف تفصیل سے تحریر فرمائیں؟ کیا کسی ضرورت مند مسلمان یعنی غریب

مسلمان کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اس روپیہ کا استعمال کیا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک کا سود بینک سے نکال کر بلانیت ثواب فقراء اور مساکین میں تقسیم کرنا چاہئے۔

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم ٧٢/٢ رقم: ١٥٩٨، سنن الترمذي ٢٢٩/١ رقم: ١٢٠٦، مشكاة المصابيح، البيوع / باب الربا ٢٤٤، مرقاة المفاتيح ٤٣/٦ رقم: ٢٨٠٧ دار الكتب العلمية بيروت)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إن تعذر الرد على صاحبه. (شامي ٣٨٥/٦ دار الفكر بيروت)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد أو حصل له بغير عقد ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه ويريد أن يدفع مظلمة عن نفسه، فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء الخ. (بذل المجهود / باب فرض الوضوء ٣٧/١ رشيدية سهارنفور، الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب الخامس عشر في الكسب ٣٤٩/٥ زكريا، شامي، كتاب البيوع / باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاً حرامًا ٣٠١/٧ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۱/۳/۲۱ھ

سودی قرض سے متعلق مسائل

سرکاری بینک سے مارک شیٹ کے بدلے لون لے کر تجارت کرنا؟

سوال (۶۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اور خالد گیارہویں کلاس تک پاس ہے، اس کو سرکاری بینک سے مارک شیٹ کے بدلہ میں تجارت کرنے کے لئے لون ملتا ہے۔ تو دریافت یہ کرنا یہ ہے کہ رشوت دے کر سرکاری نوکری لینا درست ہے یا نہیں؟ اور اس زمانہ میں بغیر رشوت کے کام نہیں چل سکتا ہے، اور سرکاری بینک سے لون قرض لے کر تجارت کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عام حالات میں تجارت کے لئے بینک سے سودی قرض لینا ہرگز جائز نہیں۔

والثاني أنه معلوم أن ربا الجاهلية إنما كان قرضًا مؤجلاً بزيادة مشروطة فكانت الزيادة بدلاً من الأجل فأبطله اللّٰه وحرمه. (أحكام القرآن للجصاص / تحت آية: إنما الخمر والميسر والأنصاب الخ ٤٦٧/١ دار الكتاب العربي بيروت)

روى مالك عن زيد بن أسلم في تفسير الربا قال: كان الربا في الجاهلية أن يكون للرجل على الرجل حق إلى أجل، فإذا أحل قال: أتقضيني، أم تربي؟ فإن قضاه أخذ، وإلا زاد حقه، وزاد الأخر في الأجل. (فتح القدير / باب الربا ٣١/٤ دار الفكر بيروت)

كل قرض جر نفعًا حرام أي إذا كان مشروطًا. (شامي ١٦٦/٥ كراچی، ٣٩٥/٧ زكريا)

كل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف ...... الفضل الشروط في

القرض ربا محرم لا يجوز للمسلم من أخيه المسلم أبدًا، لإجماع المجتهدين على حرمته. (إعلاء السنن / رسالة كشف الدجى على حرمة الربوا ١٤/٨/١٤ ٥١ إدارة القرآن كراچی)

الربا هو القرض على أن يؤدي إليه أكثر أو أفضل مما أخذ. (حجة اللّٰه البالغة / الربا سحت باطل ٢٨٢/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۴/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بینک سے لون لینا اور علماء بریلوی کی رائے؟

سوال (۷۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بینک سے لون لینا کیسا ہے؟ ہمارے شہر بدایوں میں علماء بریلوی فرماتے ہیں کہ اس حکومت میں سود حاصل کر بھی سکتے ہیں، اور لون کی صورت میں سود دے بھی سکتے ہیں، مسئلہ کو ذرا تفصیل سے تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعتِ اسلامیہ میں سودی لین دین قطعاً حرام اور مبغوض ہے، قرآنِ کریم اور اَحادیثِ مبارکہ میں اس فعل کی بڑی شناعت وارد ہوئی ہے، قرآنِ پاک میں سودی معاملہ کرنے کو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اعلانِ جنگ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

قال اللّٰه تبارک وتعالیٰ: ﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ [البقرة، جزء آیت: ٢٧٩]

وقال تعالیٰ: ﴿وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ﴾ [البقرة، جزء آیت: ٢٧٨]

وقال تعالیٰ: ﴿اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبَا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ﴾ [البقرة، جزء آیت: ٢٧٥]

بریں بنا بینکوں سے سودی قرض اور لون لینا ہرگز جائز نہیں ہے۔ جو لوگ ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی آڑ میں اس طرح کے معاملہ کو جائز کہتے ہیں وہ روایاتِ مذہب سے ناواقف اور منشاء شریعت سے بے خبر ہیں؛ کیوں کہ غیر اسلامی حکومت میں بھی کسی حالت میں سود دینا قطعاً حرام ہے، اختلاف حربی کافر سے سود لینے میں ہے، جس میں متأخرین فقہاءِ احناف کے نزدیک سود نہ لینے کی روایت ہی راجح ہے۔

قال الشامي: وجواب المسئلة بالحل عام في الوجهين، وكذا القمار قد يفضي إلى أن يكون مال الخطر للكافر بأن يكون الغلب له، فالظاهر أن الإباحة بقيد نيل المسلم الزيادة، وقد ألزم الأصحاب في الدرس أن مرادهم من حل الربا والقمار ما إذا حصلت الزيادة للمسلم نظراً إلى العلة، وإن كان إطلاق الجواب خلافه. (شامي، البيوع / باب الربا، قبيل باب الحقوق ۱۸٦/٥ کراچی، ٤۲۳/۷ زکریا، امداد الفتاویٰ ۱۵۵/۳-۱۵٦)

وظاهره أنه إذا كرت أحكام المسلمين وأحكام الشرك لا تكون دار الحرب. (فتاویٰ عبد الحي كامل ٤۱۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۱/۷/۳ھ

ضرورت مند کا سودی رقم سے مکان بنانا؟

سوال (۱۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کا مکان برسات میں بارش کی زد میں آکر گر گیا، کچھ بچا ہوا مکان اس کے رہنے کے لئے ناکافی ہے، اب اس کی حالت ایسی ہے کہ بمشکل گھر کے اخراجات پورے کرتا ہے، مکان بنوانے کے لئے اس کے پاس رقم نہیں ہے، اس کے خسر نے اس کو سات ہزار چھ سو روپئے مکان بنوانے کے لئے دئے، جس میں دو ہزار چھ سو روپئے بینک سے حاصل شدہ سودی رقم بھی شامل ہے، اب سوال یہ ہے کہ یہ سود والی رقم کا استعمال زید کے لئے جائز ہے کہ نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ بینک کی سودی رقم لینے والا شخص پریشان حال، نادار، مستحق زکوٰۃ اور ضرورت مند ہے؛ لہٰذا اُس کو بلا نیت ثواب مذکورہ رقم دینا اور اس شخص کا اسے اپنے استعمال میں لانا درست ہے۔

ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح. (الأشباه والنظائر / القاعدة الخامسة ۱۴۹ مکتبه دار العلوم دیوبند، کذا في البحر الرائق / باب الربا ۱۲۶/۶ کراچی)

ویردونها علی أربابها إن عرفوهم وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه. (شامي، کتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البیع ۳۸۵/۶ کراچی، ۵۵۳/۹ زکریا)

یجب علیه أن یرده إن وجد المالک وإلا ففي جمیع الصور یجب علیه أن یتصدق بمثل ملک الأموال علی الفقراء. (بذل المجهود، کتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ۳۷/۱ سهارنفور، ۳۵۹/۱ مرکز الشیخ أبي الحسن الندوي)

من ملک بملک خبیث ولم یمکنه الرد إلی المالک فسبیله التصدق علی الفقراء الخ. (معارف السنن ۳٤/۲ أشرفیة دیوبند) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۱/۸/۳ھ

سودی قرض لینا کیسا ہے؟

سوال (۷۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سودی قرض لینا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سودی قرض کا لین دین جائز نہیں ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ۶۴۸)

أما ربا النسئة فهو الأمر الذي كان مشهورًا متعارفًا في الجاهلية، وذٰلك أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذ كل شهر قدرًا معينًا ويكون رأس المال باقيًا، ثم إذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال فإن تعذر عليه الأداء زادوا في الحق والأجل فهٰذا هو الربا الذي كانوا في الجاهلية يتعاملون به. (تفسير كبير ۹۱/۷)

عن عبد اللّٰه بن حنظلة رضي اللّٰه عنه غسيل الملائكة قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: درهم ربا يأكله الرجل وهو يعلم أشدّ من ستة وثلاثين زنية.

وفي رواية: عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الربا سبعون جزاءً أيسرها أن ينكح الرجل أمه. (مشكاة المصابيح / باب الربا، الفصل الثالث ٢٤٦)

عن علي أمير المؤمنين رضي اللّٰه عنه مرفوعًا: كل قرض جرّ منفعة فهو ربا، وكل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف. (إعلاء السنن، كتاب الحوالة / باب كل قرض جر منفعة فهو ربا ٤٩٩/١٤ إدارة القرآن كراچی، فيض القدير ٤٤٨٧/٩ رقم: ٦٣٣٦ مكتبه نزار مصطفى الباز رياض) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۳/۴/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سودی قرض لے کر کاروبار کی آمدنی کا حکم؟

سوال (۷۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے بینک سے سود پر قرض لے کر پیتل کا کاروبار شروع کیا، اس کاروبار سے جو منافع ہوتا ہے، زید اس منافع سے اپنا خرچ چلاتا ہے اور بینک کا اصل اور سود بھی دیتا ہے، تو بینک سے سود پر لئے ہوئے روپئے سے شروع کیا گیا کاروبار اور اس سے ملی ہوئی منافع کی رقم حلال ہے یا حرام؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود پر قرض لینا بہت بڑا گناہ ہے، اس کی قطعاً اجازت

نہیں، جب تک بھی سودی قرض ذمہ میں باقی رہے گا، سودی قرض لینے والا مسلسل گناہ گار رہے گا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْا الرِّبَا اَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوْا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [آل عمران: ۱۳۰]

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبَا وَیُرْبِی الصَّدَقَاتِ﴾ [البقرۃ، جزء آیت: ۲۷۶]

﴿وَاَخْذِھِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُھُوْا عَنْہُ﴾ کان الربا محرمًا علیهم، کما حرم علینا ﴿وَاَخْذِھِمْ اَمْوَالَھُمُ النَّاسَ بِالْبَاطِلِ﴾ بالرشوۃ وسائر الوجوہ المحرمة. (مدارك لتنزیل وحقائق التأویل ۲۰۲/۱، ال عمران: ۱۳۰)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَاْکُلُوْآ اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ [البقرۃ، جزء آیت: ۱۸۸]

قال القرطبي: من أخذ مال غیرہ لا علی وجه إذن الشرع، فقد أکله بالباطل.

(الجامع لأحکام القرآن الکریم للقرطبي ۳۲۳/۲ دار إحیاء التراث العربي بیروت)

قال العلامة البغوي رحمه اللّٰہ: ﴿بِالْبَاطِلِ﴾ بالحرام، یعنی بالربا والقمار والغصب والسرقة والخیانة ونحوها. (معلم التنزیل للبغوي ۵۰/۲)

عن جابر بن عبد اللّٰہ رضي اللّٰہ عنه قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم آکل الربوا ومؤکله وکاتبه وشاهدیه، وقال: هم سواء. (صحیح مسلم ۷۲/۲ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي ۲۲۹/۱ رقم: ۱۲۰۶، مشکاۃ المصابیح، البیوع / باب الربا ۲۴۴، مرقاۃ المفاتیح ۴۳/۶ رقم: ۲۸۰۷ دار الکتب العلمیة بیروت)

کان أبو حنیفةؒ یقول: هي أخوف آیة في القرآن حیث أوعد اللّٰہ المؤمنین بالنار المعدۃ للکافرین، إن لم یتقوہ في اجتناب محارمه. (تفسیر مدارك التنزیل، النساء ۲۶۹/۱)

لیکن اس مال سے کاروبار کرنے میں جو منافع حاصل ہوگا وہ حرام نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہاں سود لینا نہیں پایا جارہا ہے؛ بلکہ سود دینا پڑ رہا ہے، اور اس صورت میں سود کا حصہ کاروبار میں نہیں ملتا؛ بلکہ سود لینے والے کے قبضہ میں چلا جاتا ہے؛ لہٰذا سودی قرض لینا اگرچہ بڑا گناہ ہے؛

لیکن اس سے حاصل شدہ آمدنی حرام نہیں ہے۔

عن عبد اللّٰہ بن مسعود رضي اللّٰہ عنہ أن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: ما من مسلم یقرض مسلمًا قرضًا مرةً إلا کان کصدقتها مرتین. (سنن ابن ماجة، إعلاء السنن، کتاب الحوالة / باب کل قرض جر منفعة فهو ربا، دلیل کون القرض صدقةً ابتداءً ۵۰۸/۱۴-۵۰۹ إدارة القرآن کراچی)

لأن القرض إعارةٌ ابتداءً حتی یصح بلفظها، معاوضةٌ انتهاءً؛ لأنه لا یمکن الانتفاع به إلا باستهلاک ویملکه المستقرض بالقبض کالصحیح. (رد المحتار، کتاب البیوع / باب المرابحة والتولیة، فصل في القرض ۱۶۱/۵ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۵/۴/۷ ۱۴۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اپنا قرض وصول کرنے کیلئے مقروض کو سودی قرض میں مبتلا کرنا؟

سوال (۴۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میری ایک بھاری رقم ایک شخص کے اوپر ہے جس کو وہ یک مشت ادا نہیں کرسکتے، مجھے اپنی ضرورت کیلئے گاڑی خریدنی ہے، وہ شخص اس بات پر تیار ہے کہ گاڑی فائنس کے ذریعہ نکال دیں اور گاڑی میرے حوالہ کردے اور وہ قسط وار فائننس کی رقم ادا کردے، جب گاڑی کی مکمل رقم ادا ہوجائے گی، گاڑی میرے نام ہوجائے گی، میری خود کی غرض سودی لین دین نہیں ہے، صرف اپنی ضرورت اپنی رقم سے پوری کرنی ہے، یہ سبیل بھی اس شخص کے یکمشت ادا نہ کرنے کی صورت میں فائننس کا سہارا لیا جارہا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس شکل میں اگر میں گاڑی لے لوں تو کسی سودی گناہ کا مرتکب تو نہیں؟ بصورت دیگر صحیح صورت کیا ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنے قرض کی ادائیگی کے لئے مقروض کو بینک کے

ساتھ سودی معاملہ میں ملوث کرنا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ بینک سے جو گاڑی وغیرہ خریدی جاتی ہے، اس میں قسط ادا نہ کرنے کی صورت میں سود کی شرط بہرحال لگی رہتی ہے، اب اگر آدمی کا اپنا اختیاری معاملہ ہوتو بروقت قسط ادا کر کے سود سے بچ سکتا ہے؛ لیکن جب معاملہ دوسرے کا ہوتو سود سے بچنے کی کوئی ضمانت نہیں ہے، اس لئے یہ معاملہ درست نہ ہوگا۔

عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل سلف وبيع ولا شرطان في بيع ولا ربح ما لم يضمن، ولا بيع ما ليس عندك. (سنن الترمذي، كتاب البيوع / باب ما جاء في كراهية بيع ما ليس عنده ۲۳۳/۱)

كل قرض جر نفعًا حرام أي إذا كان مشروطًا. (شامي ۱٦٦/٥ کراچی، ۳۹۵/۷ زکریا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/۱/۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرض پر دیا جانے والا سود سبسڈی سے کم ہوتو کیا حکم ہے؟

سوال (۵۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک آدمی فیکٹری کھولنا چاہتا ہے، جس کے مصارف کی لاگت کا تخمینہ تقریباً ایک کروڑ ہے، اب اگر آدمی کے پاس اتنی بڑی رقم یا کم وبیش ہو تب بھی براہِ راست اس کو تجارت میں نہیں لگاسکتا؛ کیوں کہ حکومت کے موجودہ قانون کے پیشِ نظر جس میں ٹیکسوں کی بھرمار ہوتی ہے، اگر میں سارا اَثاثہ تجارت میں لگادوں تو فوراً حکومت کی طرف سے پکڑ ہوتی ہے کہ آپ اتنی رقم کہاں سے لائے؟ اور اس صورت میں اکثر مال ضبط ہونے کا خطرہ ہوتا ہے، تو آیا ٹیکس سے بچنے کے لئے اس جبری قانون کی صورت میں حکومت سے قرضہ (لون) لیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ قرضہ (لون) کی شکل اس طرح ہوتی ہے:

اگر ایک کروڑ روپئے حکومت سے لون لیتے ہیں تو اس میں پینتیس لاکھ روپئے معاف

کردئے جاتے ہیں، جو ''سب سڈی'' کے نام سے مشہور ہے، اور ۶۵/لاکھ روپیوں کی ادائیگی ضروری ہے، اور ۶۵/لاکھ پر مقروض سے سود وصول کیا جاتا ہے۔اب دریافت طلب امور یہ ہیں:

(۱) حکومت کے جبری قانون کو مجبوری کا درجہ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) بصورتِ مجبوری حکومت سے قرضہ لیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۳) مذکورہ قرضہ کی شکل میں قرض دہندہ ادارہ جو سود کے نام سے پیسے وصول کرتا ہے اس کو سود کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟

بعض مفتیانِ کرام کے فتویٰ کے پیش نظر مقروض ۶۵/لاکھ پر جو سود کے نام سے رقم ادا کرتا ہے اگر وہ اصل مال یعنی ایک کروڑ سے تجاوز نہیں کرتا تو اس کو سود نہیں کہا جائے گا؛ بلکہ اصل مال ادا کرنا کہا جائے گا، اور اس صورت مذکورہ میں لون لینا جائز بتایا ہے، تو کیا اس جواز کی شکل پر عمل کیا جاسکتا ہے؟

۱۹۹۰ء کے کسی مہینہ میں امارتِ شرعیہ (بہار) کی دعوت پر دہلی میں فقہی سیمینار ہوا تھا، جس میں ہندو پاک و بنگلہ دیش کے مفتیانِ کرام شریک ہوئے تھے؛ جس کی روداد ''نقیب'' ترجمان امارت شرعیہ میں شائع ہوئی تھی، اس میں مفتیانِ کرام کے متفقہ فیصلہ کے ساتھ مذکورہ بالا صورت کے ساتھ (لون) لینے کو جائز بتایا گیا ہے، نیز غالباً نظام الفتاویٰ میں بھی سب سبسڈی کے ساتھ قرض لینے کو جائز بتایا ہے؛ جب کہ سود کے نام سے لی جانے والی رقم قرضہ کی رقم سے تجاوز نہ کرے تو اس شکل پر عمل کرنے میں کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

خلاصۂ سوال:- اپنا مال تجارت کے اندر لگانے میں مال کا اکثر حصہ حکومت میں ضبط ہونے کا یقینی خطرہ ہے، اور لون لینے کی صورت میں اپنے مال کی حفاظت کے ساتھ حکومت کی طرف سے ۳۵/فیصد امداد کا فائدہ ہے۔ بینوا وتوجروا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ قرض پر لیا جانے والا سود حکومت کی طرف

سے دی جانے والی چھوٹ سے زیادہ نہ ہو، تو شرعاً یہ سودی معاملہ نہیں ہے، اس قسم کا قرض گناہ نہیں ہے۔ (مستفاد: نظام الفتاویٰ ۱/۲۶۹)

لأن الربـا هـو الفضل الخالي عن العوض وحقيقة الشروط الفاسدة هي زيادة مالا يقتضيه العقد ولا يلائمه فيكون فيه فضل خال عن العوض وهو الربا بعينه. (شامي، كتاب البيوع / باب الربا ٥/١٦٩ كراچی، ٧/٣٩٩ زكريا، كذا في البحر الرائق / باب الربا ٦/١٢٤ كراچی)

الـربـا هـو الـفـضل المتسحق لأحد المتعاقدين في المعاوضة الخالي عن عوض شرط فيه. (الهداية / باب الربا ٣/٨٠ مكتبه شركت علمية ملتان)

أمـا فـي اصـطلاح الفقهاء فهو زيادة أحد البدلين المتجانسين من غير أن يـقابل هٰذه الزيادة عوض. (كتـاب الـفـقـه على المذاهب الأربعة، مباحث الربا / تعريفه وأقسامه ٢/٢٢٧ دار الكتب العلمية بيروت)

وهـو في الشرع عبارة عـن فـضـل مـالٍ لا يـقابله عوض في معاوضة مال بـمال. (الفتاویٰ الهندية / الباب التاسع، الفصل السادس في تفسير ٣/١١٧ زكريا)

باب الربا: هو فضل مال بلا عوض في معاوضة مال بـمال. (كنز الدقائق / باب الربا ٢٤٨ رشيدية)

الـربـا ...... وشرعًا فضل ولو حكمًا، فدخل ربا النسيئة والبيوع الفاسدة، فكلها من الربا خال عن العوض بـمعيار شرعي، وهو الكيل والوزن مشروط أحد الـمتـعاقدين في المعاوضة. (الـدر الـمـختـار مـع رد المحتار / باب الربا ٥/١٦٨ كراچی، تبيين الـحـقـائـق، كتـاب البيوع / باب الربا ٤/٤٤٦ دار الكتب العلمية بيروت، ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتـاب البيـوع / بـاب الـربا ٣/١١٩ غفارية كوئٹه، وكذا في تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع / باب الربا ١/٥٦٦ مكتبه دار العلوم كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۶/۱۱/۱۴۱۱ھ

بینک سے لون پر گاڑی نکالنا؟

سوال (۷٦): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں S.S.C پاس ہوں اور میں بینک سے (L OON) لون پر گاڑی نکالنا چاہتا ہوں، اس میں مجھے ایک حصہ (ONE FOUR) بھرنا پڑتا ہے، تب بینک ہمیں گاڑی دیتا ہے، اور کچھ رقم کی (SATSAYDI) بھی ملتی ہے، اور پھر یہ میری مجبوری ہے، آپ یہ خط ملتے ہی فوراً جلد سے جلد جواب روانہ فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کوئی شکل لون پر گاڑی لینے میں ایسی ہو کہ اس میں اصل عقد میں سودی شرط نہ لگی ہو، تو اس کی مطلقاً اجازت ہے؛ لیکن اگر اس میں وقت پر قسطیں ادا نہ کرنے کی صورت میں سود دینے کی شرط ہو یا یہ شرط معروف ہو، تو اس طریقہ پر گاڑی لینا سودی معاملہ ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۱۷۳/۳)

وكل شرط لايقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين الخ يفسده. (الهداية ٤٣/٣)

وفي الأشباه: ويجوز للمحتاج الاستقراض بالربح. (الأشباه والنظائر ١٢٦/١)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۲/۲/۲۸ھ

بینک سے گاڑی خریدنے کی جائز شکلیں

سوال (۷۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید قسط پر ایک گاڑی بینک کے ذریعہ لینا چاہتا ہے، یہاں ایک صاحب کہتے ہیں کہ بینک کو اس کی اجرت دینا سود ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک سے قسطوں پر گاڑی خریدنے کا مروجہ معاملہ ناجائز ہے؛ اس لئے کہ اس میں صراحۃً سود پایا جاتا ہے؛ کیوں کہ بینک خود نہیں بیچتا؛ بلکہ سود کا قرض دیتا ہے، جس کی واپسی قسطوں کے ذریعہ ہوتی ہے؛ لیکن اس معاملہ کو دائرۂ جواز میں دو شرطوں کے ساتھ لایا جاسکتا ہے:

(۱) خود بینک گاڑی کو فروخت کرے، اور مجلس عقد ہی میں اس کی قیمت طے ہوجائے، خواہ کم ہو یا زیادہ۔

(۲) قسطیں بروقت ادا کی جائیں، اگر قسطوں کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے زیادہ رقم دینی پڑی، تو یہ سود ہوجائے گا، جس کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۰۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۱۰/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فائننس کمپنی سے سودی قرض لے کر ٹرک کی قیمت ادا کرنا؟

سوال (۷۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے ایک ٹرک خریدا، اس میں کچھ رقم تو اپنی ذاتی لگائی، باقی جو کم پڑی وہ فائننس کمپنی سے سود پر قرض لے کر ادا کی، پھر آگے چل کر یہ قرض مع سود کے ادا کردیا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کی روزی حلال سمجھی جائے، جیسے کہ بعض لوگوں کا کہنا ہے، یا اسے حرام تصور کیا جائے؛ کیوں کہ اس میں سودی قرض کی آمیزش ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کو جو رقم ملی ہے وہ قرض ہے سود نہیں ہے، پھر اس سے جو زائد رقم وصول کی گئی ہے وہ سود ہے؛ لہٰذا زید کے کاروبار میں حرام مال شامل نہیں ہوا؛ اس لئے اس کی آمدنی حرام نہ ہوگی؛ البتہ چوں کہ اس نے سودی قرض لے کر سودی معاملہ میں شرکت کی

ہے؛ اس لئے اس گناہ سے توبہ لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۶/۳۱۹ ڈابھیل)

واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، ولايجوز تاخيرها سواء كانت المعصية صغيرة أوكبيرة. (روح المعاني ۱۰۹/۲۸ بيروت، شرح النووي على مسلم ۳٥٤/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۱/۳/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کاروباری اعتبار سے بینک سے قرض لے کر گاڑی خریدنا؟

سوال (۷۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کاروباری اعتبار سے بینک سے قرض لے کر گاڑی خریدنا مکان بنانا کیا جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''کاروبار گاڑی'' خریدنے کے لئے قرض لینا بھی ممنوع ہے؛ البتہ اگر بینک ہی کو بائع بنا کر قسط وار گاڑی یا کاروباری مشینری خریدی جائے، اور کوئی قسط اپنے وقت سے مؤخر نہ ہو، تو انجام کے اعتبار سے یہ معاملہ درست ہوسکتا ہے۔

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة، جزء آيت: ۲۷٥]

إن نظام البنوک الرائجة اليوم الذي يسير على أساس الربا له من المفاسد ما لا يعد ولا يحصىٰ، ...... إن الربا حرامٌ مطلقًا، سواء كان تعامله في ديون الاستهلاک، أو في ديون الاستشهاد. (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقات / الحكمة في تحريم ربا الفضل ٥۷٥/۱)

المرابحة بمثل الثمن الأول وزيادة ربح ...... جائز. (الفتاویٰ الهندية، البيوع / الباب الرابع عشر في المرابحة والتولية ۱٦۰/۳ زكريا)

لو باعه بربح ...... المرابحة نقل ما ملكه بالعقد الأول بالثمن الأول مع زيادة

ربح ...... والبيعان جائزان. (الهداية، البيوع / باب المرابحة والتولية ۷۳/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/۱/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اکاؤنٹ والے بینک سے لون پر گاڑی خریدنا؟

سوال (۸۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے اپنا اکاؤنٹ بینک میں کھلوا رکھا ہے، اور اسے ایک سال میں ساڑھے تین فیصد بقدر رقم سود ملتا ہے، زید فائننس (لون) پر گاڑی خریدنا چاہتا ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ بینک اصلی رقم سے زائد پر گاڑی دیتی ہے، مثلاً ۴۰؍ ہزار کی گاڑی ۴۵؍ ہزار میں دیتی ہے، زید چاہتا ہے کہ اکاؤنٹ میں ملی سود کی رقم کو لون پر خریدی ہوئی گاڑی کی زائد قیمت (جوکہ پانچ فیصد ہے) میں لگا دے، پس اس طرح بینک کا پیسہ بینک ہی کو پہنچ جائے گا۔

تو کیا صورتِ مذکورہ میں زید کا فعل خلاف شرع تو نہیں؟ اور کیا وہ سود کی رقم سے بری الذمہ ہوجائے گا؟ دراں حالے کہ زید اصل قیمت پر گاڑی لینے پر قادر ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اگر اُسی بینک سے گاڑی کے لئے سودی لون لیا ہے، جس میں آپ نے کھاتہ کھول رکھا ہے، تو اتنی جمع شدہ رقم پر ملنے والا سود بینک سے لئے گئے لون پر چڑھنے والے سود میں برابر سرابر کرنے کی گنجائش ہے۔ (محمود الفتاویٰ ۶۶/۳)

ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالک، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء، ...... لأنه لو أنفق على نفسه فقد استحكم ما ارتكبه من الفعل الحرام ...... ولكن لا يريد بذٰلک الأجر والثواب، ولكن يريد دفع المعصية عن نفسه. (بذل المجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ۳۵۹/۱-۳۶۰ تحت

رقم: ٥٩ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي، مظفرفور أعظم جراه)

ويردونها على أربابها إن عرفوهم وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٣٦٥/٦ كراچی، ٥٥٣/٩ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۷/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کاغذات بینک میں گروی رکھ کر ٹریکٹر خریدنے کے لئے بینک سے قرض لینا؟

سوال (۸۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے اپنی جائیداد کے کاغذات بینک میں گروی رکھ کر ٹریکٹر خریدنے کے لئے بینک سے قرض لیا، بینک نے ٹریکٹر کی قیمت کے بقدر روپیہ زید کے نام اِشو کر کے اس کی طرف سے ڈرافٹ بنا کر ٹریکٹر کے ڈیلر کو دے دیا، اور پھر ٹریکٹر پر زید نے قبضہ کرلیا، اب جو زید نے بینک سے قرض لیا ہے، اس کو قسط وار ادا کرنا ہے، جس میں بینک دس فیصدی سے زیادہ شرح سود وصول کرے گا، مثلاً اگر پانچ لاکھ روپیہ زید کے نام جاری ہوئے ہیں، تو قسطوں کی تعداد پوری ہونے کے بعد پچاس ہزار روپیہ کے اضافہ کے ساتھ ساڑھے پانچ لاکھ روپیہ بینک کو دینے لازم ہوں گے، زید کے ایک عزیز عمر کے پاس ایسا روپیہ کثیر مقدار میں موجود ہے، جو انہیں سرکاری بینک سے سود میں ملا ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ زید پر جو بینک کا روپیہ لے کر اپنے اوپر واجب بینک کے سود میں دے سکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اگر بینک خود ٹریکٹر پر قبضہ کرکے یا اپنے وکیل کے ذریعہ زید کو ٹریکٹر فراہم کرتا ہے، اور قسطوں پر نقد قیمت سے زیادہ رقم مجلس عقد ہی میں حتمی طور پر طے ہوجاتی ہے، تو یہ معاملہ سودی نہ رہتا اور بینک کو زائد رقم لینا صحیح ہوتا؛ لیکن سوال

سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ معاملہ اس طرح نہیں ہوا؛ بلکہ اس میں بینک نے صرف قرض دیا ہے، ٹریکٹر والے سے براہِ راست معاملہ زید کا ہوا ہے؛ لہٰذا اب اصل قیمت پر بینک جو زائد وصول کرے گا وہ سود ہوگا، اور اس سود کی ادائیگی میں سرکاری بینک سے لی ہوئی سودی رقم دینے کی شرعاً گنجائش ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۶/۳۸۱ ڈابھیل، ایضاح النوادر ۱۰۸)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٦/٣٦٥ كراچی، ٩/٥٥٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۱۰/۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایکسپورٹ میں سود کا لین دین؟

سوال (۸۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایکسپورٹ میں سود لینا بھی پڑتا ہے اور دینا بھی پڑتا ہے، بغیر اس کے کاروبار نہیں چل سکتا، آیا اس میں کیا شکل اختیار کی جائے، سود لیا دیا جائے یا ایکسپورٹ ختم کیا جائے، نیز ایکسپورٹ کی کمائی کھانا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کسی بھی کاروبار میں سودی لین دین کی ہرگز اِجازت نہیں ہے، جہاں تک ممکن ہو سودی معاملہ سے بچتے ہوئے تجارت وغیرہ کرنی چاہئے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۱۶۰، فتاویٰ محمودیہ ۴/۲۴۵)

شرعی حدود کی رعایت رکھتے ہوئے جو ایکسپورٹ کیا جائے اس کی کمائی کھانا درست ہے۔

عن عبد اللّٰه بن حنظلة غسيل الملائكة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: درهم ربا يأكله الرجل وهو يعلم أشدُّ من ستة وثلاثين زنيةً. (مجمع الزوائد، كتاب البيوع / باب ما جاء في الربا ٤/١١٧ دار الفكر بيروت)

ما حرم أخذه حرم إعطاءه ...... فأخذ الرشوة ممنوع كإعطائها، ومثل ذٰلک الربا. (شرح المجلة لسليم رستم باز ۳۳ رقم المادة: ٣٤ المكتبة الحنيفة كوئٹه)

ما حرم أخذه حرم إعطاءه ...... كالربا. (الأشباه والنظائر، الفن الأول / القاعدة الرابعة عشر ١٥٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹؍۷؍۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بینک سے سود پر کھاد اور بیج لینا؟

سوال (۸۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید تقریباً ۸؍۱ ایکڑ زمین کا مالک ہے، جب کہ بکر ایک ایکڑ زمین کا مالک ہے، دونوں نے سرکاری سہایتا سے کھاد اور بیج اس شرط پر لیا کہ فصل تیار ہونے پر کھاد اور بیج کے روپیہ کے ساتھ بیاج دینا پڑے گا، کیا دونوں کے لئے اس شرط پر بینک سے لین دین کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں جواز کی شکل یہ ہے کہ بینک سے معاملہ اس طرح کیا جائے کہ فصل تیار ہونے کے بعد فلاں تاریخ کو ہم کھاد اور بیج کے بدلہ میں تمہیں اتنے روپئے دیں گے، اس میں بیاج کی رقم بھی شامل کرلی جائے، مثلاً: دس روپئے اصل قیمت تھی اس میں دو روپئے ملاکر ۱۲؍روپئے کردئے جائیں اور وقت معینہ پر ۱۲؍روپئے ادا کردئے جائیں، تو یہ ۱۲؍روپئے اصل قیمت قرار پائے گی اور یہ معاملہ سودی نہیں رہے گا، اگرچہ بینک والے اسے سود اور بیاج قرار دیں، نیز ایک ایکڑ اور ۸؍۱ ایکڑ دونوں کے مالکوں کے لئے یہ طریقہ اختیار کرنا درست ہے۔

لأن للأجل شبهًا بالمبيع ألا يرىٰ أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل. (الهداية، البيوع / باب المرابحة والتولية ۵۸/۳، كذا في الدر المختار على رد المحتار / باب المرابحة والتولية

١٤٢/٥ دار الفكر بيروت، الفتاویٰ الهندية، البيوع / الباب العاشر في الشروط التي تفسد البيع ١٣٦/٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۲/۹/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سبسڈی پر بورنگ اور اِنجن خریدنا؟

سوال (۸۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے سرکاری بینک سے چھوٹ پر ٹیوب ویل کی بورنگ کرائی اور انجن خریدا، اب روپئے قسط وار ادا کر رہا ہے جس میں بیاج بھی دینا پڑتا ہے، تو کیا اس طریقہ سے چھوٹ پر بورنگ وانجن خریدا جاسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بینک سے دی گئی چھوٹ اگر سود کی رقم کے برابر یا اس سے کم رہتی ہے تو یہ معاملہ درست ہے؛ اس لئے کہ حقیقۃً ربوا کا تحقق نہیں ہوا۔

لأن الربا هو الفضل الخالي عن العوض و حقيقة الشروط الفاسدة هي زيادة مالا يقتضيه العقد ولا يلائمه فيكون فيه فضل خال عن العوض وهو الربا بعينه. (شامي، كتاب البيوع / باب الربا ١٦٩/٥ كراچی، ٣٩٩/٧ زكريا، كذا في البحر الرائق / باب الربا ١٢٤/٦ كراچی)

الربا هو الفضل المتسحق لأحد المتعاقدين في المعاوضة الخالي عن عوض شرط فيه. (الهداية / باب الربا ٨٠/٣ مكتبه شركت علمية ملتان)

أما في اصطلاح الفقهاء فهو زيادة أحد البدلين المتجانسين من غير أن يقابل هٰذه الزيادة عوض. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، مباحث الربا / تعريفه وأقسامه ٢٢٧/٢ دار الكتب العلمية بيروت)

وهو في الشرع عبارة عن فضل مالٍ لا يقابله عوض في معاوضة مال بمال. (الفتاویٰ الهندية / الباب التاسع، الفصل السادس في تفسير ۱۱۷/۳ زكريا)

باب الربا: هو فضل مال بلا عوض في معاوضة مال بمال. (كنز الدقائق / باب الربا ۲٤۸ رشيدية)

الربا ...... وشرعًا فضل ولو حكمًا، فدخل ربا النسيئة والبيوع الفاسدة، فكلها من الربا خال عن العوض بمعيار شرعي، وهو الكيل والوزن مشروط أحد المتعاقدين في المعاوضة. (الدر المختار مع رد المحتار / باب الربا ١٦٨/٥ كراچی، تبيين الحقائق، كتاب البيوع / باب الربا ٤٤٦/٤ دار الكتب العلمية بيروت، ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب البيوع / باب الربا ۱۱۹/۳ غفارية كوئٹه، وكذا في تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع / باب الربا ٥٦٦/١ مكتبه دار العلوم كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۲/۹/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِنکم ٹیکس سے بچنے کے لئے بینک سے قرض لے کر گاڑی خریدنے کی جائز شکل

سوال (۸۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے پاس اپنے جائز کاروبار سے کمائے ہوئے پانچ لاکھ روپیہ ہیں، زید نے دولاکھ کا کاروبار کیا اور انہیں کا حکومت کو انکم ٹیکس ادا کیا، اب زید کے پاس بقایا جو تین لاکھ روپیہ ہیں، وہ حکومت کی نظر میں بلیک منی یعنی نمبر دو کا پیسہ ہے، اب اگر زید ان تین لاکھ میں سے گاڑی، زمین، یا اور کاروبار کرنا چاہے تو حکومت اس سے باز پرس کرتی ہے کہ کہاں سے آیا، کیسے آیا اور اب تک اس کا انکم ٹیکس ادا کیوں نہیں کیا وغیرہ؟ تفتیش طلب امر یہ ہے کہ وہ پیسہ جس کو سرکار نمبر دو کا سمجھتی ہے، اگر چہ ہے وہ ہماری خون پسینہ کی گاڑھی اور جائز کمائی، اس کو نمبر ایک میں کیسے لایا جاسکے؛ تاکہ زید

کاروبار کو فروغ دے سکے؟ مکان اور گاڑی وغیرہ لے سکے؟ زید سرکار کی جواب دہی سے بھی بچ جائے؟ اور انکم ٹیکس کی کمر توڑ رقم سے بھی چھٹکارا مل جائے، زید کی سمجھ میں ایک طریقہ آتا ہے کہ بینک کے قرض سے گاڑی لے لی جائے؛ کیوں کہ گاڑی لون ہی سے لی جاسکتی ہے، اور پھر گاڑی کو یہ دکھا کر کہ گاڑی کرایہ پر چل رہی ہے، اگرچہ وہ کھڑی ہوئی ہے، اور کرایہ کی شکل میں ہونے والی آمدنی کچھ روپیہ سال کے حساب سے بینک کو اپنی جمع کردہ جائز رقم لوٹاتے رہیں، جو حکومت کی نظر میں نمبر دو کی ہے، اس طرح وہ رقم نمبر دو سے نکل کر نمبر ایک میں آجائے گی۔ صحیح جواب سے آپ مطلع فرمائیں گے، کیا یہ صورت سرکار کی زیادتیوں اور انکم ٹیکس کی بھاری رقم سے بچنے کے لئے اختیار کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اِنکم ٹیکس سے بچت کے لئے اگر بینک سے قرض لے کر گاڑی خریدنا چاہتے ہیں، تو ناجائز طریقہ سے نہ خریدیں؛ بلکہ جائز طریقہ سے خریدیں، جس کی شکل یہ ہے کہ بینک اس شخص کو (جو بھی گاڑی خریدنے جائے) اپنا وکیل بنادے اور پھر وہ شخص گاڑی خرید کر بینک کے حوالہ کردے، اور پھر بینک اس کے ہاتھ گاڑی فروخت کردے، اور خریدار بر وقت ساری قسطیں اَدا کردے، تو اس صورت میں سودی معاملہ کرنا لازم نہیں آئے گا؛ بلکہ جو بھی بینک زائد رقم وصول کرے گا وہ اُس کا نفع ہوگا۔ (امداد الفتاویٰ ۳/۱۳۵، ایضاح النوادر ۱/۱۰۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۷/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بینک سے قرض لینے والے کی آمدنی؟

سوال (۸۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم اگر کسی آدمی سے غیر سودی قرض لیں، تو ظاہر ہے وہ روپیہ حلال ہے، ہم ان روپیوں کو اپنی ضروریات میں صرف کرسکتے ہیں؛ لیکن اگر ضرورت کی بنا پر بینک سے قرض لیا جائے تو وہ کیسا ہے؟

ظاہر ہے یہ روپیہ وہی ہے جس کو بینک نے اپنے قرض داروں سے سود کے نام پر وصول کیا ہے، تو کیا اس قرض کی آمدنی کا بھی وہی حکم ہوگا جو عام قرض کا رہتا ہے یا الگ ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو روپیہ بینک سے بطور قرض لیا جاتا ہے وہ مخلوط ہوتا ہے، اس میں سود اور ودیعت کی رقم کے ساتھ اُجرۃ الخدمۃ بھی شامل ہوتی ہے، اس لئے اس خلط کی وجہ سے سود کی تعدی قرض دار تک نہ ہوگی، اور نہایت مجبوری میں بینک سے قرض لینے والے کی آمدنی حلال ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۸/۱۴۱ ڈابھیل)

ثم إذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال، فإن تعذر عليه زادوا في الحق والأجل الخ. (تفسير كبير ۱/۲ ۳۵ البقرة، تحت آية: ۲۷۵ دار الفكر بيروت)

ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه ...... لأنه استهلاك.

(الدر المختار / باب زكاة الغنم ۲/ ۲۹۰ دار الفكر بيروت)

غالب مال المهدي إن حلالاً، لا بأس بقبول هديته وأكل ماله. (الفتاوىٰ البزازية، الكراهية / الفصل الرابع ٦/ ٣٦٠ زكريا، فتاوىٰ قاضي خان، كتاب الحظر والإباحة / ما يكره أكله وما لا يكره ٣/ ٤٠٠ زكريا، الفتاوىٰ الهندية، الكراهية / الباب الثاني عشر ٥/ ٣٤٢ زكريا)

يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح. (البحر الرائق / البيوع ٦/ ١٢١ زكريا، الأشباه والنظائر / الفن الأول، قبيل: القاعدة السادسة ٩٣)

الضرورات تبيح المحظورات. (شرح المجلة ٢٩ رقم المادة: ٢١، الأشباه والنظائر / القاعدة الخامسة ٨٧ مكتبة دار العلوم ديوبند، قواعد الفقه ٨٩ رقم: ١٧٠ دار الكتاب ديوبند)

الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً أو خاصةً. (شرح المجلة لسليم رستم باز ٣٣ رقم المادة: ٣٣، الأشباه والنظائر / الفن الأول، القاعدة الخامسة ٩٣) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۵/۲/۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

بینک سے ایک لاکھ روپیہ قرض لے کر سوا لاکھ جمع کرنا؟

سوال (۸۷):-کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بینک کی طرف سے لوگوں کو قرض دیا جاتا ہے اور لوگ اس رقم کے ذریعہ کاروبار کرتے ہیں، رقم دیتے وقت بینک کی طرف سے یہ شرط ہوتی ہے کہ اگر ایک لاکھ روپیہ دیں گے، تو تاجر کو کاروبار کر کے سوا لاکھ روپیہ واپس کرنا پڑے گا، تو جو زائد رقم ۲۵ ر ہزار تاجر کو دینا پڑتی ہے یا دینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ رقم بینک کو دینا جائز نہیں ہے یہ سود ہے۔

عن جابر بن عبد اللّٰہ رضي اللّٰہ عنہ قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم آکل الربوا ومؤکلہ وکاتبہ وشاهدیه، وقال: هم سواء. (صحیح مسلم ۷۲/۲ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي ۲۲۹/۱ رقم: ۱۲۰۶، مشکاة المصابیح، البیوع / باب الربا ۲۴۴، مرقاة المفاتیح ۴۳/۶ رقم: ۲۸۰۷ دار الکتب العلمیة بیروت)

فمن الربا ما هو بیع، ومنه: ما لیس ببیع، وهو ربا أهل جاهلیة، وهو القرض المشروط فیه الأجل وزیادة مال علی المستقرض. (أحکام القرآن للجصاص ۴۶۹/۱ بیروت)

وکل قرض شرط فیه الزیادة فهو حرام بلا خلاف، قال ابن المنذر: أجمعوا علی أن المسلف إذا شرط علی المستسلف زیادةً أو هدیةً، فأسلف علی ذٰلک أن أخذ الزیادة علی ذٰلک ربا، قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: کل قرض جر منفعةً فهو ربا. (إعلاء السنن، کتاب الحوالة / باب کل قرض جر منفعة فهو رها ۴۹۹/۱۴ إدارة القرآن کراچی، فیض القدیر ۴۴۸۷/۹ رقم: ۶۳۳۶ مکتبة نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

قال الخطابي: سوّی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بین اٰکل الربا وموکله، إذ کل لا یتوصل إلی أکله إلا بمعاونتهٖ ومشارکته إیاه، فهما شریکان

في الإثـم كـمـا كانا شريكين في الفعل ...... ’’وكاتبه وشاهديه‘‘ قال النووي: فيه تـصـريـح بتـحـريـم كتـابة المتراتبين، والشهادة عليهما، وبتحريم الإعانة على الباطل. (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع / باب الربا ٦/١٥ رشيدية)

قـوله: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وآله وسلم اٰكل الربا وموكله وكـاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. هٰذا تصريح بتحريم كتابة المبايعة ...... وفيه تـحريم الإعانة على الباطل. (شـرح الـنـووي على صحيح مسلم، كتاب المساقات والمزارعة / باب الربا ٢/٢٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۲/۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا اضطراری حالت میں سودی قرض لے سکتے ہیں؟

سـوال (۸۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں نے کچھ دنوں قبل جوتے کا کاروبار شروع کیا تھا؛ لیکن ادھار لین دین کی وجہ سے میرا قریب دوڈھائی لاکھ روپیہ ڈوب گیا یا بے ایمانی ہوگئی، دوکان کی حالت خستہ ہوگئی، کاربار کو بچانے کے لئے دوکان میں اور پونجی ڈالنا نہایت ضروری ہوگیا، گھر میں جو کاشت کی زمین تھی اس میں سے قریب پونے دو بیگھہ زمین فروخت کرکے مہاجن کا کچھ قرضہ وصول کیا اور کچھ اب بھی باقی ہے، اور دوسری زمین بیچنے پر پھر گھر میں پریشانی کا اندیشہ ہے، کبھی دہلی میں الجمعیۃ کی طرف سے مفتیانِ ہند کا ایک اجتماع ہوا تھا، اس میں موجودہ زمانہ کی ضروریات واہمیت کی روشنی میں کچھ فیصلے لئے گئے تھے کہ بینک سے سودی قرض کس حالت میں لئے جاسکتے یں، جب کہ تفصیلی رپورٹ ندائے شاہی میں پڑھی تھی؛ لیکن اس وقت یاد نہیں آرہا ہے کہ کس ماہ اور کس سن میں یہ مضمون پڑھا تھا، براہِ کرم بتلائیں کہ اس صورتِ حال میں بینک سے قرض لینا کہاں تک جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ وتعالیٰ

الـجـواب وبـالـلّٰه الـتـوفـيـق: سودی قرض لینا اُسی وقت جائز ہوسکتا ہے جب کہ

اضطراری حالات پیدا ہوجائیں کہ بلاسودی قرض لئے زندگی گذارنا ہی مشکل ہو، محض کاروبار بڑھانے کے لئے سودی قرض کی اجازت نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَیْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ [البقرۃ، جزء آیت: ۱۷۳]

فقال: ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ﴾ أي في غير بغي ولا عدوان، وهو مجاوزة الحد ﴿فَلَا اِثْمَ عَلَیْهِ﴾ أي في أكل ذٰلک ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾، وقال مجاهد: فمن اضطر غير باغ ولا عاد، قاطعًا للسبيل أو مفارقًا للأئمة، أو خارجًا في معصية اللّٰه، فله الرخصة، ومن خرج باغيًا أو عاديًا أو في معصية اللّٰه، فلا رخصة له وإن اضطر إليه، وكذا روي عن سعيد بن جبير. وقال سعيد في رواية عنه ومقاتل بن حيان: غير باغ يعني غير مستحلة، وقال السدي: غير باغ، يبتغي فيه شهوته. (تفسير ابن كثير مكمل ١٤٠ دار السلام رياض)

يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح. (البحر الرائق / البيوع ٦/١٢١ زكريا، الأشباه والنظائر / الفن الأول، قبيل: القاعدة السادسة ٩٣)

الضرورات تبيح المحظورات. (شرح المجلة ٢٩ رقم المادة: ٢١، الأشباه والنظائر / القاعدة الخامسة ٨٧ مكتبة دار العلوم ديوبند، قواعد الفقه ٨٩ رقم: ١٧٠ دار الكتاب ديوبند)

الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً أو خاصةً. (شرح المجلة لسليم رستم باز ٣٣ رقم المادة: ٣٣، الأشباه والنظائر / الفن الأول، القاعدة الخامسة ٩٣)

وإذا كان لإنسان حاجة أو ضرورة ملحّة اقتضت معطى الفائدة أن يلجأ إلى هٰذا الأمر، فإن الإثم في هٰذا الحال يكون على آخذ الربا. (الفائدة) وحده، وهٰذا بشرط أن تكون هناک حاجة أو ضرورة حقة لا مجرد توسع في الكماليات أو أمور يُستغنىٰ عنها. (الحلال والحرام في الإسلام، للشيخ يوسف القرضاوي ٢١٩ بيروت)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي،

كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٦/٣٦٥ كراچی، ۵۵۳/۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۷/۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سرکار کی طرف سے بنکر حضرات کے لئے امداد کی اسکیم ملنا؟

سوال (۸۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سرکار کی طرف سے بنکر حضرات کے لئے امداد کی اسکیم آئی ہے، مثلاً دو ہزار فی کس کے لئے؛ لیکن پریشانی یہ ہے کہ یہ مکمل رقم امیدوار کو نہیں مل پاتی؛ بلکہ صرف پندرہ سو ملتے ہیں، پانچ سو اوپر کے لوگ ہڑپ کر جاتے ہیں، جب کہ امیدوار کے دستخط یا نشان دو ہزار کی وصول یابی کے کرائے جاتے ہیں، نیز قبل از وقت نام وغیرہ کے اندراج کے لئے ۵۰۰/روپئے ایجنٹ کو دینے پڑ رہے ہیں، اور اس کے لئے فوٹو کی ضرورت بھی ہوتی ہے، نیز عورتوں کے لئے بھی یہ اسکیم آرہی ہے، اس اسکیم سے غریب بنکر تو فائدہ اٹھارہے ہیں؛ لیکن امیر لوگ بھی اس میں نام بھروارہے ہیں، اس کے جواز وعدم جواز کے سلسلہ میں جواب عنایت فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اس اسکیم میں سود کی ملاوٹ نہیں ہے، تو اس کا لینا مستحقین کے لئے جائز ہے، اور اس سلسلہ میں غیر مستحقین جو بلا استحقاق رقم وصول کررہے ہیں، ان کے لئے وہ لی ہوئی رقم بالکل حلال نہیں ہے؛ البتہ اگر کوئی شخص اس کے متعلق کاغذات کی تیاری اور دوڑ دھوپ پر کوئی اجرت مقرر کرکے معاملہ کرے تو درست ہوسکتا ہے۔

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا يحل مال إمرء مسلم إلا بطيب نفس منه. (مسند أحمد ٥/٧٢، شعب الإيمان للبيهقي ٢/٩٧٦، مشكاة المصابيح ٢٥٥، مرقاة المفاتيح ٣/٣٠٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۵/۳/۱۴۱۹ھ

بینک کا غرباء کو سبسڈی قرض دینا؟

سوال (۹۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بینک سے کاروبار کرنے کے لئے ۱۰ر ہزار روپئے لینا چاہتا ہوں، یہ ایک سرکاری اسکیم کے تحت قرض دیا جارہا ہے، جو ہر ماہ قسطوں میں ادا کیا جائے گا، بینک میں قرض میں ۱۵ر یا ۲۰ر پرسنٹ چھوٹ بھی دیتی ہے، جس میں ۱۰ر ہزار روپئے پر قریب ۲ر ہزار روپئے کی چھوٹ مل جائے گی اور باقی پیسہ جمع کرنا ہوگا، یہ رقم ایک مقررہ وقت تقریباً ۳ر سال میں جمع کرتے ہیں، یہ سرکار کی طرف سے غریب آدمیوں کو کاروبار کرنے کے لئے دیا جارہا ہے، اس طرح پیسہ لے کر کاروبار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حکومت کی طرف سے غرباء کو بطور قرض جو رقم دی جاتی ہے، یہ اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ حکومت کی طرف سے دی گئی رقم سے ادائیگی کی رقم زائد نہ ہو، اگر زائد ہوگئی تو سودی لین دین میں شامل ہو کر ناجائز ہے اور برابر کا معاملہ ہے، تو یہ سود کے دائرہ میں داخل نہ ہونے کی وجہ سے جائز ہے۔

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم ۲/۷۲ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي ۱/۲۲۹ رقم: ۱۲۰۶، مشكاة المصابيح، البيوع / باب الربا ۲۴۴، مرقاة المفاتيح ۶/۴۳ رقم: ۲۸۰۷ دار الكتب العلمية بيروت)

الربا هو الفضل المتسحق لأحد المتعاقدين في المعاوضة الخالي عن عوض شرط فيه. (الهداية / باب الربا ۳/ ۸۰ مكتبه شركت علمية ملتان)

أما في اصطلاح الفقهاء فهو زيادة أحد البدلين المتجانسين من غير أن يقابل هٰذه الزيادة عوض. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، مباحث الربا / تعريفه وأقسامه

۲۲۷/۲ دار الكتب العلمية بيروت، كذا في الفتاوىٰ الهندية / الباب التاسع، الفصل السادس في تفسير ۱۱۷/۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۶/۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سنار کے یہاں زیورات رہن رکھنے پر قرض کے ساتھ سود دینا؟

سوال (۹۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے اپنے زیورات کو سنار کے یہاں رکھ کر اس سے پیسے لئے اور جب وہ رقم ادا کرتا ہے تو اس کا سود بھی دیتا ہے، کیا ایسا لین دین شریعت میں جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا لین دین شریعت میں بالکل جائز نہیں ہے۔

كل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف ...... الفضل الشروط في القرض ربا محرم لا يجوز للمسلم من أخيه المسلم أبدًا، لإجماع المجتهدين على حرمته. (إعلاء السنن / رسالة كشف الدجى على حرمة الربوا ١٤ ٥١٨/١ إدارة القرآن كراچی)

كل قرض جر نفعًا حرام أي إذا كان مشروطًا. (شامي ١٦٦/٥ كراچی، ٣٩٥/٧ زكريا)

الربا هو القرض على أن يؤدي إليه أكثر أو أفضل مما أخذ. (حجة الله البالغة / الربا سحت باطل ٢٨٢/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/۱۱/۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

امام صاحب کا مکان بنانے کے لئے بینک سے قرض لینا؟

سوال (۹۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک امام صاحب نیک آدمی ہیں، اُن کی نوکری صرف امامت ہے، دوسری کوئی آمدنی نہیں ہے، اور نہ ان

کے پاس زمین وغیرہ ہے، صرف کرایہ کے مکان میں رہتے ہیں، وہ امام صاحب بینک سے قرض لے کر زمین خریدنا چاہتے ہیں؛ تاکہ اپنا مکان بنا سکیں، بینک سے قرض لے کر زمین خریدنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ امام صاحب کے لئے بینک سے سود پر قرض لینا جائز نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة، جزء آیت: ۲۷۵]

عن جابر بن عبد اللّٰہ رضي اللّٰہ عنه قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحیح مسلم ۷۲/۲ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي ۲۲۹/۱ رقم: ۱۲۰۶، مشكاة المصابيح، البيوع / باب الربا ۲٤٤، مرقاة المفاتيح ٤۳/٦ رقم: ۲۸۰۷ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۷/۱۱/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حکومتی ٹیکس سے بچنے کیلئے بینک سے سودی قرض لے کر مکان بنانا؟

سوال (۹۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضرت میں نے مکان بنانے کی نیت کی ہے، لوگوں سے مشورہ کیا تو لوگوں نے کہا کہ اگر آپ بینک سے لون نہیں لیں گے، تو حکومت آپ سے دریافت کرے گی کہ آپ کے پاس بیس لاکھ روپئے اتنے کہاں سے آئے ہیں؟ میں ایک تاجر ہوں میرا کنبہ بڑا ہے، ہم سات بھائی ہیں، سب ساتھ مل کر کام کرتے ہیں؛ اس لئے بڑے مکان کی ضرورت ہے، اور اس سے کچھ زائد رقم بھی لگ سکتی ہے، تو کیا میں مکان کے لئے لون لے سکتا ہوں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مکان کی تعمیر کے لئے سودی قرض لینا جائز نہیں ہے؛

تاہم حکومت کے ٹیکس سے بچنے کے لئے یہ تدبیر کی جائے کہ ایک طرف سودی قرض لیا جائے، دوسری طرف اتنی رقم بینک میں رکھوادی جائے کہ اس پر ملنے والا سود، سودی قرض پر چڑھنے والے سود کے برابر سرابر ہو جائے، تو حکومت کے ظلم سے بچنے کی نیت سے اس تدبیر کی اجازت ہوسکتی ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۸۵۲، ایضاح النوادر ۱/۹۹)

وفي الدر: غصب دراهم إنسان من كيسه ثم ردها فيه بلا علمه برئ، وكذا لو سلمه إليه بجهة أخرى كهبة، أو إيداع أو شراء. (الدر المختار مع الشامي / كتاب الغصب ۱۸۲/٦ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/۶/۷ ۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ذاتی رقم ہوتے ہوئے ثمن کی ادائیگی کیلئے بینک سے سودی قرض لینا؟

سوال (۹۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک تاجر ہے اور ان کی تجارت کی شکل کچھ اس طرح ہے کہ انہوں نے ۹/لاکھ روپئے کا مال خریدا، اور دوسرے کو دس لاکھ روپیہ کا فروخت کیا، اب جس سے مال خریدا تھا، اس کی رقم ادا کرتے وقت آدھی رقم لون کے ذریعہ ادا کی جاتی ہے، اس کی وجہ زید نے یہ بتائی کہ جس کو مال فروخت کیا تھا، اس نے مال کا پیمنٹ نقد نہیں کیا مجبوراً مال والے کو رقم وقت مقررہ پر ادا کرنے کی خاطر لون پر روپیہ لے کر ادا کرتا ہوں، حالاں کہ زید نے جتنا روپیہ لون پر لیا، اس سے کئی گنا زید کے پاس اپنی ملکیت میں موجود ہے؛ لہٰذا اِس صورت میں زید کی تجارت جائز ہے یا ناجائز؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسبِ تحریر سوال جب کہ زید کے پاس بائع کی ادائیگی کے لئے ذاتی رقم موجود ہے، تو بلا وجہ سودی قرض لے کر اس کی ادائیگی کرنا ہرگز جائز نہیں، اب اگر لون لینے کا کوئی معقول سبب ہو، تو اسے واضح کیا جائے۔

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم ۷۲/۲ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي ۲۲۹/۱ رقم: ۱۲۰۶، مشكاة المصابيح، البيوع / باب الربا ۲٤٤، مرقاة المفاتيح ٤۳/٦ رقم: ۲۸۰۷ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۶/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کریڈٹ کارڈ والوں کو حکومت کا قرض کی سہولت دینا؟

سوال (۹۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حکومت نے کریڈٹ کارڈ والوں کو کاروباری اِعانت کے طور پر ایک سہولت عطا کی ہے، وہ یہ کہ کریڈٹ کارڈ والوں کو حکومتِ ہند قرض دے رہی ہے؛ تاکہ وہ اپنا معاشی نظام درست کریں، اس کی شکل یہ ہے کہ وہ کیش بھی نہیں دیتی؛ بلکہ جن کے پاس کارڈ ہے، اُن کے بینک کھاتے میں بھیج دیتی ہے، اب جب کریڈٹ کارڈ والا بینک سے پیسہ نکال کرلاتا ہے، اُس وقت سے اُس پر ایک فیصد سودی قانون لاگو ہوتا ہے، اور یہ سودی قانون اُس وقت ہٹ جاتا ہے جب اُس کا قرض ادا کردیا جائے، اِس میں سہولت یہ ہے کہ چاہے چھ مہینے کھاتے میں پڑا رہے، ایک بھی روپیہ سود نہیں لگ سکتا، ہاں جس وقت اُسے اپنے کھاتے سے نکالیں گے، اس وقت سے چالو ہوکر رقم مذکورہ جمع ہونے تک کا سود دینا پڑے گا، وہ بھی نہ ہونے کے برابر یعنی ایک فیصد۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود تو بہرحال سود ہے، خواہ ایک فیصد کیوں نہ ہو؛ لہٰذا جب بھی کھاتے سے رقم نکالی جائے گی سود کا گناہ شروع ہو جائے گا، جو رقم واپس جمع کرنے تک جاری رہے گا۔

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم

آکل الربوا ومؤکله وکاتبه وشاهدیه، وقال: هم سواء. (صحیح مسلم ۲/۷۲ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي ۱/۲۲۹ رقم: ۱۲۰۶، مشکاة المصابیح، البیوع / باب الربا ۲۴۴، مرقاة المفاتیح ۶/۴۳ رقم: ۲۸۰۷ دار الکتب العلمیة بیروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۸/۱۰/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گرین کارڈ سے سودی قرض لینا؟

سوال (۹۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل جو بینکوں سے قرض لیا جارہا ہے (مثلاً گرین کارڈ اِدّم کارڈ وغیرہ) اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ سال میں ۱۰۰/روپیہ میں سات روپیہ بیاج دینا پڑتا ہے، جو آج کل بہت کثرت سے رائج ہے، جس میں پڑھا لکھا طبقہ بھی اس جال میں پھنسا ہوا ہے، تو اگر کوئی شخص یہ رقم بینک سے لے کر ایک مخصوص مدت یعنی دو تین سال اپنے پاس رکھ کر مع بیاج کے اس کو بینک میں جمع بھی کردیا ہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس کا لین دین درست ہے کہ نہیں؟ اگر درست ہے تو ٹھیک ہے ورنہ تلافی کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گرین کارڈ وغیرہ کے ذریعہ سودی قرض لینا قطعاً حرام ہے، اس بارے میں آپ سے جو کوتاہی ہوئی ہے اس پر صدق دل سے توبہ کریں، اور عہد کریں کہ آئندہ ایسے حرام کام میں حصہ نہیں لیں گے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة، جزء آیت: ۲۷۵]

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَحِیْمٌ﴾ [المائدة: ۳۹]

عن جابر بن عبد اللّٰہ رضي اللّٰہ عنہ قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

آكـل الـربـوا ومـؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم ۷۲/۲ رقم: ١٥٩٨، سنن الترمذي ٢٢٩/١ رقم: ١٢٠٦، مشكاة المصابيح، البيوع / باب الربا ٢٤٤، مرقاة المفاتيح ٤٣/٦ رقم: ٢٨٠٧ دار الكتب العلمية بيروت)

وكل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف، قال ابن المنذر: أجمعوا على أن المسلف إذا شرط على المستسلف زيادةً أو هديةً، فأسلف على ذٰلک أن أخذ الزيادة على ذٰلک ربا، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل قرض جر منفعةً فهو ربا. (إعلاء السنن، كتاب الحوالة / باب كل قرض جر منفعة فهو رها ٤٩٩/١٤ إدارة القرآن كراچی، فيض القدير ٤٤٨٧/٩ رقم: ٦٣٣٦ مكتبة نزار مصطفىٰ الباز رياض) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۵/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کسانوں کو کریڈٹ کارڈ پر ملنے والی سودی رقم کا حکم؟

سوال (۹۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک کاشتکار آدمی ہے، حکومت نے بینک کے ذریعہ کریڈٹ کارڈ کے نام سے جو اسکیم صرف کاشتکاروں کو رقم دینے کے لئے بنائی ہے، جس کی شکل یہ ہے کہ بینک سے فی بیگھہ سات ہزار روپئے لے کر ایک سال کے اندر اندر جمع کرنے ہوتے ہیں، رقم جمع کرتے وقت بینک تین فیصد رقم زائد وصول کرتا ہے۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ زید کا اسی بینک میں پہلے سے نقد لین دین کے نام سے ایک کھاتہ ہے، جس پر بینک سال بھر میں سود دیتا ہے، اب اگر کریڈٹ کارڈ والے کھاتے سے لی ہوئی رقم مثلاً ۵۰؍ ہزار روپیہ کو اپنے پاس سے اور زائد رقم کو ۳؍ فیصد کو اپنے لین دین والے کھاتے کے سود سے ساتھ کے ساتھ اسی بینک میں لوٹا دیں، یعنی دونوں کھاتے کریڈٹ کارڈ والا بھی اور نقد لین دین والا بھی ایک ہی بینک میں ہیں تو یہ صورت کریڈٹ کارڈ سے استفادہ کی جائز ہے یا ناجائز؟

نوٹ:- کریڈٹ کارڈ کے استعمال کی اگر کوئی اور صورت بھی اس کے علاوہ جائز ہو تو تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کریڈٹ کارڈ کے نام سے کاشتکاروں کو دی جانے والی رقم سودی قرض ہے، جس کا لین دین اصولاً جائز نہیں ہے؛ اس لئے کسی مسلمان کو یہ سودی رقم نہیں لینی چاہئے؛ لیکن اگر کسی نے یہ رقم لے لی ہے اور اُس کو اسی بینک میں جمع شدہ رقم پر کچھ سود بھی ملا ہوا ہے، تو اس کے لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ اس ملے ہوئے سود سے سودی قرض میں دیئے جانے والے سود کی ادائیگی کردے، اور کریڈٹ کارڈ کے جائز استعمال کی کوئی صورت ہمارے علم میں نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ۶۵/۸، ایضاح النوادر ۱۰۱/۱)

قال بعض مشايخنا: كسب المغنية كالمغصوب لم يحل أخذه، وعلى هٰذا قالوا: لو مات الرجل وكسبه من البيع الباذق أو الظلم أو أخذ الرشوة يتورع الورثة، ولا يأخذون منه شيئًا، وهو أولى بهم، ويردونها على أربابها إن عرفوهم وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة/ باب الاستبراء، فصل في البيع ٣٦٥/٦ كراچی، ٥٥٣/٩ زكريا، ٣٨٥/٦ دار الفكر بيروت)

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالاً بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد، كالبيوع الفاسدة والاستئجار على المعاصي والطاعات، أو بغير عقد، كالسرقة والغصب والخيانة والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه، ولكن إن أخذه من غير عقد ولم يملكه يجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك، وإلاَّ ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء؛ فإن الحديث دال على حرمة التصدق، بمال الخبيث. (بذل المجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ٣٥٩/١ تحت رقم: ٥٩ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/۷/۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بینک میں رقم جمع کرنا اور مجبوری میں سودی قرض لے کر کاروبار کرنا؟

سوال (۹۸):-کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ :اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ مرحمت فرما کر مشکور وممنون فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

(۱) دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندوستان وانگلستان، مسلم وغیر مسلم ممالک میں سرکاری بینکوں کے ذریعہ یا پرائیویٹ پبلک سیکٹروں میں ہر طرح کے سودی نقد روپئے پیسے کے لین دین کاروباری یا غیر کاروباری کے لئے ہوتے ہیں۔

(۲) ہم ہندوستان (انڈیا) میں رہتے ہیں، اور الحمد للہ مسلمان ہیں، کیا ہمیں شرعی نقطۂ نظر سے سرکاری یا غیر سرکاری بینکوں کے ذریعہ اپنی ضروریات، جیسے مالی مفلسی میں یا کاروبار وغیرہ، یا اپنی اولاد لڑکا یا لڑکی کی شادی بیاہ وغیرہ کے ضروریات خرچ کے لئے بذریعہ بینک وغیرہ سے قرض لے کر اپنی ضروریات پوری کر سکتے ہیں؟

(۳) جہاں تک ہماری معلومات شرعی ہیں کہ کہیں سے کہیں تک شرع میں سود لینا و دینا قطعی ممنوع وحرام قرار دیا گیا ہے۔

(۴) ہندوستان انڈیا میں بڑے سے بڑے وچھوٹے سبھی مسلم کاروباری وغیرہ بینک کے ذریعہ ودیگر ذرائع سے سودی روپیہ پیسہ لے کر اپنا کاروبار کر رہے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

(۵) اگر مسلمان کے لئے کوئی شرعی گنجائش قرض پر روپیہ پیسہ سودی لین دین کرنے کی اِجازت ہے، تو براہِ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب فتویٰ مرحمت فرما کر مشکور وممنون فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینکوں میں حفاظت، یا قانونی مجبوری کی وجہ سے پیسے جمع کرنا، یا بینکوں کے توسط سے رقومات کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا فی نفسہٖ جائز ہے؛ البتہ بینک میں جمع شدہ رقم پر جو سود ملتا ہے، اس کو اپنے استعمال میں لانا ہرگز جائز نہیں۔ اِسی طرح بینک

سے سود لے کر کاروبار کرنا، اور بینک کا سود ادا کرنا ایک گناہ کا کام ہے، جب تک سودی قرض آدمی کے ذمہ رہے گا، وہ شخص گنہگار ہوگا؛ البتہ اگر کوئی شخص ایسا محتاج اور مجبور ہو جائے کہ اُس کے لئے کھانے، پینے اور ضروریاتِ زندگی اختیار کرنے کی کوئی شکل ہی نہ رہے، تو ایسے مجبور شخص کے لئے بقدرِ ضرورت سودی قرض لینے کی گنجائش حضراتِ فقہاء نے دی ہے؛ لیکن جس قدر جلدی ہو سکے اس کی ادائیگی کی فکر کرنا لازم ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۹۹/۸، فتاویٰ محمودیہ ۳۱۲/۱۶ ڈابھیل)

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم ۷۲/۲ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي ۲۲۹/۱ رقم: ۱۲۰۶، مشكاة المصابيح، البيوع / باب الربا ۲٤٤، مرقاة المفاتيح ٤۳/٦ رقم: ۲۸۰۷ دار الكتب العلمية بيروت)

وكل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف، قال ابن المنذر: أجمعوا على أن المسلف إذا شرط على المستسلف زيادةً أو هديةً، فأسلف على ذٰلک أن أخذ الزيادة على ذٰلک ربا، قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: كل قرض جر منفعةً فهو ربا. (إعلاء السنن، كتاب الحوالة / باب كل قرض جر منفعة فهو ربا ٤۹۹/۱٤ إدارة القرآن كراچی، فيض القدير ٤۸۷/۹ ٤ رقم: ٦۳۳٦ مكتبة نزار مصطفىٰ الباز رياض)

والسفاتج التي تتعامله الناس على هٰذا آل أقرضه بغير شرط وكتب له سفتجة بذٰلک فلا بأس به. (المبسوط للسرخسي ۳۷/۱۳)

ثم إن معظم الأوراق المالية التي يتعامل بها الناس اليوم حكم التعامل بها حكم الحوالة ...... وهي التي يقال لها في الأردية: "الهنڈی". (تكملة فتح الملهم ٥۱٤/۱)

كل قرض جر نفعًا حرام أي إذا كان مشروطًا. (شامي ۱٦٦/٥ كراچی، ۳۹٥/۷ زكريا)

ويجوز للمحتاج الاستقراض بالربح. (الأشباه والنظائر ۳۲۷ مكتبة فقيه الأمت)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۴/۲/۱۴۳۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تنگ دست انسان کا سرکار سے لون لے کر تجارت کرنا؟

سوال (۹۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک بندہ نا لائق دنیاوی نالائقی اور روپیہ کی بہت تنگی میں ہے، اب وہ کوئی تجارت کرنا چاہتا ہے، تو وہ سرکار سے لون لے سکتا ہے یا نہیں؟ لون لے کر تجارت کرنا مشروع ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سودی قرض تجارت کرنے کی غرض سے لینا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ سودی لین دین پر قرآن وحدیث میں نہایت سخت ترین وعیدیں آئی ہیں، اور یہ نصِ قطعی حرام ہے؛ البتہ اگر اضطراری حالت ہو تو حکم الگ ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة، جزء آيت: ۲۷۵]

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم ۷۲/۲ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي ۲۲۹/۱ رقم: ۱۲۰۶، مشكاة المصابيح، البيوع / باب الربا ۲٤٤، مرقاة المفاتيح ٤۳/٦ رقم: ۲۸۰۷ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۶/۸ھ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

کاروبار بڑھانے کے لئے بینک سے لون لینا؟

سوال (۱۰۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم حکومتِ ہند سے لون (قرض) لے کر کارخانہ چلانا چاہتے ہیں۔ لون کی ضرورت اس لئے بھی محسوس ہوئی کہ اگر ہم اپنے ذاتی روپئے سے کارخانہ چلائیں، تو حکومتِ وقت ہم کو بلیک منی (کالا دھندا) کرنے والوں میں شمار کرسکتی ہے، اور حکومت ناقابل تحمل انکم ٹیکس ہم پر نافذ کرسکتی ہے۔ دوسری طرف اگر ہم لون نہ کرائیں تو دوسری قومیں تجارت ومعاشی کے اعتبار سے کاروبار میں ہم سے ترقی

میں آگے نکل جائیں گی، اور ہم مسلمان پیچھے رہ جائیں گے۔ شریعت کے حکم سے مطلع فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک سے ملنے والا لون سراسر سودی معاملہ ہے، اور سود کے بارے میں قرآن وحدیث میں سخت ترین وعیدیں وارد ہوئی ہیں، اِس لئے کاروبار بڑھانے کے مقصد سے بینک سے لون لینا قطعاً جائز نہیں، اور یہ کہنا کہ اگر لون نہ لیا جائے تو مسلمان تجارت اور معاشی کاروبار میں دیگر قوموں سے پیچھے رہ جائیں گے، یہ صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ تجربہ بتاتا ہے کہ مسلمانوں کی ترقی سود لینے میں نہیں ہے؛ بلکہ سودی معاملات سے الگ رہنے میں ہے، آج بھی بہت سے بڑے مسلمان تاجر ایسے ہیں جو ایک پیسہ لون لئے بغیر کاروبار کرتے ہیں اور اطمینان کے ساتھ حلال روزی کمارہے ہیں اور کاروبار میں دوسروں سے پیچھے بھی نہیں، اس لئے اِس بارے میں ہمت اور حوصلہ کی ضرورت ہے، اگر آدمی حرام سے بچنے کے لئے ہمت بلند رکھے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوتی ہے، اور بے وہم گمان روزی کے دروازے کھلتے ہیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا. وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾ [الطلاق، جزء آیت: ۲-۳]

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ﴾ [البقرۃ: ۲۷۸]

وقال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿فَاِنْ لَمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ﴾ [البقرۃ، جزء آیت: ۲۷۹]

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الرباء سبعون جزءًا أيسرها أن ينكح الرجل أمه. (مشكاة المصابيح ۲٤٦/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۵/۱/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مکان بنانے کے لئے بینک سے سودی قرض لینا؟

سوال (۱۰۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے اپنی شادی کے بعد اپنے محلّہ سے الگ رہنے کے لئے زمین خریدی، اب مکان بنانے کے لئے زید کے پاس رقم نہیں ہے کہ مکان بنائے، اب زید کا ارادہ ہو رہا ہے کہ حکومت سے لون (قرض) لے لوں۔ شریعت کے حکم سے مطلع فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مکان بنانے کے لئے بینک سے لون لینا جائز نہیں ہے؛ لہٰذا لون لینے کا ارادہ ترک کریں، اور اس کے علاوہ کوئی اور حلال راستہ اختیار کریں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرۃ، جزء آیت: ۲۷۵] **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۵/۱/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کاروبار بڑھانے کے لئے بینک سے سودی قرض لینا؟

سوال (۱۰۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کاروبار بڑھانے کے لئے بینک سے لون لینے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی نے لیا ہے تو اس سے حاصل شدہ آمدنی کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک سے ملنے والا لون سراسر سودی معاملہ ہے، اور سود کے بارے میں قرآن وحدیث میں سخت ترین وعیدیں وارد ہوئی ہیں، اس لئے کاروبار بڑھانے کے مقصد سے لون لینا قطعاً جائز نہیں ہے؛ تاہم اگر کسی نے لے لیا ہے تو اس سے حاصل ہونے والی آمدنی حرام نہیں کہلائے گی؛ اس لئے کہ اس میں سود لیا نہیں جارہا؛ بلکہ دیا جارہا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ

عثمانی ۳/ ۲۸۵، آپ کے مسائل اوران کا حل ۷/ ۳۲۰، اللہ سے شرم کیجئے ۱۲۲)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ [البقرة: ۲۷۸]

وقال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ [البقرة، جزء آیت: ۲۷۹]

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الرباء سبعون جزءًا أيسرها أن ينكح الرجل أمه. (مشكاة المصابيح ۲٤٦/۱)

وقد اكرم الأصحاب في الدرس أن مرادهم من حل الرباء وإبقاء ما إذا حصلت الزيادة للمسلم نظرًا إلى العلة. (شامي ١٨٦/٥ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۱۴/ ۳/ ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بینک سے سودی قرض لینے والے بیٹے کو اپنے گھر سے الگ کرنا؟

سوال (۱۰۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرا بیٹا مع اپنی زوجہ کے میرے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتا ہے، اور خورد ونوش میرے ہمراہ ہے، گیس ایجنسی کے کاروبار کے لئے بینک سے سودی قرض لے رہا ہے، میرے منع کرنے اور سمجھانے سے وہ نہیں مانا، اور اس میں پیش رفت کرلی ہے، ایسی صورت میں کیا اس سے علیحدگی میرے لئے لازم ہے، اور کس طرح؟ کیا کیا اقدام اٹھائے جائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود پر قرض لینے کی وجہ سے آمدنی حرام نہیں ہوتی؛ بلکہ سود دینے کا گناہ لازم آتا ہے؛ لہٰذا آپ کے جس بیٹے نے کاروبار کے لئے سودی قرض لیا ہے، وہ سخت گنہگار ہے، آپ اس کی فہمائش کریں، اور جلد از جلد اُس کو گناہ سے بچنے پر آمادہ کریں؛ تاہم

اُس کے اِس عمل کی وجہ سے آپ پر اُس سے علیحدگی لازم نہیں ہے، اور اُس کے ساتھ کھانا پینا بھی آپ کے لئے ناجائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲۴/۴۴۵ میرٹھ)

ومن استقرض من آخر ألفًا علي أن يعطي المقرض كل شهر عشرة دراهم، وقبض الألف وربح فيها طاب له الربح. (الفتاویٰ الهندية، البيوع / الباب العشرون في المبيعات المكروهة ۲۱۱/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/۱۰/۱۴۳۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسلم فنڈ کا زیورات گروی رکھ کر اس پر ۱۲/ روپیہ فیصد وصول کرنا؟

سوال (۱۰۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسلم فنڈ کرت پور قوم کی فلاح وبہبودی کے نام بینک کے طریقہ کار پر روپیہ جمع کر کے اس سے پبلک کو سونے وچاندی کے زیورات گروی رکھ کر اس پر بارہ روپیہ فی صد سالانہ سود وصول کیا جاتا ہے، جس کو خرچہ کا نام دیا جاتا ہے، اگر خرچہ ہے تو صرف ایک ہی بار لیا جانا چاہئے، یہ ہر تین ماہ بعد سود بارہ روپیہ فی صد کے حساب سے لیا جاتا ہے، اگر کوئی مجبور وپریشان غریب آدمی اپنا زیور آٹھ دس سال بعد لینے آئے گا، تو پورے آٹھ دس سال کا سود مع نوٹس خرچہ لیا جاتا ہے۔ کیا مفتیانِ کرام نے اس سودی کاروبار کی قرآنِ کریم کے احکام کی روشنی میں اجازت دی ہے، کیا اس زمانہ میں شریعت مقدسہ میں تبدیلی آگئی ہے؟

ادارہ مسلم فنڈ کرت پور کی وجہ سے کافی تعداد میں مسلمان سودی کاروبار میں شریک ہوگئے ہیں، جس کی وجہ سے شریعت مطہرہ پر انگلی اٹھنے لگی ہے، آپ حضرات شرعی احکام جاری فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلم فنڈ کا سونے اور چاندی کے زیورات گروی لے کر صندوق لاکرس یا جس مکان میں زیورات رکھے جاتے ہیں، اس کی اُجرت لینا جائز ہے، مگر

فیصد کے حساب سے اُجرت جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱/۲ ۱۷)

وعن أبي يوسف أن كراء الماوى على الراهن بمنزلة النفقة. (الهداية ٥٠٧/٤)

اِسی طرح ضروری اِخراجات کے پیشِ نظر قرض لینے والوں کے ہاتھ حصول قرض کے فارم اور معاہدہ نامہ کو فروخت کرنا جائز ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ﴾ [البقرة، جزء آيت: ٢٨٢]

وقال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ﴾ [البقرة، جزء آيت: ٢٨٢]

مگر مدت پوری ہونے کے بعد دوبارہ توسیع مدت کے فارم فروخت کر کے رقم وصول کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۰ ۱۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۴/ ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسلم فنڈ میں پیسہ جمع کرنا

سوال (۱۰۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسلم فنڈ میں پیسہ جمع کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلم فنڈ میں روپیہ بطور امانت جمع کرنا درست ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۶/۱۲/ ۳۱۳ ڈابھیل) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۱۱/ ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مجبوری میں خرچ کردہ سودی رقم کے بقدر حلال کمائی سے الگ کرنا؟

سوال (۱۰۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے پاس سود بیاز کی رقم تھی، اچانک کوئی ایسی مجبوری آ گئی جس کی وجہ سے زید نے اسی سود

وبیاز کی رقم کو اپنی مجبوری کے وقت استعمال کیا، اور پھر اپنی حلال رقم ملنے پر اسی سود وبیاز کی رقم کو کسی پریشان حال کو بغیر ثواب کی نیت دیتا ہے، یا اسی جگہ جمع کر دیتا ہے، اس طرح کرنا کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مجبوری میں سود کی جو رقم استعمال کرلی گئی ہے، بعد میں اتنی ہی رقم حلال کمائی سے الگ کرکے غریبوں پر صدقہ کرنا لازم ہے۔ (مستفاد: کتاب الفتاویٰ ۵/۳۰۵)

قال بعض مشايخنا: كسب المغنية كالمغصوب لم يحل أخذه، وعلى هٰذا قالوا: لو مات الرجل وكسبه من البيع الباذق أو الظلم أو أخذ الرشوة يتورع الورثة، ولا يأخذون منه شيئاً، وهو أولى بهم، ويردونها على أربابها إن عرفوهم وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٦/٣٦٥ كراچی، ٩/٥٥٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۱/۱/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بینک کے ذریعہ مکان کی خریداری؟

سوال (۱۰۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرا کارخانہ ہے اور تیس آدمی نوکر ہیں، اور کرایہ کے مکان میں کام ہوتا ہے، اور ہر مہینہ میں دس ہزار روپیہ کرایہ دینا پڑتا ہے، اور سرکار کو ہر مہینے انکم ٹیکس دیتا ہوں، اب میں چاہتا ہوں کہ ایک مکان خرید لوں اور ایک مکان ٹھیک بھی کرلیا ہے، قیمت اس مکان کی دس لاکھ روپیہ ہے، مگر میرے پاس دس لاکھ روپیہ نہیں ہے، مگر ایک طریقہ ہے کہ انکم ٹیکس کا پرچہ اور کارخانہ کے کاغذات اگر بینک میں جمع کردوں، تو بینک دس لاکھ روپیہ مکان کے مالک کو دے کر مکان خرید کر مجھ کو دے دے گا، اور مجھ کو آہستہ آہستہ سود کے ساتھ دینا ہوگا، اس طریقہ سے مکان لینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک سے سودی قرض لینا جائز نہیں اور اگر قسط پر مکان کی خریداری کی صورت ہے، تو عقد کے وقت ایک رقم طے ہونی چاہئے، پھر اس میں بروقت ادا نہ کرنے پر سود کی شرط لگانا جائز نہ ہوگا اور جو رقم بھی زائد دی جائے گی وہ سود ہوگی۔

روی مالک عن زید بن أسلم في تفسير الربا قال: كان الربا في الجاهلية أن يكون للرجل على الرجل حق إلى أجل، فإذا أحل قال: أتقضيني، أم تربي؟ فإن قضاه أخذ، وإلا زاد حقه، وزاد الأخر في الأجل. (فتح لقدير / باب الربا ٣/٤ ٣١ دار الفكر بيروت)

كل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف ...... **الفضل الشروط في القرض ربا محرم لا يجوز للمسلم من أخيه المسلم أبدًا، لإجماع المجتهدين على حرمته.** (إعلاء السنن / رسالة كشف الدجى على حرمة الربوا ١٤ ٨/١ ٥ إدارة القرآن كراچی)

كل قرض جر نفعًا حرام أي إذا كان مشروطًا. (شامي ١٦٦/٥ كراچی، ٣٩٥/٧ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۲/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سود کے مصارف

سودی رقم کے مصارف؟

سوال (۱۰۸): -کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مسلمان حفاظت کی غرض سے سرکاری اور نیم سرکاری بینک میں روپیہ جمع کرتا ہے، بینک اس رقم پر رضا کارانہ طور پر ماہانہ سود ادا کرتا ہے، اس سود کی رقم کو کن مصارف میں خرچ کیا جائے؟ کیا مندرجہ ذیل جگہوں میں خرچ کرسکتا ہے؟

کیا کوئی سید والدین اور اولاد کے علاوہ اپنے جداعلیٰ امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد کی امداد کرسکتا ہے؟

اپنے جان و مال اور وقف جائیداد کی حفاظت کے لئے کسی شخص غیر خواہ ہندوستان محکموں کے اہلکار و حکام کو بطور نذرانہ بشکل نقد و جنس دے سکتا ہے؟

مملوکہ اور موقوفہ جائداد کی حفاظت کے مقدمات کے لئے ہندوستان حکومت کے غیر اسلامی جبری اخراجات جس میں سرکاری کورٹ کی قیمت یعنی انصاف کرنے نہ کرنے کا معاوضہ التواء مقدمہ کا ہرجہ وغیرہ بصورتِ مجبوری شخص غیر کی مقدمات کی پیروی میں اُجرت پر خرچ کرسکتا ہے؟

ہندوستانی حکومت کے عائد کردہ انکم ٹیکس، جائیداد ٹیکس، خرید و فروخت کی دستاویزات کے اسٹامپ کی شکل میں قیمت عائد کئے جاتے ہیں، ایسے اسلام مخالف ٹیکس اور ڈیوٹی کی رقم کی ادائیگی ہوسکتی ہے؟

پرانے قبرستان کی حفاظت کے لئے پختہ چہار دیواری کی تعمیر میں خرچ کرسکتے ہیں؟

دینی و دنیاوی مدارس کی کس حد تک امداد کرسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود کی رقم بلانیتِ ثواب فقراء کو دے دی جائے، ورنہ حکومت کی طرف سے عائدکردہ غیر شرعی ٹیکسوں (انکم ٹیکس اور سیل ٹیکس) میں اس نیت سے صرف کی جائے کہ اصل مالک (حکومت) کے خزانے میں رقم پہنچ رہی ہے، بقیہ جو مصارف سوال میں ذکر کئے گئے ہیں، ان میں یہ رقم نہ لگائی جائے۔

شمل الردّ حكمًا لما في جامع الفصولين: وضع المغصوب بين يدي مالكه، برئ وإن لم يوجد حقيقة القبض. (رد المحتار / كتاب الغصب ١٨٢/٦ كراچی)

غصب دراهم إنسان من كيسه، ثم ردها فيه بلا علمه برئ، وكذا لو سلمه إليه بجهة أخرىٰ كهبة وإيداع وشراء، وكذا لو أطعمه فأكله. (الدر المختار / كتاب الغصب ١٨٢/٦ كراچی)

كما أن الضرائب التي تفرض على المسلمين إذا كانت جائزةً، فإنه لا ينبغي أن يعالج جورها بأسلوب محرم لا يقرّه الشرع؛ لأن الحرام لا يواجه بالحرام، فالمسلم الزاني لا يعاقب بالاعتداء على عرضه؛ بل يجلده أو رجمه، والمسلم السارق لا يواجه بسرقة ماله؛ بل يقطع يده والضرائب الجائزة لا تواجه بالفائدة الربوية. (أحكام المال الحرام ٣٣١-٣٣٣ بيروت)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٣٦٥/٦ كراچی، ٥٥٣/٩ زكريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۵/۹/۲۵ھ

بینک انٹرسٹ کے روپیہ کا مصرف؟

سوال (۱۰۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: بینک انٹرسٹ کے روپئے کا صحیح مصرف کیا ہے؟ کیا اِس روپئے سے مسجد یا مدرسہ کا بیت الخلاء ونالی وغیرہ کی تعمیر ہوسکتی ہے یا نہیں؟ کیا غریب بچیوں کی شادی میں یہ روپیہ صرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ نیز شارعِ عام پر اس روپئے سے کیا ہینڈ پمپ لگوا سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکاری بینک سے لیا ہوا سود غیر واجبی ٹیکس، اِنکم ٹیکس، سیل ٹیکس کے ذریعہ دوبارہ حکومت کے خزانہ میں داخل کیا جاسکتا ہے، اگر یہ صورت نہ ہو پھر اُسے بلا نیت ثواب غریبوں میں تقسیم کرنا ضروری ہے، اگر کوئی بچی واقعۃً غریب ہو، صاحب نصاب نہ ہو تو اسے بھی یہ رقم دے سکتے ہیں؛ تاکہ وہ خود اپنی ضروریات پوری کرلے۔ اس کے برخلاف یہ سودی رقم کسی تعمیری کام بیت الخلاء، نالی، ہینڈ پمپ وغیرہ میں خرچ نہیں کی جاسکتی۔

إن سبيل التوبة مما بيده من الأموال الحرام إن كانت من ربا، فليردها على من أربى عليه، ويطلبه إن لم يكن حاضرًا، فإن أيس من وجوده فليتصدق بذٰلک عنه. (الجامع لأحكام القرآن الكريم للقرطبي ٢٤٨/٣، سورة البقرة: ٣٧٩ دار إحياء التراث العربي بيروت)

إن من شرط التوبة: أن تردّ الظلامة إلى أصحابها، فإن كان ذٰلک في المال، وجب أدائه عينًا أو دينًا ما دام مقدورًا عليه. (القواعد للزركشي ٢٤٥/٢ بيروت)

ويردّونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٣٦٥/٦ كراچی، ٥٥٣/٩ زكريا)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٣٦٥/٦ كراچی، ٥٥٣/٩ زكريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۸/۶/۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

بینک سے ملی ہوئی سودی رقم کا مصرف؟

سوال (۱۱۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر سود کی رقم سے زکوٰۃ نہیں ادا ہوسکتی تو پھر اس اضافی رقم کا مصرف کیا ہوگا؟ کیا اس رقم کو ایسے مصرف میں خرچ کیا جاسکتا ہے جیسا کہ مثلاً آج کے دور میں کوئی بھی کام بغیر رشوت کے نہیں ہوتا، یا یہ کہ کوئی بھی سرکاری ٹیکس جو وقت پر ادا نہیں ہوا، مثلاً بجلی کا ٹیکس جس کا بقایا کرایہ دار کے ذمہ تھا، جب اس سے دوکان خالی کرائی گئی تو ایک بڑی رقم دینی پڑی، جس میں کافی رقم سود کی تھی، یہ کہ دوکان کرایہ دار سے خالی کرانے میں جو رقم پگڑی کے نام سے دینی پڑی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود جیسی رقم کا اصل حکم تو یہ ہے کہ اصل مالک کو واپس کردی جائے، اور اصل مالک تک رسائی نہ ہونے کی صورت میں بلانیت ثواب فقراء پر صرف کردینا لازم ہے، نہ اپنے استعمال میں لانا جائز ہے اور نہ رشوت وغیرہ میں دینا جائز ہے؛ البتہ سرکاری ظالمانہ وجبری ٹیکسوں میں اس رقم کو دینے کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ سودی رقم کسی بھی عنوان سے اصل مالک تک پہنچ جانی چاہئے، اور ٹیکس کی صورت میں وہ رقم اصل مالک یعنی حکومت کے خزانہ میں پہنچ جاتی ہے، اور رشوت کی صورت میں رقم افسران کے پاس رہ جاتی ہے، حکومت کے خزانہ میں نہیں پہنچتی، اس لئے رشوت میں دینا جائز نہیں، نیز جو ٹیکس حکومت کی جانب سے معاوضۃً لازم اور واجب ہوتے ہیں، جیسے بجلی کا اصل کرایہ، واٹر ٹیکس، گاڑیوں کے لئے روڈ ٹیکس، ان میں سودی رقم دینا جائز نہیں؛ البتہ بجلی کے اصل کرایہ کے علاوہ جو ٹیکس بل جمع کرنے میں تاخیر کی وجہ سے لازم ہوتا ہے اور تاخیر کے ساتھ ساتھ وہ بڑھتا رہتا ہے، اس میں سودی رقم دینے کی گنجائش ہے۔

ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء، ...... لأنه لو أنفق على نفسه فقد استحكم ما ارتكبه من

الـفـعـل الـحـرام ...... ولـكـن لا يـريـد بـذٰلك الأجر والثواب، ولكن يريد دفع الـمعصية عن نفسه. (بـذل الـمـجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ۱/۳۵۹-۳٦۰ تحت رقم: ٥٩ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي، مظفرفور أعظم جراه) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵ /۷/۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بینک سے ملنے والی سودی رقم سودی قرض کے عوض بینک میں جمع کرنا؟

سوال (۱۱۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے اسٹیٹ بینک آف انڈیا سے بطور قرض ۲۰/ ہزار روپئے اِنکم ٹیکس سے بچنے کے لئے لے رکھے ہیں، جس کا زید کو پندرہ فیصد کے حساب سے سود دینا پڑتا ہے، حالاں کہ زید کی خود کی رقم بینک میں جمع رہتی ہے، جس کا کافی سود بن جاتا ہے، اگر زید سود کے گناہ سے بچنے کی خاطر اپنی جمع شدہ رقم کے سود کا پیسہ بینک سے لئے ہوئے قرض کے بنے سود کے عوض دیدے، تو اس میں شرعاً کوئی حرج تو نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شرعی قاعدہ ''ردعلی رب المال'' کے تحت لاکر اِس عمل کی شرعاً گنجائش نکل سکتی ہے؛ اس لئے کہ سود لینے اور دینے والا شخص (سرکاری بینک) ایک ہی ہے۔

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٦/۳٦٥ كراچی، ۹/۵۵۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۹/۲/۱۴۱۲ھ

سودی کاروبار کرنے والے سے تجارتی لین دین کرنا؟

سوال (۱۱۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: ریٹیل (یعنی پھٹکر میں بیوپار کرنے والا) تھوک میں مال بیچنے والے سے مال خرید کرتا ہے، اس میں تھوک دار مسلم بھی ہیں اور غیر مسلم بھی ہیں، اگر کسی تھوک دار کے بارے میں یہ تحقیق ہوجائے کہ یہ جس سرمایہ سے تھوک داری کر رہا ہے اس میں سودی رقم شامل ہے خواہ اس نے سرمایہ بیاج پر حاصل کیا، یا بینک سے لون لی، بینک بھی لون دینے پر بیاج لیتا ہے، یا یہ تھوک دار کاروبار بھی کرتا ہے ساتھ ہی بیاج پر سرمایہ دیتا ہے، تو ایسے تھوک دار سے خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، مال خرید کر ذاتی استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ جو مال آپ اُس کاروباری سے لے رہے ہیں، وہ بعینہٖ سود کا مال ہے، اس وقت تک اس سے لین دین اور کاروبار ممنوع نہیں ہے، اور اس حکم میں مسلم غیر مسلم سب برابر ہیں۔

إذا خلط الحلال بالحرام في البلد، فإنه يجوز الشراء والأخذ إلا أن تقوم ولاية على أنه من الحرام في الأصل. (الأشباه والنظائر ١٤٨ کراچی، وکذا في فتاویٰ ابن تیمیة ٢٧٣/٢٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۷/۳ ۱۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سودی رقم سے بینک کا قرض چکانا؟

سوال (۱۱۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص بہت مقروض ہے، بینک سے دوکان کرنے کے لئے قرضہ لیا؛ لیکن دوکان بالکل نہیں چلتی، دوکان ہی کے قرض والے روپیہ کو کھا رہا ہے، اور اس قرض پر اب بینک کی طرف سے سود لگنے لگا ہے، جو تقریباً ایک لاکھ روپیہ تک پہنچ چکا ہے، اس قرض کی ادائیگی کی کوئی شکل نہیں ہے، وہ شخص اگر اپنا مکان بھی گروی رکھ دے پھر بھی قرض ادا نہ ہوسکے گا، اور بیوی بچوں کے رہنے کا دوسرا

بندوبست بھی نہیں ہے، ایسے حالات میں یہ شخص کسی دوسرے آدمی سے سود کی رقم لے کر قرض ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور دوسرا آدمی جو سود کی رقم اس کو قرض ادا کرنے کے لئے دے گا وہ گنہگار تو نہیں ہوگا؟ اور یہ مقروض تو گنہگار نہ ہوگا۔ شرعی حکم تحریر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں اگر وہ شخص واقعۃً اتنا مجبور ہے کہ اس پر سود کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے، تو وہ اس کے ذریعہ اپنے کو قرض کے وبال سے نجات دے سکتا ہے؛ تاہم اس نے جو سودی قرض لینے کی سنگین غلطی کی ہے، اس پر توبہ واستغفار لازم ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ﴾ [البقرة، جزء آیت: ۱۷۳]

فقال: ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ﴾ أي في غير بغي ولا عدوان، وهو مجاوزة الحد ﴿فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ أي في أكل ذلك ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ﴾، وقال مجاهد: فمن اضطر غير باغ ولا عاد، قاطعًا للسبيل أو مفارقًا للأئمة، أو خارجًا في معصية اللّٰه، فله الرخصة، ومن خرج باغيًا أو عاديًا أو في معصية اللّٰه، فلا رخصة له وإن اضطر إليه، وكذا روي عن سعيد بن جبير. وقال سعيد في رواية عنه ومقاتل بن حيان: غير باغ يعني غير مستحلة، وقال السدي: غير باغ، يبتغي فيه شهوته. (تفسير ابن كثير مكمل ١٤٠ دار السلام رياض)

يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح. (البحر الرائق / البيوع ٦/١٢١ زكريا، الأشباه والنظائر / الفن الأول، قبيل: القاعدة السادسة ٩٣)

الضرورات تبيح المحظورات. (شرح المجلة ٢٩ رقم المادة: ٢١، الأشباه والنظائر / القاعدة الخامسة ٨٧ مكتبة دار العلوم ديوبند، قواعد الفقه ٨٩ رقم: ١٧٠ دار الكتاب ديوبند)

الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً أو خاصةً. (شرح المجلة لسليم رستم باز ٣٣ رقم المادة: ٣٣، الأشباه والنظائر / الفن الأول، القاعدة الخامسة ٩٣)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر و الإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٦/٣٦٥ كراچی، ۹/۵۵۳ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۵/۳/۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بینک کے سودی پیسہ سے بینک کا قرض اَدا کرنا؟

سوال (۱۱۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے ایک غیر مسلم کے لئے اپنے نام سے ۲۵۰۰۰/ ہزار روپیہ بینک سے سود پر قرض لئے، اور اس غیر مسلم کو دے دئے، اب اس قرض کی اور اس کے سود کی ادائیگی اس غیر مسلم کے ذمہ تھی، ابھی وہ غیر مسلم اس قرض میں سے کچھ بھی نہیں ادا کر پایا تھا کہ اس کا انتقال ہوگیا، غیر مسلم کے انتقال کے بعد اس قرض اور سود کی ادائیگی زید کے ذمہ پڑ گئی؛ کیوں کہ بینک میں قرض اسی کے نام پر لکھا ہے، دس سال گذر چکے ہیں، اور اس کا سود بڑھتا جا رہا ہے، اب تک بہت سی رقم سود کی ادائیگی میں زید بینک کو دے بھی چکا ہے، اور تقریباً پچاس ہزار کا مطالبہ ابھی اور بھی زید کے ذمہ باقی ہے، زید بہت پریشان ہے، معاشی اور کاروباری حالت بس اتنی ہی ہے کہ بچوں کی گذر اوقات ہوسکے، اس سود کی ادائیگی کے لئے کوئی سہولت اس کے پاس نہیں ہے، اور اب مکان وجائیداد کی قرقی کی نوبت آنے کو ہے، زید کے ایک خاص ملنے والے مسلمان بھائی ہیں، ان کا اپنا ذاتی روپیہ بینک میں جمع ہے، اور اس کا سود بھی کافی مقدار میں بینک میں جمع ہے، زید نے ان سے یہ بات چیت کی ہے کہ اپنے بینک کا سود نکال کر مجھے دے دو؛ تاکہ میں اس سود کے پیسہ سے اس بینک کا سود ادا کر کے اس مصیبت سے چھٹکارا پاسکوں، وہ مسلمان بھائی ایک دین دار آدمی ہیں، اُنہوں نے کہا کہ مجھے تو اپنے پیسہ کا یہ سود نہ لینا ہے نہ بینک سے نکالنا ہے؛ البتہ اسے نکال کر تمہیں دے سکتا ہوں، مگر شرط یہ ہے کہ میرے اوپر کوئی گناہ نہ ہو۔

بعض اہل علم سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو اُنہوں نے بتایا کہ وہ مسلمان بھائی اگر بلاثواب اور

بلا احسان اور بلاقرض کی نیت کے بینک سے نکال کر دے دیں تو دے سکتے ہیں، ان کے ذمہ کوئی گناہ نہ ہوگا۔ مزید اطمینان اور تحقیق کے لئے یہ سوال آں محترم کی خدمت میں ارسال ہے، آں محترم اس سوال کو اچھی طرح سمجھ کر اس کا تحقیقی جواب عنایت فرمائیں اور خوب سمجھا کر اس کو لکھیں کہ وہ دوسرے مسلمان بھائی اپنے روپیہ کا سود بینک سے نکال کر بلاثواب وبلا احسان وبلاقرض دینے کی نیت دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اس طرح بینک کے سود سے دوسرے بینک کا سود ادا کر کے ایک بھاری مصیبت سے نجات مل سکتی ہے، خاص بات یہ ہے کہ ان مسلمان بھائی پر ایسا کرنے سے کوئی گناہ تو نہ ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں مذکورہ پریشان حال شخص کو سودی قرض سے نجات دلانے کے لئے بینک کے سود سے حاصل شدہ روپیہ بینک کے سود میں دیا جاسکتا ہے، دینے والے کو گناہ نہ ہوگا؛ لیکن دینے والے کی نیت صرف یہ ہونی چاہئے کہ وہ اس عنوان سے اصل مالک یعنی سرکار کو اس کی رقم لوٹا رہا ہے۔

الضرورات تبيح المحظورات. (شرح المجلة ٢٩ رقم المادة: ٢١، الأشباه والنظائر / القاعدة الخامسة ٨٧ مكتبة دار العلوم ديوبند، قواعد الفقه ٨٩ رقم: ١٧٠ دار الكتاب ديوبند)

شمل الردّ حكمًا لما في جامع الفصولين: وضع المغصوب بين يدي مالكه، برئ وإن لم يوجد حقيقة القبض. (رد المحتار / كتاب الغصب ١٨٢/٦ كراچی)

غصب دراهم إنسان من كيسه، ثم ردها فيه بلا علمه برئ، وكذا لو سلمه إليه بجهة أخرىٰ كهبة وإيداع وشراء، وكذا لو أطعمه فأكله. (الدر المختار / كتاب الغصب ١٨٢/٦ كراچی)

كما أن الضرائب التي تفرض على المسلمين إذا كانت جائزةً، فإنه لا ينبغي أن يعالج جورها بأسلوب محرم لا يقرّه الشرع؛ لأن الحرام لا يواجه بالحرام، فالمسلم الزاني لا يعاقب بالاعتداء على عرضه؛ بل يجلده أو رجمه،

والمسلم السارق لا يواجه بسرقة ماله؛ بل يقطع يده والضرائب الجائزة لا تواجه بالفائدة الربوية. (أحكام المال الحرام ۳۳۱-۳۳۳ بيروت)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٣٦٥/٦ كراچی، ٥٥٣/٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۱۱/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سود کا پیسہ گورنمنٹ ٹیکس میں لگانا

سوال (۱۱۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سود کا پیسہ گورنمنٹ کے ٹیکس کی ادائیگی میں دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حکومت کی جانب سے لگائے جانے والے غیر واجبی وغیر شرعی ٹیکس میں یہ روپیہ لگانا درست ہے، بشرطیکہ یہ سودی روپیہ حکومت کے کسی ادارہ یا بینک سے ملا ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ ۳ر۲۰)

ويجوز للمحتاج الاستقراض بالربح. (الأشباه والنظائر / القاعدة الخامسة ١٤٩ مكتبه دار العلوم ديو بند، كذا في البحر الرائق / باب الربا ١٢٦/٦ كراچی)

ويردونها على أربابها إن عرفوهم وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٣٦٥/٦ كراچی، ٥٥٣/٩ زكريا)

يجب عليه أن يرده إن وجد المالك وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل ملك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ٣٧/١ سهارنفور، ٣٥٩/١ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي)

من ملك بملك خبيث ولم يمكنه الرد إلى المالك فسبيله التصدق على الفقراء الخ. (معارف السنن ٤/٢ ٣ أشرفية ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۲۸/۱۰/۱۴۱۱ھ

سودی روپیہ سے انکم ٹیکس ادا کرنا؟

سوال (۱۱۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے ۱۰ر ہزار روپیہ بینک میں جمع کئے، ایک سال کے بعد ۲۰ر ہزار ہوگیا، تو کیا یہ روپیہ زید کے لئے جائز ہے اور اس روپیہ سے انکم ٹیکس ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر یہ سب جائز نہیں تو اس روپیہ کا مصرف کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس سودی روپیہ سے انکم ٹیکس گورنمنٹ کو دے سکتے ہیں، ورنہ غریبوں کو تقسیم کردیں۔

شمل الردّ حكمًا لما في جامع الفصولين: وضع المغصوب بين يدي مالكه، برئ وإن لم يوجد حقيقة القبض. (رد المحتار / كتاب الغصب ١٨٢/٦ كراچی)

غصب دراهم إنسان من كيسه، ثم ردها فيه بلا علمه برئ، وكذا لو سلمه إليه بجهة أخرىٰ كهبة وإيداع وشراء، وكذا لو أطعمه فأكله. (الدر المختار / كتاب الغصب ١٨٢/٦ كراچی)

كما أن الضرائب التي تفرض على المسلمين إذا كانت جائزةً، فإنه لا ينبغي أن يعالج جورها بأسلوب محرم لا يقرّه الشرع؛ لأن الحرام لا يواجه بالحرام، فالمسلم الزاني لا يعاقب بالاعتداء على عرضه؛ بل يجلده أو رجمه، والمسلم السارق لا يواجه بسرقة ماله؛ بل يقطع يده والضرائب الجائزة لا تواجه بالفائدة الربوية. (أحكام المال الحرام ٣٣١-٣٣٣ بيروت)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر و الإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ۳٦٥/٦ کراچی، ۵۵۳/۹ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/۱۲/۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

واٹر ٹیکس اور ہاؤس ٹیکس میں سود کا پیسہ جمع کرنا؟

سوال (۱۱۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: واٹر ٹیکس، ہاؤس ٹیکس سود کے روپیہ سے جمع کیا جا سکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: واٹر ٹیکس تو پانی کا معاوضہ ہے، اس میں سودی رقم دینی درست نہیں ہے، اور ہاؤس میں ٹیکس غیر واجبی ہے اس میں سرکاری ادارہ سے حاصل کردہ سودی رقم لگانی درست ہے۔

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر و الإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ۳٦٥/٦ کراچی، ۵۵۳/۹ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۱۱/۱۴۱٦ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سودی رقم انکم ٹیکس یا ہاؤس ٹیکس میں جمع کرنا؟

سوال (۱۱۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بینک میں جمع رقم پر جو سود ملتا ہے، وہ ہم اپنے اوپر خرچ نہیں کر سکتے ہیں؛ لیکن کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ رقم انکم ٹیکس یا ہاؤس ٹیکس وغیرہ میں خرچ کر سکتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا صحیح ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکاری بینک سے ملنے والا سود اپنے اوپر غیر واجبی

ٹیکس مثلاً انکم ٹیکس اور ہاؤس ٹیکس میں لگانے کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ اس کے ذریعہ سے سرکار سے لی ہوئی رقم سرکار کے خزانے میں واپس پہنچ جاتی ہے۔

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالاً بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد، كالبيوع الفاسدة والاستئجار على المعاصي والطاعات، أو بغير عقد، كالسرقة والغصب والخيانة والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه، ولكن إن أخذه من غير عقد ولم يملكه يجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالک، وإلَّا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ۳۵۹/۱ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۲۲/۲/۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سیل ٹیکس میں سودی رقم کا استعمال؟

سوال (۱۱۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سیل ٹیکس اپنی مرضی سے جرمانے کے طور پر ہمارے اوپر لگادی گئی، تو اس میں بھی سود کی رقم دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دی جاسکتی ہے۔

شمل الردّ حكمًا لما في جامع الفصولين: وضع المغصوب بين يدي مالكه، برئ وإن لم يوجد حقيقة القبض. (رد المحتار / كتاب الغصب ۱۸۲/٦ كراچی)

غصب دراهم إنسان من كيسه، ثم ردها فيه بلا علمه برئ، وكذا لو سلمه إليه بجهة أخرىٰ كهبة وإيداع وشراء، وكذا لو أطعمه فأكله. (الدر المختار / كتاب الغصب ۱۸۲/٦ كراچی)

كـمـا أن الـضـرائب التي تفرض على المسلمين إذا كانت جائزةً، فإنه لا ينبغي أن يعالج جورها بأسلوب محرم لا يقرّه الشرع؛ لأن الحرام لا يواجه بالحرام، فالمسلم الزاني لا يعاقب بالاعتداء على عرضه؛ بل يجلده أو رجمه، والمسلم السارق لا يواجه بسرقة ماله؛ بل يقطع يده والضرائب الجائزة لا تواجه بالفائدة الربوية. (أحكام المال الحرام ۳۳۱-۳۳۳ بيروت)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٣٦٥/٦ كراچی، ۵۵۳/۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۱۱/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سودی رقم کس قسم کے ٹیکسوں میں دینا جائز ہے اور کس میں نہیں؟

سوال (۱۲۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اِس علاقہ میں بعض صاحبان سے سنا گیا ہے کہ ظالمانہ سرکاری ٹیکس میں سود کی رقم استعمال کرسکتے ہیں، ظالمانہ ٹیکس کس کو کہتے ہیں، کیا رہائشی مکانات کے ٹیکس، تعلیمی ٹیکس، آمدنی ٹیکس، بکری ٹیکس بھی ظالمانہ ٹیکس میں داخل ہیں۔ یاد رہے کہ عوام الناس کے حالات مختلف ہیں، بعضے سرمایہ دار متمول ہیں اور اتنی مالی استطاعت رکھتے ہیں کہ سود کی رقم سے کلیۃً مستغنی ہوجائیں، بعضے صاحبان متوسط درجہ کے ہیں، اور حکومت کی طرف سے عائد ہونے والے مختلف ٹیکس کے متحمل نہیں ہیں، اور حکومت نے بھی پچھلے کچھ سالوں میں ٹیکس کی مقدار میں نہایت زیادہ اضافہ کررکھا ہے، اور بعضے اتنے غریب ہیں کہ رہائشی مکانات کے ٹیکس بھی مکمل ادا نہیں کر پاتے، ان تمام حالات کو مدنظر رکھ کر شرعاً کتنی اور کیسی گنجائش نکلتی ہے، یہ امر قابل دریافت ہے، اگرچہ اصولاً واعتقاداً سود کا لین دین نص قطعی سے حرام ہے، اور سائل کا یہی عقیدہ ہے الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ مگر چوں کہ موجودہ دور میں اُمتِ مسلمہ نہایت مختلف حالات سے گذر رہی ہے، اور عوام الناس میں عملاً واعتقاداً تغیرات مشاہدہ

میں آرہے ہیں، چناں چہ آنجناب سے تفصیلی جواب مطلوب ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکاری بینکوں سے ملنے والا سود سرکار کی طرف سے واجب شدہ جبریہ ٹیکسوں مثلاً انکم ٹیکس، سیلس ٹیکس، ہاؤس ٹیکس وغیرہ میں ادا کرنا بھی درست ہے؛ اس لئے کہ مال حرام کا اصل مالک کو لوٹانا واجب ہوتا ہے، اور ان ٹیکسوں میں خرچ کرنا بھی واپسی کی ایک شکل ہے اور اس حکم میں مال دار اور غریب کے درمیان کوئی فرق نہیں؛ البتہ جو ٹیکس معاوضۃً واجب ہوتے ہیں، مثلاً بجلی ٹیکس یا گاڑیوں کے لئے روڈ ٹیکس یا واٹر ٹیکس ان میں سودی رقم لگانی جائز نہیں؛ کیوں کہ ان کا نفع معاوضہ کی صورت میں مل جاتا ہے۔

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالاً بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد، كالبيوع الفاسدة والاستئجار على المعاصي والطاعات، أو بغير عقد، كالسرقة والغصب والخيانة والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه، ولكن إن أخذه من غير عقد ولم يملكه يجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك، وإلَّا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ۳۵۹/۱ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۴/۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سودی رقم لڑکی کے جہیز میں لگانا؟

سوال (۱۲۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آپ جانتے ہیں کہ شادی میں جہیز عام ہوگیا ہے اور جس کے گھر میں تین چار لڑکیاں ہیں وہ تو ایک دم کمزور ہے، اس کے علاوہ جس کی مالی حالت ٹھیک نہیں ہے وہ تو اور بیکار ہے، اس کے گھر کی

لڑکیاں اٹھنا مشکل ہے، آج کل معاشرہ میں کالی گوری بھی دیکھی جاتی ہے، اگر کوئی لڑکے والا جہیز یا نقدی رقم مانگتا ہے تو مجبوراً دینا پڑتا ہے جب کہ شریعت میں نقد رقم مانگنا یا جہیز میں سامان مانگنا دونوں ناجائز ہیں، ایسی حالت میں اگر بینک کا سود ہمارے پاس ہو تو اس سودی رقم کو اگر ہم نقد رقم بنا کر دے دیں یا جہیز میں خرچ کردیں، تو کیا یہ پیسہ اس چیز میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ویسے سود حرام ہے جس کو حرام جگہ پر صرف کرنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟ نیز سود کی رقم کو ہم کہاں کہاں خرچ کر سکتے ہیں؟ براہِ کرم آپ مہربانی کرکے اس مسئلہ کو حل فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہمارے معاشرہ میں رائج شدہ جہیز طلبی کی رسم یقیناً تباہ کن اور خطرناک ہے اسے ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اور سب لوگوں کو مل کر اجتماعی طور پر اس مشکل کا حل نکالنا چاہئے، سود کی رقم جہیز میں خرچ کردینے سے یہ رسم ختم نہ ہوگی؛ بلکہ مزید اس میں اضافہ ہو جائے گا، پھر سودی رقم کا حکم یہ ہے کہ اسے جس سے لیا ہے اسے ہی لوٹا دی جائے ورنہ فقراء پر تقسیم کردی جائے اور جہیز میں دینے کی صورت میں ان مصرفوں میں سے کسی پر بھی صرف کرنا لازم نہیں آتا؛ لہٰذا یہ رقم جہیز میں بصورتِ نقد یا سامان خرچ نہیں کی جاسکتی۔

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ۳۸۵/۶ کراچی، ۵۵۳/۹ زکریا، الفتاویٰ الهندية ۳۴۹/۵، فتاویٰ محمودیه ۲۰۳/۴ زکریا)

اور آپ کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حرام مال حرام میں خرچ کردیا جائے تو جائز ہونا چاہئے، اس لئے کہ حرام لے کر حرام میں خرچ کرنا تو دہرا جرم ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص ڈکیتی کے پیسہ کو رشوت میں خرچ کرے، تو ناجائز ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۵/۷/۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سود کا پیسہ پگڑی اور سلامی وغیرہ میں لگانا؟

سوال(۱۲۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل لوگ بینک میں ایف ڈی کراتے ہیں، اور چار پانچ سال کے بعد تقریباً دوگنا روپیہ ملتا ہے، تو کیا اس مزید ملنے والے روپیہ کو دوکان ومکان کے لینے میں ایڈوانس یا سلامی یا پگڑی کے طور پر دے سکتے ہیں یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سودکا روپیہ پگڑی وغیرہ کی رقم میں صرف نہیں کیا جاسکتا، اسے فقراء پر بلانیت ثواب تقسیم کردینا چاہئے، یا غیر واجبی ٹیکس میں صرف کردیں۔

لا يقصد به: أي بالتصدق من المال الخبيث تحصيل الثواب؛ بل تفريغ الذمة. (مجموعة الفتاویٰ ۲۲۷/۲ کراچی)

قال شيخنا: ويستفاد من كتب فقهائنا كالهداية وغيرها: أن من ملك بملك خبيث، ولم يمكنه الرد إلى المالك، فسبيله التصدقُ على الفقراء ...... قال: إن المتصدق بمثله ينبغي أن ينوي به فراغ ذمته، ولا يرجو به المثوبة.

(معارف السنن، أبواب الطهارة / باب ما جاء لا تقبل صلاة بغير طهور ۳٤/۱ كراچی)

ويردّونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / فصل في البيع ۳۸٥/٦ كراچی، ٥٥۳/۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۹/۷/۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دکان کی پگڑی میں سودی رقم خرچ کرنا؟

سوال(۱۲۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: جو رقم کسی نہ کسی شکل میں رشوت میں دینی پڑتی ہے اس مد میں ایک بڑی خطیر رقم جو کرایہ دار تخلیہ کے سلسلہ میں پگڑی کے نام سے لیتا ہے، اس مد میں بینک انٹرسٹ والی رقم خرچ کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: دکان کے تخلیہ میں سودی رقم کا استعمال جائز نہیں ہے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يردّه إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلّا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ۳۵۹/۱ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه، ۱٤۸/۱ مصري، ايضاح النوادر ۱۰۰/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۷/۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بینک کی سودی رقم سے انگریزی اور ہندی اَخبارات جاری کرانا؟

سوال (۱۲۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہندوستان کے موجودہ حالات آپ حضرات کے سامنے ہیں، مسلمانوں کی زبوں حالی، پسماندگی، تعلیمی انحطاط سے کون ناواقف ہے؟ مزید براں فسادات کے ایک لامتناہی سلسلہ نے اور کمر توڑ دی ہے، اور اقتصادی اعتبار سے بالکل بے دست وپا کرنے کے طریقوں پر مسلسل عمل ہے، ان تمام اُمور کے باوجود ذرائع ابلاغ ہر موقع پر مسلمانوں ہی کے خلاف زہر اگلتے ہیں، فسادات میں عموماً مسلمان ہی مقتول ومجروح ہوتے ہیں، اور لٹتے پٹتے ہیں، اور اخبارات اُنہیں کو فسادی اور ظالم ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حقائق مسخ کرکے پیش کرتے ہیں، نیز اسلام اور اہلِ اسلام کے سلسلہ میں طرح طرح کی باتیں منسوب کرکے مشتہر کی جاتی ہیں، قرآنِ مقدس اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ تک کے سلسلہ میں ایسی من گھڑت باتیں شائع کی جاتی ہیں کہ العیاذ باللہ، اور اس میں ہندی انگریزی اخبارات نے مسلسل اور مستقل ایک محاذ کھول رکھا ہے؛ لیکن

ہماری طرف سے اس کا کوئی جواب نہیں جاتا، جس کی بڑی وجہ ہندی اور انگریزی اخبارات کا نہ ہونا ہے، اگر مسلمانوں کی طرف سے ملکی پیمانے پر ہندی انگریزی اخبارات شائع کئے جائیں تو بہت حد تک ذہنوں کی صفائی کی جاسکتی ہے؛ لیکن مسلمانوں کے پاس اتنا سرمایہ نہیں، اگر کچھ لوگوں کے پاس سرمایہ ہے تو وہ ادھر متوجہ نہیں، نیز صرف کچھ لوگوں کے متوجہ ہونے سے کوئی خاص کام ہونا بھی مشکل ہے، ایسی صورتِ حال میں بینک میں جمع شدہ رقم سے ملنے والا سود جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کو بینک میں نہ چھوڑا جائے؛ بلکہ نکال لیا جائے اور بغیر ثواب کی نیت کے کسی محتاج کو دے دیا جائے، نیز رفاہِ عام کے کاموں میں صرف کیا جاسکتا ہے، تو بینک کی اس سودی رقم سے ہندی انگریزی اخبارات نکالے جاسکتے ہیں کہ نہیں؟ اور رفاہِ عام میں یہ چیز داخل ہوگی کہ نہیں، اس بارے میں تمام حالات کو سامنے رکھ کر مفصل جواب سے نوازیں، اگر عدم جواز ہو تو اس کے دلائل اور اگر جواز کا حکم ہو تو اس کے دلائل ضرور تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کتبِ فقہ کی عبارتیں واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کہ مال حرام کے مصارف بالترتیب صرف دو ہیں: اولاً اصل مالک کو کسی بھی ذریعہ سے وہ مال لوٹا دینا اور اگر یہ نہ ہوسکے، تو ثانیاً بلا نیت ثواب فقراء پر تقسیم کردینا۔ شامی میں صراحت ہے:

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٣٦٥/٦ كراچی، ٥٥٣/٩ زكريا)

ایک دوسری جگہ ہے:

فإن علموا أربابه ردوه عليهم وإلا تصدقوا به. (شامي ٣٨٦/٦ كراچی)

اور بذل المجہود شرح ابوداؤد شریف میں اس حکم کی وضاحت بایں الفاظ کی گئی ہے:

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يردّه إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس

له حيلة إلَّا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ۳۵۹/۱ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه، ۱٤٨/۱ مصري)

نیز یہی حکم امداد الفتاویٰ ۳/۷۰مطبوعہ کراچی اور فتاویٰ محمودیہ ۴/۳ ۲۰ سے بھی مستفاد ہوتا ہے، خاص کر فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود صاحب زید مجدہم نے فتاویٰ محمودیہ ۴/۲۱۱ میں سودی رقومات ملی ومذہبی اِداروں میں خرچ کرنے پر مدلل کلام فرمایا ہے۔ بریں بناموجودہ زمانہ میں مسلم ہندی وانگریزی اخبارات وغیرہ کی ضرورت شدیدہ تسلیم ہونے کے باوجود ہماری نظر میں کوئی ایسی شرعی دلیل نہیں ہے جس کی روشنی میں ہم اس ضرورت کی تکمیل کے لئے سود اور مال حرام صرف کرنے کی اجازت دے سکیں، اس سلسلہ میں ملت کے دردمند مال داروں اور صنعت کاروں کو سامنے کرنے اور مالی قربانی دینے کی ضرورت ہے، انہیں احساس دلایا جائے کہ وہ اپنی محفوظ پونجی اس عظیم کارِخیر میں صرف کریں؛ تاکہ بلاکسی شک وشبہ کے یہ ملی ضرورت پوری کی جاسکے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۷/۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سودی رقم کی وصول یابی کے لئے اِدارہ قائم کرنا؟

سوال (۱۲۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید مسلمانوں کو بینک سے ملنے والے سود، انسورنس کمپنیوں اور مؤجل کھاتوں سے ملنے والی زائد رقم کی وصول یابی کے لئے ایک ادارہ قائم کرنا چاہتا ہے، اور اس سے درج ذیل مدات کے انتظام میں صرف کرنے کا ارادہ رکھتا ہے:

الف:- ان سودی قرضوں کی ادائیگی جن میں مسلمان ملوث ہیں۔

ب:- مسلمان کے لئے قرض کے سود کی ادائیگی جب کہ آئندہ کے لئے تائب ہیں۔

ج:- ان غیر مسلمین کی امداد جو اَپاہج ہیں، بیمار ہیں، بے سہارا ہیں۔

تو کیا ان مصارف میں اس رقم کو صرف کرنے کی اجازت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود اور مالِ حرام کو جمع کرنے کے لئے کوئی اِدارہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ جن لوگوں نے سود لیا ہے، وہ خود ذاتی طور پر وبال سے بچنے کی نیت سے سودی رقم اس کے متعینہ مصارف میں صرف کریں، یعنی یا تو اِنکم ٹیکس وغیرہ میں لگادیں یا فقراء پر تقسیم کردیں۔

إن سبيل التوبة مما بيده من الأموال الحرام إن كانت من ربا، فليردها على من أربى عليه، ويطلبه إن لم يكن حاضرًا، فإن أيس من وجوده فليتصدق بذٰلک عنه. (الجامع لأحكام القرآن الكريم للقرطبي ٢٤٨/٣، سورة البقرة: ٣٧٩ دار إحياء التراث العربي بيروت)

إن من شرط التوبة: أن ترد الظلامة إلى أصحابها، فإن كان ذٰلک في المال، وجب أدائه عينًا أو دينًا ما دام مقدورًا عليه، فإن كان صاحبه قد مات دفع إلى ورثته، وإن لم يكن فإلى الحاكم، وإلا تصدق به على الفقراء والمساكين.

(القواعد للزركشي ٢٤٥/٢ بيروت)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٣٦٥/٦ کراچی، ٥٥٣/٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱؍۷؍۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سود کا روپیہ غریب طلبہ پر خرچ کرنا؟

سوال (۱۲۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سود کا مصرف کیا ہے؟ کیا نادار طلبہ کو سود کا روپیہ دیا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود کا روپیہ نادار فقراء اور طلبہ پر خرچ کرنا درست ہے۔

إن سبيل التوبة مما بيده من الأموال الحرام إن كانت من ربا، فليردها على من أربى عليه، ويطلبه إن لم يكن حاضرًا، فإن أيس من وجوده فليتصدق بذٰلک عنه. (الجامع لأحكام القرآن الكريم للقرطبي ٢٤٨/٣، سورة البقرة: ٣٧٩ دار إحياء التراث العربي بيروت)

إن من شرط التوبة: أن ترد الظلامة إلى أصحابها، فإن كان ذٰلک في المال، وجب أدائه عينًا أو دينًا ما دام مقدورًا عليه، فإن كان صاحبه قد مات دفع إلى ورثته، وإن لم يكن فإلى الحاكم، وإلا تصدق به على الفقراء والمساكين. (القواعد للزركشي ٢٤٥/٢ بيروت)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٣٦٥/٦ كراچی، ٥٥٣/٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۱/۱۰/۱۴۱۳ھ

سود کا پیسہ مدرسہ کے فقراء اور نادار طلبہ پر خرچ کرنا؟

سوال (۱۲۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے مدرسہ کے کچھ روپئے بینک میں رکھے ہوئے ہیں اور اس پر کچھ سود بھی ملتا ہے تو کیا اس سود کو مدرسہ کے کام میں لگا نا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نا جائز ہے تو اس کا مصرف کیا ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک سے حاصل شدہ سود کو مدرسہ کے کسی بھی مد میں لگانا جائز نہیں ہے؛ بلکہ وہ فقراء اور نادار طلبہ پر بلا نیت ثواب تصدق کرنا ضروری ہے۔

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالاً بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد، كالبيوع الفاسدة والاستئجار على المعاصي والطاعات، أو بغير عقد، كالسرقة والغصب والخيانة والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له

حـرام عـليـه، ولـكـن إن أخـذه مـن غير عقد ولم يملكه يجب عليه أن يرده على مـالـكـه إن وجـد الـمالک، وإلّا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلک الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ٣٥٩/١ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه)

وأمـا إذا كـان عـنـد رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بـغيـر عقد، ولا يمكنه أن يردّه إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلّا أن يدفعه إلى الفقراء؛ لأنه لو أنفق على نفسه فقد استحكم ما ارتكبه من الـفـعـل الـحـرام، ودخـل تحت قوله صلى اللّٰه عليه وسلم: "ثم ذكر الرجل يطيل السـفـر أشـعـث أغبـر يمد يديه إلى السماء يا ربّ يا ربّ، ومطعمه حرام، وملبسه حـرام" الـحـديـث، أو أضاعه واستهلكه، فدخل تحت قوله صلى اللّٰه عليه وسلم: "نهـى عـن إضـاعة المال". فيلزم عليه أن يدفعه إلى الفقراء، ولكن لا يريد بذٰلک الأجـر والثواب، ولكن يريد دفع المعصية عن نفسه. (بذل المجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ٣٥٩/١-٣٦٠ مركز الشيخ أبي الحسن لندوي مظفرفور أعظم جراه) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۷/۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سود کا پیسہ لانے والے طالب علم کے ساتھ کھانا ناشتہ؟

سوال (۱۲۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے والد سود لیتے ہیں اور اکثر کاروبار سود ہی سے ہوتا ہے، اور زید وہی روپیہ لے کر مدرسہ میں داخل ہوا، اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھانے اور ناشتہ میں شریک رہتا ہے، اور گھر سے دیگر چیزیں بھی ساتھ لایا، تو ساتھیوں کو اس کے ساتھ ناشتہ اور کھانا اور اس کے گھر دیگر چیزوں کو استعمال کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعی زید کے والد کی اکثر کمائی سودی کاروبار سے ہے، تو یہ مال حرام ہے، اور اس مال کے زید کے ہاتھ میں آجانے سے حرمت میں کچھ بھی فرق نہیں آیا؛ بلکہ وہ علی حالہ حرام باقی رہے گا؛ لہٰذا زید کے گھر کی بنی ہوئی چیزوں کا کھانا اور استعمال کرنا جائز نہیں؛ البتہ زید جن ساتھیوں کے ساتھ مل کر ناشتہ کرتا ہے اور سبھی لوگ ناشتہ کے پیسہ برابر طور سے جمع کرتے ہیں، تو حلال مال کے غالب ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ ناشتہ وغیرہ کرنا درست ہوگا۔

آکل الربوا وکاسب الحرام ...... وغالب ماله حرام لا يقبل ولا يأكل.

(الفتاویٰ الهندية، الكراهية / الباب الثاني عشر في الهدايا الخ ۳٤۳/٥ زكريا)

وتنتقل حرمته وإن تداولته الأيدي وتبدلت الأملاک. (شامي، البيوع / باب البيع الفاسدة، مطلب: تعيين الدرهم في العقد الفاسد ۹۸/٥ كراچی، ۳۰۰/۷ زكريا)

نقل الحموي عن سيدي عبد الوهاب الشعراني أنه قال في كتابه المنن: وما نقل عن بعض الحنفية من أن الحرام لا يتعدي ذمتين. سألت عنه الشهاب ابن الشلبي، فقال: هو محمول على ما إذا لم يعلم بذٰلک، أما لو رأى المكاس مثلاً يأخذ من أحد شيئًا من المكس ثم يعطيه آخر ثم يأخذ من ذٰلک الآخر آخر فهو حرام. (شامي، كتاب البيوع / باب البيع الفاسد، مطلب: الحرمة تتعدد ۳۰۱/۷ زكريا)

وإن كان غالب ماله حلالاً لا بأس بقبول هديته والأكل منها. (الفتاویٰ الهندية، الكراهية / الباب الثاني عشر في الهدايا الخ ۳٤۳/٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۳/۱۱/۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غریب طالب علم کا سودی رقم سے علم حاصل کرنا؟

سوال (۱۲۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: ایک طالب علم بہت غریب ہے، اس کے پاس اپنے والدین کا دیا ہوا سود کا پیسہ موجود ہے، دوسرا کوئی پیسہ نہیں ہے، اس صورت میں اس طالب علم کے لئے سود کی رقم خرچ کر کے علم حاصل کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر طالب علم غریب ہے اور سود کے روپیہ کا واقعی مصرف ہے، تو اس کے لئے سودی رقم اپنے استعمال میں لانا درست ہے۔

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٣٦٥/٦ كراچی، ۵۵۳/۹ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۱۲/۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بینک کا سودی پیسہ مدرسہ کی کسی مد میں استعمال ہوسکتا ہے؟

سوال (۱۳۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بینک کے سود کا پیسہ مدرسہ کے کس مد میں لگ سکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سودی پیسہ مدرسہ کی تعمیر یا اساتذہ وملازمین کی تنخواہوں میں لگانا قطعاً جائز نہیں ہے؛ بلکہ یہ رقم یا تو زمین کی رجسٹری کے اِسٹامپ میں خرچ کردی جائے یا بلانیت ثواب غریبوں پر خرچ کردی جائے۔

قال شيخنا: ويستفاد من كتب فقهائنا كالهداية وغيرها: أن من ملك بملك خبيث، ولم يمكنه الرد إلى المالك، فسبيله التصدقُ على الفقراء ...... قال: إن المتصدق بمثله ينبغي أن ينوي به فراغ ذمته، ولا يرجو به المثوبة.

(معارف السنن، أبواب الطهارة / باب ما جاء لا تقبل صلاة بغير طهور ٣٤/١ كراچی)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يردّه إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلاَّ أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ۳۵۹/۱ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه، ۱٤۸/۱ مصري، شامي ۳۸۵/۱ كراچی، ۳۰۱/۷ زكريا، الفتاویٰ الهندية ۳٤۹/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۳۵/۲/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سود کا روپیہ مسجد کے پیشاب گھر بنانے میں لگانا؟

سوال (۱۳۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسجد کی جگہ میں کچھ حصہ مسجد بنی ہوئی ہے اور کچھ خالی ہے، اس خالی جگہ پر پیشاب گاہ بنالی گئی ہے اب اس کو پختہ بنانا ہے، اس جگہ پر سود کا روپیہ لگ سکتا ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ مسجد کی دوکان کے کرایہ کا روپیہ اس جگہ پر لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

نوٹ: - وہ جگہ حدودِ مسجد ہی میں ہے جو پیشاب گاہ ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود کا پیسہ مسجد کے پیشاب گاہ میں نہیں لگا سکتے، اس رقم کو وبال سے بچنے کی نیت سے فقراء پر صدقہ کردینا چاہئے۔ ہاں مسجد کے مکان کے کرایہ سے مسجد کی ضروری تعمیر کی جاسکتی ہیں

إن سبيل التوبة مما بيده من الأموال الحرام إن كانت من ربا، فليردها على من أربى عليه، ويطلبه إن لم يكن حاضرًا، فإن أيس من وجوده فليتصدق بذٰلک عنه. (الجامع لأحكام القرآن الكريم للقرطبي ۲٤۸/۳، سورة البقرة: ۳۷۹ دار إحياء التراث العربي بيروت)

إن من شرط التوبة: أن ترد الظلامة إلى أصحابها، فإن كان ذٰلک في

المال، وجب أدائه عينًا أو دينًا ما دام مقدورًا عليه، فإن كان صاحبه قد مات دفع إلى ورثته، وإن لم يكن فإلى الحاكم، وإلا تصدق به على الفقراء والمساكين.

(القواعد للزركشي ۲/۲٤٥ بيروت)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٦/٣٦٥ كراچی، ٩/٥٥٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۰/۱۳ھ

سود کا پیسہ مسجد کے پیشاب خانہ میں لگانا؟

سوال (۱۳۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے گاؤں میں مسجد وگھر کی رقم بینک میں جمع ہے، اب بینک سے جو بیاج ملتا ہے اس کو کیا کیا جائے؟ زید وعمر دونوں میں اختلاف ہے، زید کہتا ہے اس سود کی رقم کو مسجد یا مدرسہ کے پیشاب خانہ اور بیت الخلاء یا مدرسہ کے طلبہ کو لکڑیاں ڈلوا دینے وغیرہ میں صرف کردینا چاہئے۔ لیکن عمر کہتا ہے کہ یہ بالکل جائز نہیں؛ کیوں کہ مسجد کے پیشاب خانوں وبیت الخلاء وغیرہ میں بڑے بڑے علماء ومفتیان اور مال دار لوگ قضاء حاجت کے لئے جاتے ہیں، ایسے لوگوں کو سود کی رقم سے بنے ہوئے بیت الخلاء وپیشاب خانوں کا استعمال کیسے روا ہوسکتا ہے؟ یہ بالکل بھی جائز نہیں ہے، تو اصل مسئلہ بتائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ سود اور بیاج کا روپیہ فقراء ومساکین کو ہی دیا جائے مساجد کے پیشاب خانوں وغیرہ میں نہ لگایا جائے؛ اس لئے کہ یہ روپیہ واجب التصدق ہے، تصدق کے لئے تملیک ضروری ہے، جو کسی بھی طرح کی تعمیر میں نہیں پائی جاتی۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب، ولا يقبل الله إلا الطيب الخ. (صحيح البخاري / باب الصدقة من كسب طيب ١/١٨٩)

وقيل: كل مسجد بني مباهاةً أو رياءً أو سمعةً أو لغرض سوى ابتغاء وجه اللّٰه، أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار. (الكشاف ۲/۰ ۳۱، التوبة: ۱۰۷ دار الكتاب العربي بيروت، كذا في روح المعاني ۲۱/۱۱، التوبة: ۱۰۷ مكتبة دار إحياء التراث العربي بيروت، التفسير الأحمدي ٤٧٨، المكتبة الحقانية بشاور، حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة ۲۷۸/۱ دار المعرفة بيروت)

قال العلامة الحصكفي: لا بأس بنقشه خلا محرابه بجص وماء ذهب بماله الحلال (درمختار) وقال ابن عابدين: قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذٰلک مالاً خبيثًا، أو مالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن اللّٰه تعالىٰ: لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله الخ، شرنبلالية. (رد المحتار، كتاب الصلاة / مطلب: كلمة "لا بأس" دليل على أن المستحب غيره؛ لأن البأس الشدة ٦٥٨/١ كراچی، وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۲۷۸/۱ دار المعرفة بيروت)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ۳٦٥/٦ کراچی، ۵۵۳/۹ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/۱۱/۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سود کا پیسہ سمدھیانے میں دینا؟

سوال (۱۳۳۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سود کا پیسہ کو امداد کے طور پر اپنے سمدھیانے میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سمدھیانے کے لوگ اگر غریب ہوں، تو اُن کو یہ مال رفع وبال کی نیت سے دیا جاسکتا ہے۔

ویردونها علی أربابها إن عرفوهم وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه. (شامي، کتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البیع ٦/٣٦٥ کراچی، ٩/٥٥٣ زکریا)

ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح. (الأشباه والنظائر / القاعدة الخامسة ١٤٩ مکتبه دار العلوم دیوبند، کذا في البحر الرائق / باب الربا ٦/١٢٦ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۲۸/۱۰/۱۴۱۱ھ

سود کی رقم سے مال دار بھائی بہن کی شادی کرنا؟

سوال (۱۳۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے بینک میں ایک ہزار روپیہ جمع کئے اور مدت متعینہ گزرنے کے بعد اس کو دو ہزار روپئے ملے تو کیا زید کے لئے یہ جائز ہے کہ رأس المال کے علاوہ سود کے پیسے اپنے مال دار بھائی یا بہن کی شادی میں خرچ کرے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود کی رقم مال دار بھائی بہنوں پر خرچ نہیں کر سکتے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة، جزء آیت: ٢٧٥]

إن سبیل التوبة مما بیده من الأموال الحرام إن کانت من ربا، فلیردها علی من أربی علیه، ویطلبه إن لم یکن حاضرًا، فإن أیس من وجوده فلیتصدق بذٰلک عنه. (الجامع لأحکام القرآن الکریم للقرطبي ٣/٢٤٨، سورة البقرة: ٣٧٩ دار إحیاء التراث العربي بیروت)

إن من شرط التوبة: أن ترد الظلامة إلی أصحابها، فإن کان ذٰلک في المال، وجب أدائه عینًا أو دینًا ما دام مقدورًا علیه، فإن کان صاحبه قد مات دفع إلی ورثته، وإن لم یکن فإلی الحاکم، وإلا تصدق به علی الفقراء والمساکین. (القواعد للزرکشي ٢/٢٤٥ بیروت)

ويـردونهـا عـلى أربابها إن عرفوهم وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الـخبيـث التـصـدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتـاب الـحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٣٦٥/٦ كراچی، ٥٥٣/٩ زكريا)

سـئلت في من يملك نصابًا من حرام، هل تجب عليه الزكاة؟ الجواب: لا تـجب عليه الزكاة؛ بل يلزمه التصدق بجميعه على الفقراء لا بينة الثواب، إن لم يكن صاحب المال موجودًا. (الفتاویٰ الكاملية ١٥، الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب الخامس عشر في الكسب ٣٤٩/٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۱۲/۲ھ

بینکی سود کو اپنے اَقارب پر خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

سـوال (۱۳۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا بینک سے ملنے والے سود اپنے مستحق عزیز واقارب پر خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وبالله التوفيق: عزیز واقارب جو مستحق زکوٰۃ ہوں اور سادات میں نہ ہوں، تو ان پر سودی رقم بلانیت ثواب صرف کرسکتے ہیں۔

وأمـا إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يردّه إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلَّا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ٣٥٩/١ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه، ١٤٨/١ مصري)

لأن سبيـل الـكسـب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٣٦٥/٦ كراچی، ٥٥٣/٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۷/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیٹی اور داماد کی سودی رقم سے مدد کرنا؟

سوال (۱۳۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میری لڑکی، داماد اوران کے بچے غریب ہیں، آپ مجھے یہ مسئلہ بتائیں کہ میں اپنی غریب بیٹی اوراس کی اولاد اوراپنے داماد کو بینک کی FD یعنی سود کی رقم سے مدد کرسکتا ہوں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں سود کی رقم صرف غریب داماد کو دی جائے، لڑکی اوراس کی اولاد پر براہِ راست خرچ نہ کی جائے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يردّه إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلّا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ۳۵۹/۱ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه، ۱٤۸/۱ مصري، إعلاء السنن ٤ ۳۵۹/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۱۹/۸/۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بھائی بہنوں پر سودی رقم خرچ کرنا؟

سوال (۱۳۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بندہ کے پاس سود کی رقم موجود ہے، بندہ نے جورقم جمع کی تھی وہ تو اپنے ذاتی اخراجات میں خرچ کردی، بندہ چاہتا ہے یہ جو سود کی رقم ہے اس کو اپنے ذاتی اخراجات میں تو خرچ نہیں کرسکتا، مگر بندہ کی آمدنی کا کوئی خاص ذریعہ نہیں ہے، گھر میں بہن بھائی تعلیم پارہے ہیں، بندہ یہ چاہتا ہے کہ جو سود کی رقم موجود ہے، اپنے علاوہ بہن بھائیوں کے حوالہ کردے، اس مسئلہ میں حضرات مفتیان کرام کیا فرماتے ہیں، یہ رقم اپنے بہن بھائیوں کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بھائی بہن انتہاء سے زیادہ غریب ہوں اور ان کے گذارے کی کوئی شکل نہ ہو، تو بدرجہ مجبوری ان کے لئے سودی رقم لینا جائز ہوگا؛ لیکن آپ کے لئے یہ خفت کی بات ہے کہ اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ حلال پیسہ سے حسن سلوک کے بجائے ان پر حرام پیسہ خرچ کریں، اس لئے آپ کو خود سوچنا چاہئے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ [البقرة، جزء آیت: ۲۶۷]

عن أبي أمامة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: یا ابن آدم أن تبذل الفضل خیرٌ لک، وأن تُمسِکه شر لک، ولا تُلامُ علی كفافٍ، وابدأ بمن تعولُ. (صحیح مسلم رقم: ۱۰۳۶، لمعات التنقیح / باب الإنفاق وكراهیة الإمساك، الفصل الأول ۴/۱ ۳۲ رقم: ۱۸۶۳ دار النوادر)

قوله: (وابدأ بمن تعول) أي: تمون، أي: ابدأ في إنفاق الزائد علی الكفاف بعیالک، ووسع علیهم أولاً زیادة علی نفقتهم الواجبة. (لمعات التنقیح ۴/۱ ۳۲-۲ ۳۲ دار النوادر)

عن ثوبان رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: أفضل دینارٍ ینفقه الرجل دینارٌ ینفقه علی عیاله، ودینارٌ ینفقه علی دابته في سبیل اللّٰه، ودینارٌ ینفقه علی أصحابه في سبیل اللّٰه. (صحیح مسلم رقم: ۹۹۴، لمعات التنقیح، كتاب الزكاة / باب أفضل الصدقة ۴/۶ ۳۷ رقم: ۱۹۳۲ دار النوادر)

وكره نقلها إلا إلی قرابة، والأفضل اخوته واخواته إلی آخره، ثم جیرانه، ثم أهل سكته، ثم أهل بلده. (شامي ۳/ ۳۰۴ زكریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

كتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۵/۲/۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سود کا روپیہ غریب پھوپھی پر خرچ کرنا؟

سوال (۱۳۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرا روپیہ بینک میں رکھا ہے، اس کا سود میں استعمال نہیں کرتا ہوں، اب میری پھوپھی کی ایک کار سے ایکسڈنٹ میں کئی جگہ سے ہڈی ٹوٹ گئی ہے، اُن کے کوئی اولاد بھی نہیں ہے، اُن کا خرچ سب لوگ مل بانٹ کر کر لیتے ہیں، کیا ایسی حالت میں میں اس سود کے روپیہ میں سے اُن کے آپریشن وغیرہ کے لئے خرچ کرسکتا ہوں؛ تاکہ کسی ایک آدمی پر اس کا بوجھ نہ پڑے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اگر آپ کی پھوپھی بالکل نادار اور مفلوک الحال ہو اور اضطراری کیفیت میں ہو، تو اس کو سودی رقم بلانیت ثواب دینا درست ہے، پھر وہ خود آپریشن یا دیگر ضروریات میں اسے خرچ کرسکتی ہے۔

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٣٦٥/٦ كراچی، ٥٥٣/٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۷/۴/۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

انٹرسٹ کی رقم شادی کے تحفہ میں دینا؟

سوال (۱۳۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا ہم انٹرسٹ کی رقم کو کسی ہندو دوست کی شادی میں تحفہ کی شکل یا لفافے کی شکل میں دے سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انٹرسٹ کی رقم کسی ہندو یا مسلمان دوست کو تقریبات میں تحفہ کے طور پر دینے کی قطعاً اجازت نہیں ہے؛ بلکہ یہ رقم دفع وبال کی نیت سے نادار غریبوں کو

بانٹ دینی لازم ہے۔

من ملک بملک خبیث ولم یمکنه الرد إلی المالک فسبیله التصدق علی الفقراء، قال: إن المتصدق بمثله ینبغي أن ینوي به فراغ ذمته ولا یرجو به المثوبة. (معارف السنن ۳٤/۱ المکتبة الأشرفیة)

ویردونها علی أربابها إن عرفوهم وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه. (شامي، کتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البیع ٣٦٥/٦ کراچی، ٥٥٣/٩ زکریا)

یجب علیه أن یرده إن وجد المالک وإلا ففي جمیع الصور یجب علیه أن یتصدق بمثل ملک الأموال علی الفقراء. (بذل المجهود، کتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ۳۷/۱ سهارنفور، ۳٥۹/۱ مرکز الشیخ أبي الحسن الندوي)

للمسلم أن یأخذ الربا أصحاب البنک أهل الحرب في دارهم ثم یتصدق به علی الفقراء ولا یصرفه إلی حوائج نفسه. (إعلاء السنن / باب الربا ١٤ /٣٥٩ دار الکتب العلمیة بیروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۲/۶/۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

انٹرسٹ کا پیسہ بہن کی شادی میں خرچ کرنا؟

سوال (۱۴۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں ایک غیر شادی شدہ لڑکی ہوں اور سرکاری سروس کرتی ہوں، سرکاری سروس میں LIC بیمار کرانا ضروری ہوتا ہے، اور اس میں انٹریسٹ کا پیسہ ملتا ہے، تو کیا یہ انٹریسٹ کا پیسہ اپنی چھوٹی بہنوں کو لگا سکتی ہوں یا نہیں؟ جب کہ میرے والد صاحب بیمار ہیں اور کچھ کام نہیں کرتے، میری سب بہنیں جوان ہیں، کیا میں یہ پیسہ اُن کی شادی میں لگا سکتی ہوں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جیون بیمار کرانا مطلقاً حرام ہے، مجبوی میں اگر بیمہ کرالیا تو جوزائد سود ہے، اسے بلانیت ثواب غریبوں کو تقسیم کردینا چاہئے، اگر چھوٹی بہنیں محتاج ہوں تو اُن کو بھی دیا جاسکتا ہے؛ لیکن آج کل شادی میں فضول خرچیاں ہوتی ہیں، ان فضول خرچیوں میں سود کا پیسہ لگانا جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: منتخبات نظام الفتاویٰ ۳/۱۴۳)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ﴾ [البقرة: ۲۷۸]

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة، جزء آیت: ۲۷۵]

إن القمار الذي يزداد تارةً وينقص أخرىٰ، وسمی القمار قماراً؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، و يجوز أن يستفيد مال صاحبه هو حرام بالنص. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب في الاستبراء، فصل في البيع ۹/۵۷۷ – ۵۷۸ زكريا، جواهر الفقه ۲/۱۷۷، دینی مسائل اور ان کا حل قدیم ۱۰۹)

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالاً بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد، كالبيوع الفاسدة والاستئجار على المعاصي والطاعات، أو بغير عقد، كالسرقة والغصب والخيانة والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه، ولكن إن أخذه من غير عقد ولم يملكه يجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك، وإلاَّ ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء؛ فإن الحديث دال على حرمة التصدق، بمال الخبيث. (بذل المجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ۱/۳۵۹ رقم: ۵۹ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه)

للمسلم أن ياخذ الربا من أصحاب البنك، و أهل الحرب في دراهم، ثم يتصدق به على الفقراء ولا يصرفه إلى حوائج نفسه. (إعلاء السنن ۱۴/۳۰۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۵/۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

یتیم اور مفلوک الحال بھائی بہنوں کی سودی رقم سے مدد کرنا؟

سوال (۱۴۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کے بھائی بہن یا اُن کی اولادیں غریب یتیم ہیں، صاحبِ نصاب نہیں؛ بلکہ مستحق زکوۃ ہیں اُن کی عام ضروریات میں یا شادی کے اسباب ضروریہ میں سود کی رقم خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟ نیز اپنے حقیقی بھائی بہن اوران کی اولادکوزکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بھائی بہن واقعی نہایت غریب اورمفلوک الحال ہوں اوراُن کے تعاون کی سخت ضرورت ہو، تو مجبوراً سودی رقم سے بھی اُن کی مدد کی جاسکتی ہے؛ لیکن کوشش یہی کرنی چاہئے کہ اُن بھائی بہنوں کا تعاون یا تو عطیات سے ہو یا زکوۃ وصدقاتِ واجبہ سے ہو؛ کیوں کہ ایسے غریب رشتے داروں کوزکوٰۃ وصدقات دینے میں دہرا ثواب ہے۔ ایک صدقے کا دوسرے صلہ رحمی کا۔

عن سلمان بن عامر رضي اللّٰه عنه يبلغه به النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إذا أفطر أحدكم فليفطر على تمر؛ فإنه بركة، فإن لم يجد تمرًا فالماء؛ فإنه طهور، وقال: الصدقة على المسكين صدقة، وهي على ذى الرحم ثنتان: صدقة وصلة. (سنن الترمذي، أبواب الزكاة / باب ما جاء في الصدقة على ذي القرابة ١٤٢/١)

عن أم كلثوم بنت عقبة رضي اللّٰه عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ''أفضل الصدقة على ذي الرحم الكاشح. (شعب الإيمان ٢٣٩/٣)

من ملك بملك خبيث ولم يمكنه الرد إلى المالك فسبيله التصدق على الفقراء الخ. (معارف السنن ٣٤/٢ أشرفية ديوبند)

قال الطحطاوي: ومن سوى ما ذكر يجوز الدفع إليهم كالإخوة والأخوات والأعمام والعمات والأخوال والخالات الفقراء؛ بل هم أولى لما فيه

من الصلة مع الصدقة. (طحطاوي على المراقي الفلاح / باب مصارف الزكاة ٣٩٤ كراچی، الفتاویٰ الهندية ١/ ١٩٠ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۵/۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سودی پیسے سے غریب کے بچہ کی شادی کرنا؟

سوال (۱۴۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا غرباء کی لڑکیوں کی شادی میں سود کا پیسہ خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: غریب لڑکی یا اس کے ولی کو مالک بنادیں پھر وہ اپنے طور پر وہ رقم شادی میں خرچ کریں تو جائز ہے۔

إن سبيل التوبة مما بيده من الأموال الحرام إن كانت من ربا، فليردها على من أربى عليه، ويطلبه إن لم يكن حاضرًا، فإن أيس من وجوده فليتصدق بذٰلک عنه. (الجامع لأحكام القرآن الكريم للقرطبي ٢٤٨/٣، سورة البقرة: ٣٧٩ دار إحياء التراث العربي بيروت)

إن من شرط التوبة: أن ترد الظلامة إلى أصحابها، فإن كان ذٰلک في المال، وجب أدائه عينًا أو دينًا ما دام مقدورًا عليه، فإن كان صاحبه قد مات دفع إلى ورثته، وإن لم يكن فإلى الحاكم، وإلا تصدق به على الفقراء والمساكين. (القواعد للزركشي ٢٤٥/٢ بيروت)

ويردونها على أربابها إن عرفوهم وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٣٦٥/٦ كراچی، ٥٥٣/٩ زكريا)

سئلت في من يملک نصابًا من حرام، هل تجب عليه الزكاة؟ الجواب:

لا تجب عليه الزكاة؛ بل يلزمه التصدق بجميعه على الفقراء لا بينة الثواب، إن لم يكن صاحب المال موجودًا. (الفتاویٰ الکاملیة ۱۵، الفتاویٰ الهندیة، کتاب الکراهیة / الباب الخامس عشر في الکسب ۳٤۹/٥ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۲/۲ھ

سود کی رقم سرکاری اہل کاروں پر خرچ کرنا؟

سوال (۱۴۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مال یا جان پر ظلم کا خوف ہو تو دفع ظلم کے لئے رشوت کا دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ نیز سود کی رقم بطور رشوت دینا ازروئے شرع کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ظلم کو دفع کرنے کے لئے اپنے ذاتی مال سے رشوت دینی درست ہے، سود سے درست نہیں۔ اور سود کی رقم سرکاری اہل کاروں پر خرچ نہ کی جائے؛ اس لئے کہ وہ اس کے مصرف نہیں ہیں۔

قال في الشامي: دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله ولاستخراج حق له ليس برشوة يعني في حق الدافع. (شامي، کتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البیع ٤۲۳/٦ دار الفکر بیروت)

الثالث: أخذ المال ليسوي أمره عند السطان دفعًا للضرر أو جلبًا للنفع وهو حرام على الآخذ فقط. (رد المحتار، کتاب القضاء / مطلب في الکلام علی الرشوة والهدية ۳٤/۸ زکریا)

ومنها إذا دفع الرشوة خوفًا على نفسه أو ماله فهو حرام على الآخذ غير حرام على الدافع، وكذا إذا طمع في ماله فرشاه ببعض المال، ومنها إذا دفع الرشوة ليسوي أمره عند السلطان حل له الدفع ولا يحل للآخذ أن يأخذ. (البحر

الرائق / کتاب القضاء ٦/ ٢٦٢ کراچی)

إذا دفع الرشوة لدفع الجور على نفسه أو أحد من أهل بيته لم يأثم.

(الفتاویٰ الهندیة، الهبة / الباب الحادي عشر في المتفرقات ٤/ ٤٠٣ دار إحياء التراث العربي بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۲/ ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فکس کے منافع سے حج کرنا؟

سوال (۱۴۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے اپنا کل روپیہ فکس میں ڈال دیا، بعد میں جو منافع ملا کیا اس روپیہ کے ذریعہ حج کو جا سکتا ہے یا لڑکی کی شادی میں لگا سکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ سودی روپیہ اپنے کسی ذاتی استعمال میں نہیں لایا جاسکتا، نہ اس سے حج کرنا درست ہے نہ اپنی لڑکی کی شادی میں لگا سکتا ہے، اُسے بلا نیت ثواب غریبوں میں تقسیم کردینا لازم ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أيها الناس! إن اللّٰه طيب لا يقبل إلا طيبًا - الحديث بطوله - وفيه: ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث أغبر يمد يديه إلى السماء يا رب! يا رب! ومطعمه حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وغذي بالحرام، فأنى يستجاب لذٰلک.

(صحيح مسلم ١/ ٣٢٦ رقم: ١٠١٥، سنن الترمذي ٢/ ١٢٨ رقم: ٢٩٨٩، مسند أحمد رقم: ٨٣٤٨، شعب الإيمان للبيهقي ٢/ ٣٨٨ رقم: ١١١٨، المصنف لعبد الرزاق ٥/ ١٩ رقم: ٨٨٣٩)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي،

كتاب الحظر و الإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٦/ ٣٦٥ كراچی، ٩/ ٥٥٣ زكريا)

إذا أراد الرجل أن يحج بمال حلال فيه شبهة فإنه يستدين للحج و يقضي دينه من ماله، كذا في فتاوىٰ قاضي خان في المقطعات. (الفتاوىٰ الهندية ١/ ٢٢٠ دارإحياء التراث العربي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۴/۲۴ھ

مہمانوں کے استعمال کیلئے سودی رقم سے بیت الخلاء بنانا؟

سوال (۱۴۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک جگہ اہلِ مکتب بیت الخلاء بنوانا چاہتے ہیں، مکتب کے احاطہ میں سودی رقم سے کسی مجبوری کے تحت اور اتفاقاً مکتب کے اندر کبھی کبھار شادی وبیاہ کے موقع پر بارات آکر مدرسہ ہی کے صحن میں بیٹھتی ہے اور مہمان وغیرہ بھی آتے ہیں، جس کی وجہ سے لوگوں کا کہنا ہے کہ سودی رقم سے بیت الخلاء بنوایا جاسکتا ہے، حالاں کہ وہ خاص ارباب مدرسین کے لئے ہوجائے گا اور اگر مہمان اور بارات والوں کو اجازت دے دی جائے تو کیا حکم ہے؟ آیا بنواسکتے ہیں یا نہیں اور اگر کسی صورت میں جائز ہو یا ناجائز ہو تو اس کی بھی کوئی معقول دلیل دیجئے کہ آخر کیوں جائز ہے اور کیوں ناجائز؟ تاکہ عوام بخوبی سمجھ سکیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سودی رقم سے بیت الخلاء یا کسی بھی عمارت کی تعمیر جائز نہیں ہے، اس رقم کو غریبوں میں تقسیم کرنا ضروری ہے۔

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر و الإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٦/ ٣٦٥ كراچی، ٩/ ٥٥٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۶/۱۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سودی رقم کو آنکھوں کے کیمپ کی ضروریات میں استعمال کرنا؟

سوال (۱۴۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: غریب مریضوں کے لئے آنکھوں کے کیمپ لگائے جاتے ہیں، اور عموماً اس کا خرچ چندہ کے ذریعہ پورا کیا جاتا ہے، اور مریض سے دوا کھانا وغیرہ کا کوئی خرچ نہیں لیا جاتا ہے، تو کیا بینک سے جو سود ملتا ہے وہ اس کیمپ پر خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سودی رقم فقراء پر تملیکاً صرف کرنی ضروری ہے، اسے آنکھوں کے کیمپ کی ضروریات میں لگانا بالکل درست نہیں ہے۔

فإن أيس من وجوده فليتصدق بذٰلک عنه. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي [البقرة: ۲۷۹] ۲۴۸/۳ دار إحياء التراث العربي بيروت)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ۳۶۵/۶ كراچی، ۵۵۳/۹ زكريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۷/۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سودی رقم سے تنخواہ دینا؟

سوال (۱۴۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: یہاں پر مسلم فنڈ کا کام کافی پھیلا ہوا ہے، دفتر میں بھی کافی آدمی کام کرتے ہیں اور کافی محصل ہیں ان لوگوں کو عام طور سے تنخواہ اس پیسہ سے دی جاتی ہے جو سرکاری بینک سے مسلم فنڈ کے جمع رکھے ہوئے پیسہ پر سود کا معاملہ ملتا ہے، تو کیا مسلم فنڈ میں از روئے شرع ملازمت کرنا ٹھیک ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سودی رقم تنخواہوں پر خرچ کرنا بالکل جائز نہیں، اگر

اس بارے میں یقینی معلومات ہوں، تو ایسے ادارہ کی ملازمت ترک کردینی چاہئے۔

من ملک بملک خبیث ولم یمکنه الرد إلی المالک فسبیله التصدق علی الفقراء. (معارف السنن ۱/۳۷ المکتبة الأشرفیة دیوبند، بذل المجهود ۱/۳۷ سهارنفور)

رجل دفع إلی الفقیر من المال الحرام یرجو به الثواب یکفر. (شامي ۲۱۹/۳ زکریا)

ولکن لا یرید بذٰلک الأجر والثواب ولکن یرید دفع المعصیة عن نفسه.

(بذل المجهود ۱/۳۷ سهارنفور، فتاویٰ محمودیه ۲۴/ ۴۳۱ میرٹھ)

لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه. (شامي، کتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البیع ۶/۳۶۵ کراچی، ۹/۵۵۳ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۱۱/۶ ۱۴۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سودی رقم سے مسلم فنڈ کے ملازمین کی تنخواہ اور ادارہ کی ضرورت پوری کرنا؟

سوال (۱۴۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: پچھلے سال ماہِ جون میں ہم نے اپنے قصبہ سیانہ میں ادارہ مسلم فنڈ سوسائٹی قائم کیا ہے، بالکل اسی نوعیت کا جس طرح ملک کے دوسرے علاقوں میں چل رہے ہیں۔ زیورات مکفولہ کی جس قدر فیس وصول ہوتی ہے اس سے ادارہ کے اخراجات پورے کرنے میں دشواری پیش آرہی ہے؛ لہٰذا منتظمہ کمیٹی کے سامنے کچھ مسائل درپیش ہیں، ہم ان مسائل کی شرعی حیثیت آپ سے معلوم کرنا چاہتے ہیں۔

اِدارہ ہٰذا میں عوام کی جو رقم بطور امانت جمع ہوتی ہے، ہم اس کو (حفاظت کے لئے) پنجاب نیشنل بینک میں جمع کرتے ہیں، اب ظاہر ہے کہ بینک اس رقم پر سود دیتا ہے تو کیا اس سودی رقم کو ہم ادارہ کے ملازمین کی تنخواہوں یا اسٹیشنری وغیرہ پر خرچ کرسکتے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود کی رقم تنخواہ ملازمین اور ادارہ کی ضروریات میں خرچ کرنا قطعاً ناجائز ہے، انہیں بلانیت ثواب مستحقین فقراء کو تقسیم کرنا لازم ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۱۷۲/۲، بذل المجہود ۳۷/۱ سہارنپور)

من سن سنة سيئةً فله وزرها ووزر من عمل بها. (سنن ابن ماجة / باب من سن سنة حسنة أو سيئة ١٨)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يردّه إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلّا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ٣٥٩/١ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه، ١٤٨/١ مصري) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۳/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہندوستان میں بینک سے سود لے کر ہینڈ پمپ میں لگانا؟

سوال (۱۴۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بینک کا سود لینا جائز ہے یا نہیں؟ جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی موجودہ حالت کے پیشِ نظر اور ہندوستانی رویہ کو دیکھتے ہوئے بینک کا سود لینا جائز ہے؛ البتہ اس رقم کو اپنے ذاتی مصرف میں خرچ نہیں کرسکتا؛ بلکہ اس رقم سے غریب بن بیاہ لڑکی کی شادی کرادینا یا یتیم کی کفالت کرنا، ہینڈ پمپ وغیرہ لگا دینا جائز ہے، جب کہ ثواب کی نیت نہ ہو؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک سے سودی رقم نکال کر غرباء کو بلانیت ثواب تقسیم کرنی لازم ہے، یہ رقم ہینڈ پمپ وغیرہ میں نہ لگائی جائے۔

والسبيل في المعاصي ردها، وذٰلک هٰهنا بردّ المأخوذ إن تمكن من رده بأن عرف صاحبه، وبالتصدق به إن لم يعرفه ليصل إليه نفع ماله إن كان لا يصل إليه عين ماله. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب الخامس عشر في الكسب ۳٤۹/٥ زكريا)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ۳٦٥/٦ كراچی، ٥٥۳/۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴/۵/۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سودی رقم کو یتیم کی کفالت، تعمیر مدرسہ اور تنخواہ میں دینا؟

سوال (۱۵۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سود کی رقم کے ذریعہ مدرسوں میں یتیم بچوں کی کفالت کر سکتے ہیں کہ نہیں؟ اگر یہ صورت جائز ہوتو اس رقم کو مدرسہ والے حیلہ وغیرہ کر کے دوسرے مصرف میں مثلاً تعمیر کے کام میں اساتذہ کی تنخواہوں میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کیا اس حرام مال کا مصرف انہی قرآن وحدیث پڑھنے والے بچوں کو سمجھ رکھا ہے؟ یہ سودی رقم حیلہ کے باوجود بھی حرام ہی رہتی ہے، اس کی حرمت ختم نہیں ہوتی، صرف ضرورۃً غریب کے لئے استعمال کرنا جائز ہوتا ہے، اس لئے یہ رقم تنخواہوں وغیرہ میں ہرگز خرچ نہیں کی جاسکتی۔

قوله: الحرم ينتقل أي وتنتقل حرمته وإن تداولته الأيدي وتبدلت الأملاک.

(شامي، البيوع / باب البيع الفاسدة، مطلب: تعيين الدرهم في العقد الفاسد ۹۸/٥ كراچی، ۳۰۱/۷ زكريا)

وما نقل عن بعض الحنفية من أن الحرام لا يتعدي إلى ذمتين، سألت عنه الشهاب ابن الشلبي، فقال: هو محمول على ما إذا لم يعلم بذٰلک، أما من رآى

المكاس يأخذ من أحد شيئًا من المكس، ثم يعطيه آخر، ثم يأخذه من ذلك الآخر، فهو حرام. (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة / فصل في البيع ٦/٣٨٥ كراچی)

أهدى إلى رجل شيئًا أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس.

(الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات ٥/٣٤٢ زكريا)

غالب مال المهدي إن حلالاً، لا بأس بقبول هديته وأكل ماله. (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية / الفصل الرابع في الهدية والميزان ٦/٣٦٠ زكريا)

وإن كان غالب مال المهدي من الحلال، لا بأس بأن يقبل الهدية، ويأكل. (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ الهندية، كتاب الحظر والإباحة / ما يكره أكله وما لا يكره، وما يتعلق بالضيافة ٣/٤٠٠ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۵/۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسجد کا مقدمہ لڑنے کے لئے رشوت میں سود کا پیسہ دینا؟

سوال (۱۵۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسجد کے مکان پر زید کا ناجائز قبضہ ہے، ذمہ دارانِ مسجد زید سے مسجد کا مکان خالی کرانے کے لئے اس مقدمہ کو عدالت لے گئے، زید صاحبِ ثروت ہے، وہ پیسہ کے زور پر مقدمہ کا ناجائز فائدہ اٹھا سکتا ہے، اس لئے ذمہ دارانِ مسجد کے سامنے رشوت کا مسئلہ ہے۔ دریافت طلب بات یہ ہے کہ ذمہ دارانِ مسجد رشوت میں سود کا پیسہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر عدم واقفیت کی بنا پر سودی رقم سے کچھ پیسہ رشوت میں جاچکا ہو، تو اس صورت میں ذمہ دارانِ مسجد کیا کریں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سودی رقم سے کسی بھی طرح کا فائدہ اٹھانا جائز نہیں اور رشوت میں دینا درپردہ ذاتی فائدہ اٹھانا، اس لئے رشوت میں سودی رقم دینا جائز نہیں۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث فأما إن ملكه بعقد فاسد أو حصل له بغير عقد ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه ويريد أن يدفع مظلمته عن نفس فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء لأنه لو أنفق على نفسه فقد استحكم ما ارتكبه من الفعل الحرام. (بذل المجهود ١٤٨/١ لكناؤ، مستفاد: ايضاح النوادر ١٠٠، ايضاح المسائل ١٤٢)

جتنے روپئے رشوت کے مقدمہ میں صرف کئے ہیں، اتنی مقدار ذمہ دارانِ مسجد فقراء ومساکین کو صدقہ کردیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۵/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رشوت میں سود کی رقم دینا؟

سوال (۱۵۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رشوت میں سود کی رقم دینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود کی رقم رشوت میں نہیں دی جاسکتی؛ کیوں کہ رشوت کا پیسہ سرکاری خزانہ میں نہیں جاتا؛ بلکہ سرکاری افسروں کی جیب میں جاتا ہے، جو اس حرام پیسہ کے نہ تو مالک ہیں اور نہ ہی مستحق ہیں۔

مستفاد: وهو حرام مطلقًا على الورثة أي سواء علموا أربابه أو لا؛ فإن علموا أربابه ردوه عليهم وإلا تصدقوا به. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٥٥٤/٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۲/۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مقدمات سے خلاصی کے لئے سودی رقم کا استعمال کرنا؟

سوال (۱۵۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: کیا مقدمات سے خلاصی کے لئے سودی رقم کا استعمال کرنا جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مقدمات وغیرہ سے خلاصی حاصل کرنے کے لئے بھی سودی رقم کا صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

ویردونها علی أربابها إن عرفوهم وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه. (شامي، کتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البیع ٦/٣٦٥ کراچی، ۹/۵۵۳ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۷/۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مقدمہ بازی اور وکیلوں کی فیس کی ادائیگی میں سودی رقم خرچ کرنا؟

سوال (۱۵۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص زید اپنے سگے رشتہ دار ماموں کی جائیداد سکنائی پر کمال بدنیتی اور مکروفریب سے قبضہ کرنا چاہتا ہے، جس کے لئے اس نے جعلی دستاویزات کے ذریعہ عدالتی مقدمات اور پولیس کے ذریعہ قانونی کارروائیوں کا سلسلہ شروع کررکھا ہے، زید ایک نہایت چالاک فریب دہی کا ماہر جعل سازی کا استاذ ہے، ماموں صرف اپنے جائز حق کو بچانے کے لئے اس مقدمہ بازی میں الجھے ہوئے ہیں؛ لیکن فی زمانہ پولیس یا عدالت کہیں بھی کوئی جائز دادرسی بلا رشوت کے میسر ہی نہیں ہے، اور مقدمہ بازی کے تمام اخراجات کا بیشتر حصہ رشوت کی ہی کوئی نہ کوئی صورت ہوتی ہے، کیا ماموں مدعا علیہ کو اس مدافعتی مقدمہ بازی کے سلسلہ کے اخراجات کے لئے اپنے بینک کھاتے سے ملنے والے سود کے پیسوں کو استعمال کرنا درست قرار دیا جاسکتا ہے۔ ایک عالم دین صاحب جو صاحبِ درس ہیں، اور ایک عالمی شہرت کے ادارے دارالعلوم دیوبند سے وابستہ ہیں، اس سود کو اس طرح کی مقدمہ بازی کے اخراجات میں استعمال کرنے کو برا نہیں کہتے؛ بلکہ اجازت دیتے ہیں، کیا

ان کی رائے صحیح ہے؟ (بینک میں روپیہ مجبوری میں رکھنا پڑتا ہے نہ کہ روزگار کے لئے) ایک مفتی صاحب کا تو کہنا یہ ہے کہ اگر یہ بینک غیر مسلم کا ہے، تو اس سے حاصل کردہ سود دفاعی مقدمہ بازی کے علاوہ اپنے استعمال میں بھی لایا جا سکتا ہے، کیا یہ رائے صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مقدمہ بازی، وکیلوں کی فیس کی ادائیگی اور افسران وغیرہ کو رشوت میں سودی رقم خرچ کرنا قطعاً جائز نہیں، جو شخص اِن مصارف میں سودی روپیوں کو خرچ کرنے کی اجازت دیتا ہے، اس کی رائے سے ہم متفق نہیں، یہ رقم بینک سے نکال کر نادار غریبوں کو تقسیم کرنی لازم ہے۔ (مستفاد: اللہ سے شرم کیجئے ۱۲۱-۱۲۲)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٦/٣٦٥ كراچی، ۹/۵۵۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۵/۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سودی رقم سے رشوت دینا اور بجلی کے بل کی اضافی رقم ادا کرنا

سوال (۱۵۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی مسلمان کا ذاتی یا مسجد مدرسہ کا بجلی کا بل وقت پر نہ آنے کی وجہ سے تاریخ معینہ پر جمع نہیں ہوسکا۔ تاریخ معینہ گزر جانے کے بعد حکومت کا بجلی محکمہ تاخیری فیس کے طور پر فیصدی سود کا بل میں اضافہ کردیتا ہے۔ کیا بینک کے کھاتے سے ملنے والی سود کی رقم سے بجلی کے بل میں اضافہ والی سودی رقم کی ادائیگی کرسکتے ہیں یا نہیں؟ ایسے ہی اگر کسی مسلمان کے ذمہ میں بینک کا سودی قرض ہے، یا انکم ٹیکس دینا ہے، یا اپنا جائز حق وصول کرنا ہے، اور اُس میں رشوت دینا مجبوری بن گیا ہے تو اُن میں سود کی رقم دے سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکاری بینک سے حاصل کردہ سودی رقم غیر واجبی

ٹیکسوں، سرکاری بینک کے عائد کردہ سود اور حکومت کے بجلی محکمہ کی طرف سے تاخیر پر مقررہ سود میں حساب لگاکر خرچ کرنے کی گنجائش ہے؛ لیکن یہ سودی رقم ضرورت یا بے ضرورت کسی بھی طرح رشوت میں دینا درست نہیں ہوگی۔

المال الحاصل له حرام عليه إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ۳۵۹/۱-۳٦۰ تحت رقم: ۵۹ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي، مظفرفور أعظم جراه، الفتاویٰ الهندية ۳٤۹/۵ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۵/۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گورنمنٹ سے سود پر قرض لےکر آلات زراعت خریدنا؟

سوال (۱۵٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اس زمانہ میں لوگ گورنمنٹ سے قرض روپیہ لےکر آلات ذراعت مثلاً ٹریکٹر، پانی کا انجن، پمپنگ سیٹ اور سواری کی چیزیں مثلاً اسکوٹر جیپ وغیرہ لےکر دنیاوی کاروبار میں ترقی کے اسباب مہیا کررہے ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ گورنمنٹ روپیہ شرط سود پر قرض دیتی ہے، نیز گورنمنٹ سے لون یعنی قرض بغیر لئے بہت سی مشینیں اور کھاد وغیرہ ملنی مشکل ہیں، اس لئے بھی لوگ گورنمنٹ سے قرض لینے پر مجبور ہیں، اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سوال میں مذکور اشیاء اور دیگر ضرورتوں کے حکومتی وسرکاری بینک سے پورا کرنے کی شرعاً جائز اور آسانی صورت یہ ہے کہ جس بینک سے آپ قرض لےکر گاڑی وغیرہ خریدنا چاہتے ہے، وہ بینک اپنا آدمی آپ کے ساتھ بھیج کر مطلوبہ گاڑی یا سامان

بینک کی جانب سے خرید کر آپ کو کچھ اضافہ کے ساتھ (مثلاً پچاس ہزار میں خرید کر پچپن میں) آپ کو دے دے، اور پھر آپ بینک کے ضابطہ کے مطابق متعینہ رقم قسط وار ادا کریں، تو یہ معاملہ بیع مرابحہ کے دائرہ میں آ کر کے جائز ہوگا۔ (ایضاح النوادر ۱/۱۰۷)

المرابحة بمثل الثمن الاول وزيادة ربح جائز. (الفتاویٰ الهندية ۱٦٠/٣)

اس کے علاوہ دوسری صورت جو کہ عام طور پر رائج ہے کہ آپ براہِ راست بینک سے لون وقرض لے کر گاڑی خریدیں اور پھر اضافہ کے ساتھ بینک کو قسط وار متعینہ رقم ادا کریں، تو یہ سودی لین دین ہونے کی وجہ سے قطعاً جائز نہیں ہے۔ نیز مسلمانوں کی ترقی حرام ذرائع آمدنی حاصل کرنے سے ہرگز نہیں ہوسکتی۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۰۶)

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ﴾ [البقرة، جزء آيت: ٢٧٦]

كل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف ...... الفضل الشروط في القرض ربا محرم لا يجوز للمسلم من أخيه المسلم أبدًا، لإجماع المجتهدين على حرمته. (إعلاء السنن / رسالة كشف الدجى على حرمة الربوا ٥١٨/١٤ إدارة القرآن كراچی)

كل قرض جر نفعًا حرام أي إذا كان مشروطًا. (شامي ١٦٦/٥ كراچی، ٣٩٥/٧ زكريا)

الربا هو القرض على أن يؤدي إليه أكثر أو أفضل مما أخذ. (حجة اللّٰه البالغة / الربا سحت باطل ٢٨٢/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱۱/۲۷ھ

بینک میں جمع شدہ مسجد کے پیسے پر ملنے والے سود کا مصرف؟

سوال (۱۵۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری مسجد قدیم والا جاہ نگا نلور (مدراس) جو تملنا ڈو وقف بورڈ کی جانب سے منظور شدہ ہے، اس مسجد کے لئے مختلف مدات کے ذریعہ جیسے کرایہ جات، تعمیر، عطیہ جات، اہل خیر وغیرہ سے

جو آمدنی ہوتی ہے اس کو یہاں کے ایک مقامی بینک میں جمع کر کے مسجد کا حساب و کتاب چلا رہے ہیں، اب تک مسجد کی جو رقم بینک میں جمع ہے اس پر بینک کی جانب سے ۱۲/ ہزار روپئے بطور سود کے جمع کئے ہوئے ہیں، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس سودی رقم کا کیا کیا جائے؟ کیا اس رقم کو مسجد کی آمدنی کے حساب میں شامل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا ہم بینک کو یہ اطلاع دے سکتے ہیں کہ ہمیں سود کی ضرورت نہیں ہے۔

نوٹ:- اگر ہم اس طرح کریں گے، تو چوں کہ بینک کا سارا نظام کمپیوٹرائز ہے، اس لئے اس میں اندراج ناممکن ہے؛ لیکن بینک کے عملہ کا اس رقم کو مسجد کے حساب سے نکال کر خود اپنے استعمال میں لانے کا اندیشہ ہے، یا پھر یہ رقم اسلام دشمن کاموں میں صرف کی جاسکتی ہے؟ ان وجوہات کی بنا پر کیا ہم اس رقم کو بینک سے نکال کر مستحق مسلمان بچوں کے تعلیمی اخراجات جیسے یونیفارم، اسکول بکس، نوٹ بکس دلا سکتے ہیں؟ یا اگر مالی اعتبار سے کمزور مسلمانوں کی تجارت کے لئے دے سکتے ہیں، یا بصورتِ دیگر اس سودی رقم کا حکم کیا ہے، مطلع فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کی رقم جو بینک میں جمع ہو اور اس پر سود ملے، تو اس کو مسجد میں لگانا یا مسجد کے حساب و کتاب میں شامل کرنا جائز نہیں ہے؛ تاہم سود کو بینک میں بھی نہ چھوڑا جائے؛ بلکہ نکال کر فقراء و نادار لوگوں کو بلا نیت ثواب دے دیا جائے، وہ اپنی ضرورتوں میں استعمال کرلیں۔ (فتاوی محمودیہ ۱/ ۴۶۹)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب، ولا يقبل الله إلا الطيب الخ. (صحيح البخاري / باب الصدقة من كسب طيب ۱/ ۱۸۹)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يأتي على الناس زمانٌ لا يبالي المرء ما أخذ منه، أمِنَ الحلالِ أم من الحرام.

(صحيح البخاري، مشكاة المصابيح، كتاب البيوع / باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الأول ٢٤١)

قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذٰلک مالاً خبيثًا، أو مالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن اللّٰه تعالىٰ: لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله الخ، شرنبلالية. (رد المحتار، كتاب الصلاة / مطلب: كلمة "لا بأس" دليل على أن المستحب غيره؛ لأن البأس الشدة ٦٥٨/١ كراچی، وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ٢٧٨/١ دار المعرفة بيروت)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يردّه إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلّا أن يدفعه إلى الفقراء، ولٰكن لا يريد بذٰلک الأجر والثواب. (بذل المجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ٣٥٩/١ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه، ١٤٨/١ مصري) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۱/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بینک میں جمع شدہ مسجد کے روپیوں پر ملنے والے سود کا مصرف

سوال (۱۵۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرا سوال یہ ہے کہ زید ایک مسجد کا ذمہ دار ہے، اس نے چار سال قبل مسجد کے عطیہ اور دوکانوں کے کرایہ کی رقم اپنے بینک اکاونٹ میں رکھا، اور وقتاً فوقتاً مسجد کے تعمیری کاموں اور ائمہ حضرات کے نذرانے ودیگر اخراجات کرتا رہا، اس درمیان منسلکہ رقم پر بیاج ملتا رہا، زید یہ سوچ کر بعض کام سنڈاس (بیت الخلاء) کے کرایہ کی اس رقم کو میں نے صفائی کے کام گاؤں نگر پریشد کی فضلا صفائی ٹینکر کے خرچ میں لگا دیا؛ لیکن بعد میں زید کو معلوم ہوا کہ یہ درست نہیں ہے؛ بلکہ انٹرسٹ کی رقم کسی غریب محتاج کو بغیر ثواب کی نیت کے دینا چاہئے۔ چوں کہ یہ مسجد کی رقم پر بیاج

ہے،اس لئے رہنمائی فرمائی،سب کل رقم (4875/=)۔

چوں کہ زید نے خاص یہی رقم نکال کرخرچ نہیں کی؛ بلکہ جوضرورتوں کے لئے رقم نکالی جاتی اُسی میں سے خرچ کیا،اب چوں کہ بینک میں رقم اب بھی موجود ہے، میں نے عارضی طور پرنیت بدل دی کہ یہ رقم میں نے ابھی خرچ نہیں کی،اب کیا کرنا چاہئے؟

(۱) ایک آئندہ کے لئے اسکیم، یہ رقم کسی غریب محتاج ومعذور جس کے پاس ضلع سطح پر جانے کی رقم نہ ہو،اس کوکسی جیپ یا دواخانے کی گاڑی کا صرف جانے آنے کا کرایہ دیا جائے،مجلس انتظامیہ کےمشورہ سے، زید نے خلوص سے توبہ کی ہے؛لیکن پھربھی حرام کا ارتکاب کیا کوئی تعزیر ہوتو لکھیں نوازش ہوگی؟

(۲) مسجد کے پانچ دوکانوں کا ٹیکس تقریباً ہر برس پانچ ہزاراور رجسٹریشن خرچ ۴-۵ ہزار روپیہ،کیااس کام میں بھی اس مدبیاج کولگایاجاسکتا ہے؟

(۳) بیت الخلاءصفائی نگر پریشد کے ٹینکر سے تقریباً خرچ ایک ہزار روپیہ۔

(۴) غیرمسلم صفائی کامگارکومزدوری (بیت الخلاءصفائی) ضرورت پڑنے پر۔

(۵) بیت الخلاء کے درودیوارٹائلس وغیرہ، کیامیری ذاتی رقم کے بیاج کوگھریامسجد کے کاموں پرخرچ کرسکتا ہوں؟

(٦) ایک غیرمسلم پڑوسی کی مٹی کی دیوار کی مٹی مسجد کے صحن میں ہر برس گرتی ہے،اوروہ مسجد ہی کی مٹی وپانی سے درست کرتا ہے؛لیکن اب دوبرس سے اس گری ہوئی دیوارکودرست نہیں کرنا چاہتا،اب اس مٹی کی دھول مسجد تک آتی ہے،کیا ہم سودوسوروپئے مسجد کے خرچ سے اسے درست کرسکتے ہیں،جب کہ یہ پڑوسی مال دار ہے،مسجد کی صفائی کے لحاظ سے یہ دیوار اچھی نہیں لگتی، مصلحتاً ہم کوئی بنیاد یا غیراخلاقی برتاؤ بھی کرنا نہیں چاہتے، یا پھرایک ڈیڑھ فٹ کے فاصلہ سے مسجد کی دیوار بنالیں،جب کہ آگے ہمارا منصوبہ پکے کام کا بھی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود کی رقم سے مسجد کا بیت الخلاءوغیرہ بنانا درست نہیں

ہے، اور اس نیت سے جو رقم نکال کر بیت الخلاء کی تعمیر اور صفائی میں لگائی گئی ہے، وہ اپنے مصرف میں صرف نہیں ہوئی؛ لہٰذا مسجد کے فنڈ سے اس رقم کے بقدر روپۓ نکال کر غریبوں ومسکینوں میں تقسیم کرنا ضروری ہے، اور یہ مستحق کوئی بھی ہوسکتا ہے خواہ مسافر ہو یا مقیم، مسجد کی کمیٹی جس پر اطمینان کرلے، اس کو یہ رقم دے سکتی ہیں، اِسی طرح مسجد کے دکانوں پر حکومت کی طرف سے جو ٹیکس لگایا گیا ہے، یہ شرعاً غیر واجب ٹیکس ہے؛ لہٰذا سود کا پیسہ اس ٹیکس میں بھی صرف کرنا درست ہے، تاکہ حکومت سے لی ہوئی رقم حکومت کے خزانہ میں اس ذریعہ سے لوٹائی جاسکے؛ البتہ بیت الخلاء کی صفائی کے لئے یا اس میں ٹائلس وغیرہ لگانے کے لئے سودی رقم صرف کرنا درست نہیں ہے۔ اِسی طرح آپ کی ذاتی رقم میں جو سود ملا ہے، اس کا مصرف صرف غریب وفقیر لوگ ہیں، اسے اپنی ذاتی یا مسجد کے کسی کام میں صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ (احسن الفتاوی ۷/۲۱، کفایت المفتی ۷/۷)

إن سبيل التوبة مما بيده من الأموال الحرام إن كانت من ربا، فليردها على من أربى عليه، ويطلبه إن لم يكن حاضرًا، فإن أيس من وجوده فليتصدق بذٰلك عنه. (الجامع لأحكام القرآن الكريم للقرطبي ۲۴۸/۳، سورة البقرة: ۳۷۹ دار إحياء التراث العربي بيروت)

إن من شرط التوبة: أن ترد الظلامة إلى أصحابها، فإن كان ذٰلك في المال، وجب أدائه عينًا أو دينًا ما دام مقدورًا عليه، فإن كان صاحبه قد مات دفع إلى ورثته، وإن لم يكن فإلى الحاكم، وإلا تصدق به على الفقراء والمساكين. (القواعد للزركشي ۲۴۵/۲ بيروت)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ۳۶۵/۶ كراچی، ۵۵۳/۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۴/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسجد کے کمرہ پر آنے والی سودی رقم کو بینک کے سود سے ادا کرنا؟

سوال (۱۵۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ایم ڈی اے کالونی میں ایم ڈی اے سے مسجد کے لئے ایک کمرہ خریدا، اس کی کچھ رقم ہاتھوں ہاتھ ادا کردی، کچھ باقی رہ گئی، کئی سال کا عرصہ ہوگیا باقی رقم اب تک ادا نہ کی جاسکی، جس کی بناپر اس باقی رقم پر کافی سود چڑھ گیا۔ اب مسئلہ یہ معلوم کرنا ہے کہ اس سود کی رقم کو زید اپنے بینک کے کھاتہ کے سود کی رقم سے ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکاری سود کی ادائیگی کے لئے سرکاری بینک سے حاصل شدہ سودی رقم کے ذریعہ واپسی کی گنجائش ہے۔

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالاً بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد، كالبيوع الفاسدة والاستئجار على المعاصي والطاعات، أو بغير عقد، كالسرقة والغصب والخيانة والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه، ولكن إن أخذه من غير عقد ولم يملكه يجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك، وإلاَّ ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ۳۵۹/۱ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۷/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسجد کی تعمیر میں سودی رقم لگانا جائز نہیں؟

سوال (۱۶۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں ایک مدینہ مسجد ہے، مصلیوں کی کثرت کی بنا پر ذمہ داران نے توسیع کے لئے ایک نمبرا اور پھر دو نمبر کی جگہ خریدی، اب مسجد کو شہید کرکے از سر نو بنانا ہے، ایک نمبر کی جگہ کو مسجد میں داخل کرنا ہے اور خالی جگہ میں وضوخانہ بنوانا ہے، اور دو نمبر کی جگہ میں مسجد کی آمدنی کے لئے دکانیں

بنوانا ہے، اسی طرح مسجد کی خوبصورتی کے لئے ایک مینار مسجد پر اور دوسرا دوکانوں پر بنانا ہے۔ اسی طرح پہلی منزل بھی بنانی ہے، جس میں مسجد کے اوپر مسجد اور وضوخانہ کے اوپر آفس بنائی جائے گی، اور دکانوں کے اوپر جماعت خانہ کی شکل میں ایک ہال بنایا جائے گا، جو مکتب کے بچوں اور جماعتوں وغیرہ کے لئے استعمال ہوگا۔ واضح رہے کہ ایک نمبر کی خریدی ہوئی جگہ میں سود کی رقم بھی داخل ہے جو ایک لاکھ سے زائد ہے، مسجد کے ذمہ داروں کا اس رقم کو الگ نکال کر غرباء میں تقسیم کرنے کا مکمل ادارہ ہے؛ لیکن فی الحال اس کثیر رقم کو الگ نکالنے کی وجہ سے مسجد کی تعمیر میں مالیت کی کمی کی وجہ سے پریشانی آسکتی ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) کیا مسجد شہید کرنے سے پہلے سود کی رقم الگ کرنا ضروری ہے یا پھر تعمیر کے بعد اس جگہ میں نماز شروع کرنے سے پہلے پہلے تک الگ کرنے کی گنجائش ہے؟

(۲) سود کی رقم غرباء ہی میں تقسیم کرنی پڑے گی یا پھر کسی اور مصرف میں استعمال کی جاسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مسجد کے لئے خریدی ہوئی جگہ میں سودی رقم لگانا قطعاً جائز نہیں ہے، مسجد پاک جگہ ہے، اس میں ناپاک مال لگانے کی اجازت نہیں ہے؛ لہٰذا اولاً وہ سود کی رقم نکال کر غریبوں کو تقسیم کی جائے، اس کے بعد تعمیر آگے شروع کی جائے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن اللّٰه طيب لا يقبل إلا طيبًا، وإن اللّٰه أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين، فقال: ﴿يٰٓأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾ وقال تعالىٰ: ﴿يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث أغبر يمد يديه إلى السماء يا رب! يا رب! ومطعمه حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وغذي بالحرام، فأنى يستجاب لذٰلك. (صحيح مسلم ۳۲٦/۱ رقم: ۱۰۱۵، سنن الترمذي ۱۲۸/۲ رقم: ۲۹۸۹، مسند أحمد رقم: ۸۳۴۸، شعب الإيمان للبيهقي ۳۸۸/۲ رقم: ۱۱۱۸، المصنف لعبد الرزاق ۱۹/۵ رقم: ۸۸۳۹)

قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذٰلک مالاً خبيثًا، ومالاً سببه الخبيث والطيب فيكره؛ لأن اللّٰه تعالى لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بمالا يقبله.

(شامي، الصلاة / مطلب كلمة "لا بأس" دليل على أن المستحب غيره ۲/ ٤٣١ زكريا)

وإنما يجب رد ضمانه لو استهلكه. (شامي /أول باب الربا ۳۹۹/۷ زكريا)

(۲) مسئولہ صورت میں سودی رقم صرف غرباء میں تقسیم کی جائے، وہ کسی اور مصرف میں تقسیم (صرف) نہیں کی جاسکتی۔

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ۳٦٥/٦ كراچی، ۵۵۳/۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۵/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سودی رقم کو رفاہ عام میں لگانا؟

سوال (۱۶۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سود کی رقم کو رفاہِ عام کے لئے مثلاً پانی کے لئے کوئی ہینڈ پائپ یا عام راستہ کی درستگی اور پانی نکلنے کے لئے نالی کی تعمیر میں لگایا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: بینک سے ملی سود کی رقم کو رفاہی کاموں میں براہِ راست خرچ کرنا جائز نہیں، اولاً اُسے سرکاری خزانہ میں جمع کیا جائے، پھر وہ اپنی نگرانی میں اس سے کوئی رفاہی کام سرکاری طور پر کرائے، تو درست ہے۔

للمسلم أن يأخذ الربا أصحاب البنک أهل الحرب في دارهم ثم يتصدق به على الفقراء ولا يصرفه إلى حوائج نفسه. (إعلاء السنن / باب الربا ۳۵۹/۱٤ دار الكتب العلمية بيروت)

فيجب رد عين الربا لو قائما لا رد ضمانه. (شامي / أول باب الربا ۳۹۹/۷ زكريا)

والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم. (شامي / باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاً حرامًا ۷/ ۳۰۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/۵/۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا سودی رقم کو رفاہی کاموں میں صرف کرنا جائز ہے؟

سوال (۱۶۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بینک وغیرہ سے سود نکالنا ضروری ہے، پھر اس کو فقراء ومساکین پر بلانیتِ ثواب صدقہ کر دینا چاہئے، یہ مسئلہ اپنی جگہ ہے؛ لیکن رفاہی کاموں میں اُس کو لگاسکتے ہیں یا نہیں؟ فتاوی رحیمیہ ۲۶۶/۳ پر اکابرین کی آراء وفتاویٰ نقل کر کے سودی رقم رفاہی کاموں میں لگانے کے جواز کو ثابت کیا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ اگر صحیح نہیں اور اُن اکابرین کا رجوع ثابت ہے، تو کہاں اور کون سی کتاب میں باحوالہ نقل کریں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سودی رقم بینک سے نکال کر فقراء پر تقسیم کرنا لازم ہے۔ اور جن فتاویٰ میں اس رقم کو رفاہی کاموں میں لگانے کی اِجازت دی گئی ہے، وہ ہندوستان کو دار الحرب ماننے پر مبنی ہے، اور موجودہ دور میں فتویٰ یہ ہے کہ ہندوستان پر دار الحرب کے نہیں؛ بلکہ دار الامن کے احکام جاری ہیں؛ اس لئے سودی رقم کو رفاہی کاموں میں لگانے کا فتویٰ ہمارے نزدیک مرجوح ہے۔ (ایضاح النوادر ۱/۹۲)

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالاً بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد، كالبيوع الفاسدة والاستئجار على المعاصي والطاعات، أو بغير عقد، كالسرقة والغصب والخيانة والغلول، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه، ولكن إن أخذه من غير عقد ولم يملكه يجب عليه أن يرده على

مـالـكـه إن وجـد الـمالك، وإلَّا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ۳۵۹/۱ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه)

لأن سبيـل الـكسـب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر و الإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ۳۶۵/۶ كراچی، ۵۵۳/۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۷/۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زمین کے دوطرفہ گڈھوں کو بھروانے کیلئے سود کا پیسہ استعمال کرنا؟

سوال (۱۶۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کی ایک زمین ہائیوے روڈ پر ہے، روڈ کے دونوں طرف جو گڈھے ہوتے ہیں، وہی گڈھے زید کی زمین کے پاس بھی ہیں، کیا ان گڈھوں کو بھروانے کے لئے ہم بیاج کا پیسہ استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کے لئے سود کے پیسہ سے براہِ راست مذکورہ سرکاری گڈھوں کو بھروانا درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ بھی سود سے نفع اٹھانے کی ایک شکل ہے، جس کی اجازت نہیں، اس سودی رقم کو غریبوں پر بلانیت ثواب تقسیم کردینا چاہئے، یا غیر واجبی ٹیکس مثلاً سیل ٹیکس انکم ٹیکس میں صرف کردیں۔ (کتاب الفتاویٰ ۳۱۷/۵ نعیمیہ دیوبند)

لأن سبيـل الـكسـب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر و الإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ۳۶۵/۶ كراچی، ۵۵۳/۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۱/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بجلی کے بل پر آنے والا جرمانہ سودی رقم سے وصول کرنا؟

سوال (۱۶۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں ایک ہاؤس پاور کی بجلی جل رہی تھی، کچھ عرصہ بعد ہمارا بجلی کا خرچ بڑھا، تو ہم نے حکومت ہند کے قانون کے مطابق دو ہاؤس پاور منظور کرالی، جس کی فیس ہم نے جمع کر کے اس کی رسید حاصل کرلی اور قانونی کارروائی بھی مکمل کردی؛ لیکن کافی عرصہ گزر جانے کے بعد بھی ہمارے بل میں دو ہاؤس پاور لگ کر نہیں آیا، جس میں ظاہر بات ہے کہ ہماری کوئی غلطی نہیں تھی، اب ایک روز بجلی چیک کرنے والے ہمارے یہاں آ گئے سارے ثبوت رسید وغیرہ دکھانے کے باوجود بل میں دو ہاؤس پاور نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے اوپر جس دن سے ہمارے یہاں بجلی لگی تھی، آج تک تین ہاؤس پاور کا جرمانہ سولہ ہزار روپئے لگائے گئے، جس کو ہم نے اپنے پاس سے اس نیت سے ادا کیا کہ ہمارے پاس کچھ روپئے بینک سے سود کے آنے والے ہیں، وہ ان کے بدلہ میں رکھ لیں گے، تو اب وہ سود کے روپئے ہمارے پاس آ گئے تو حکومت کا روپیہ حکومت کو پہنچ جائے، اس مسئلہ کے تحت یہ روپیہ جو ہم کو اب بعد میں ملے ہیں، اس ناجائز جرمانہ بھرنے کے عوض اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو کیا کیا جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ نے جو ذاتی روپیہ محکمہ بجلی کے ظالمانہ جرمانہ میں دیا ہے، وہ تو سود کے روپیہ میں محسوب نہیں ہوسکتا؛ البتہ یہ گنجائش ہے کہ آئندہ جب بجلی کا بل آئے، تو آپ اپنے جرمانہ کے بقدر رقم سرکاری بینک سے حاصل کردہ سود سے ادا کردیں، تو گویا یہ اپنے حق کو وصول کرنے کی ایک تدبیر ہو جائے گی۔

إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم لمطاوعتهم في الحقوق، والفتوى اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أي مال كان لا سيما في ديارنا لمداومتهم في الحقوق. (شامي، كتاب السرقة / مطلب يعذر بالعمل بمذهب الغير

عند الضرورة ٩٥/٤ کراچی، ١٥٨/٦ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۱/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بینک سے سود نکال کر غرباء کو کیوں دیا جاتا ہے؟

سوال (۱۶۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بینک کا سود نکال کر غرباء کو دینے میں کیا حکمت ہے؟ وہ بھی تو سود ہی ہے، کیا حرام مال سے مدد کرنا نہیں ہے؟ اگر بینک ہی میں چھوڑ دیا جائے تو کیا برائی ہے؟ اگر بینک ہی میں چھوڑ دیا جائے تو لوگ پیسہ بھی جمع کرنا چھوڑ دیں گے؛ اس لئے کہ لوگ سوچیں گے کہ جب سود ملتا ہی نہیں تو پیسہ جمع کرنے سے کیا فائدہ؟ اور نکالنے کی صورت میں لوگوں کی ہمت بڑھ گئی، کیا حدیث کے اندر ایسا کوئی مسئلہ ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ سود کا پیسہ ایک غریب مسلمان کو دیا جاسکتا ہے، اس کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے فرمایا تھا کہ جو سود تمہارا لوگوں پر ہے، اس کو معاف کردو، ظاہر سی بات ہے کہ اس وقت بھی غریب مسلمان تھے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حکومت کے بینکوں سے جو سود ملتا ہے وہ اگر بینک میں ہی چھوڑ دیا جائے تو حکومت اسے نہ جانے کہاں کہاں خرچ کرے گی، ممکن ہے کہ کسی اسلام مخالف سرگرمی میں اسے خرچ کیا جائے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ یہ سودی پیسہ بینک میں نہ چھوڑا جائے، اب رہ گئی یہ بات کہ غریب شخص پر اسے کیوں خرچ کیا جاتا ہے؟ تو اس سلسلہ میں یہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ غریب شخص پر جو لینے والا خرچ کرتا ہے، وہ اپنی طرف سے خرچ نہیں کرتا ہے؛ بلکہ حکومت کی طرف سے ہی خرچ کیا جاتا ہے، اور غریبوں کی مدد چوں کہ حکومت کا فرض منصبی ہے، اس لئے جب یہ مال حکومت کی جانب سے غریبوں کو دیا جائے گا، تو غریبوں کے حق میں یہ مال حرام نہیں رہے گا، اور زمانۂ نبوت میں اس طرح کا بینکنگ نظام نہیں تھا کہ یہ کہا جاتا کہ حکومت کی طرف سے ضرورت مند

کی امداد ہو؛ بلکہ وہاں ذاتی معاملہ تھا، اس لئے سود معاف کر دینا ہی تقاضائے شرع کے مطابق تھا۔

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٦/٣٦٥ كراچی، ٩/٥٥٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۷/۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مشکوک مال کا حکم

سوال (١٦٦): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے چچانے زید کی بچپن سے پرورش کی زید کے چچا کے کوئی اولاد نہیں تھی، اب زید کے چچا کا انتقال ہو گیا، اُن کی ساری جائیداد زید کے نام ہے، اور کچھ پیسے وغیرہ بھی ہیں، جو کہ مشکوک مال ہے، زید کا چچا سودی کاروبار کرتا تھا، اور زید کو پتہ نہیں ہے کہ اس میں کتنا مال سود کا ہے، اور کتنا اصل ہے؛ لہٰذا بتائیں کہ زید اس پیسہ میں سے کتنا لے سکتا ہے اور کتنا صدقہ کرے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو مشکوک مال ہے وہ اصل مالکین کو تلاش کر کے لوٹا دیا جائے، اور اگر اصل مالکین تک رسائی نہ ہو سکے، تو یہ مال صدقہ کر دیا جائے، اور بقیہ جائیداد وغیرہ اگر چچانے اپنی زندگی میں زید کو دے کر اس پر قابض و مالک بنا دیا تھا تو وہ زید کی ہوگی، اور اس میں دیگر وارثین کا حق نہ ہوگا۔

والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له، ويتصدق به بنية صاحبه، وإن كان مالاً مختلطًا مجتمعًا من الحرام ولا يعلم أربابه ولا شيئًا منه بعينه حل له حكمًا، والأحسن ديانة التنزه عنه. (شامي / باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاً حرامًا ٧/١٠٣ زكريا)

وتتم الهبة بالقبض الكامل. (الدر المختار مع الشامي ٨/٤٩٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۷/۲/۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بے قصور مسلم نوجوانوں کی جیلوں سے رہائی کے لئے سودی پیسہ سے مقدمہ لڑنا؟

سوال (۱۶۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اسیرانِ مالٹاناشرالجمعیۃ بک ڈپو کے صفحہ ۱۵۵ پرلکھا ہے کہ اس روپیہ کو جو بینکوں کے سود کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، مسلمانوں کے اجتماعی مقاصد میں صرف کردینا چاہے، بحوالہ رسید جلد ۱/۲۱۸، رد المحتار ۳/۳۴۵، شرح السیر الکبیر ۳/۱۴-۱۷۸-۲۲۶-۲۲۸-۲۲۹، عالمگیری ۲/۲۱۰ وغیرہ، جیسا کہ آج کل الجمعیۃ بے قصور مسلم نوجوانوں کی جیلوں سے رہائی کے لئے مقدمات لڑ رہی ہے، تو اس مد میں بھی یہ پیسہ صرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس کے علاوہ بندہ دیگر اجتماعی مقاصد کی تفصیل سے وضاحت چاہتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینکوں سے حاصل شدہ سودی روپیہ کے بارے میں مفتی بہ قول یہ ہے کہ اسے لے کر غریبوں اور محتاجوں پر خرچ کردینا چاہئے، اب اگر جیلوں میں گرفتار کوئی بے قصور شخص غریب اور محتاج ہو، تو اس کی اجازت سے اس کی رہائی کے لئے مقدمات کی مد میں بھی یہ پیسہ صرف کیا جاسکتا ہے، اس کے علاوہ اجتماعی معاملات اور مقاصد جن میں کسی فرد واحد کی تملیک نہیں ہوتی، ان میں یہ روپیہ صرف نہیں کیا جائے گا، اور آپ نے اسیرانِ مالٹا میں ذکر کردہ جس مسئلہ کا حوالہ دیا ہے وہ بعض مفتیانِ کرام کی رائے ہے، ان کے دلائل پر ہمیں اطمینان نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ۸/۶۵، آپ کے مسائل اور ان کا حل ۷/۳۴۵، ایضاح النوادر ۱/۱۰۱، فتاویٰ محمودیہ ۲۴/۳۴۷ میرٹھ، فتاویٰ عثمانی ۳/۱۲۸-۱۲۹-۲۶۷-۲۶۸)

ويتصدق بلا نية الثواب وينوي به براءة الذمة. (قواعد الفقه ۱۱۵)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي،

كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٣٨٥/٦ دار الفكر بيروت، ٥٥٣/٩ زکریا، الفتاویٰ الهندية ٣٤٩/٥، فتاویٰ محمودیه ٢٠٣/٤ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/۷/۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سودی آمدنی لڑکیوں کے کالج میں صرف کرنا؟

سوال (۱۶۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک کاروباری شخص ہے، جس کے پاس کاروباری آمدنی کے علاوہ ایک کثیر رقم سود کے مد سے بھی آتی ہے، زید کوئی سودی کاروبار نہیں کرتا ہے؛ بلکہ سیونگ اکاؤنٹس میں پیسہ رکھتا ہے، یا انکم ٹیکس بچانے کے لئے دوسری مد میں بھی پیسہ لگاتا ہے، جس سے سود کا یہ پیسہ آتا ہے۔

استفتاء کے ذریعہ پتہ چلا کہ سود کی رقم کو نہ چھوڑا جائے بلکہ اسے اپنے قبضہ میں کرکے کسی ضرورت مند کو بغیر ثواب کی نیت کے دیدیا جائے؟

کلکتہ میں ایک ادارہ ہے، جس کے ماتحت لڑکیوں کے ایک کالج کی نگہداشت ہے، اس کالج میں غریب اور امیر بھی لڑکیاں پڑھتی ہیں، یہ ادارہ مالی بحران کا شکار رہے، تو کیا ایسے ادارہ میں سود کی رقم دی جاسکتی ہے؟ اور کیا مدرسہ کے مدرسین کی تنخواہ اس رقم سے دی جاسکتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود کی آمدنی کو لڑکیوں کے مذکورہ کالج کی ضروریات میں صرف کرنا جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر کوئی لڑکی واقعی نادار اور نہایت غریب ہو، تو اس کی ذاتی طور پر مدد کی جاسکتی ہے، اسی طرح مدرسے کے مدرسین کی تنخواہوں میں سود کی رقم دینے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔

لا يصرف إلى بناء نحو مسجد كبناء القناطير والسقايات – إلى قوله – والحيلة أن يتصرف على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء. (شامي ٢٩٣/٣ زکریا،

مجمع الأنهر ٣٢٨/١، حاشية الطحطاوي ٥٩٣)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٣٨٥/٦ دار الفكر بيروت، ٥٥٣/٩ زكريا، الفتاویٰ الهندية ٣٤٩/٥، فتاویٰ محمودیه ٢٠٣/٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۲۳/۱۱/۱۴۳۴ھ

انٹرسٹ کی رقم سے مدرسہ کا قرض ادا کرنا؟

سوال (۱۶۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سرائے ترین ضلع سنبھل میں ایک مدرسہ ہے، بہت عرصہ قبل مدرسہ کی تعمیر کے وقت مدرسہ کے قریب ہی کی ایک زمین مدرسہ نے ۷۰/ ہزار روپیہ کے عوض خریدی، جس میں ۲۰/ ہزار روپئے مالک کو دیدئے، اور ۵۰/ ہزار روپئے کا وعدہ کرلیا، پھر چند ماہ بعد ۵۰/ ہزار روپئے کا نظم ہوگیا، اور اہل مدرسہ نے بائع کو بلایا؛ لیکن وہ نہیں آیا، اس طرح وہ بائع کا قرض بذمہ مدرسہ باقی رہا ہے، پھر چند سالوں بعد اُس کی وفات ہوگئی، اب اُس کے بھائی نے اہلِ مدرسہ سے مطالبہ کیا، اور کہا کہ جگہ کی قیمت موجودہ ریٹ کے اعتبار سے دو، اِس پر میٹنگ ہوئی، تو اہلِ مدرسہ ۵۰/ ہزار کے بجائے ۹۰/ ہزار روپئے دینے پر رضامند ہوگئے، اس مدرسہ کے پاس کچھ رقم بینک میں انٹرسٹ کی موجود ہے، تو کیا اس سودی رقم کو اس قرض میں دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس سودی رقم کو کہاں استعمال کیا جائے؟ یا مدرسہ کے لئے ہی اس کے استعمال کا کوئی اور طریقہ ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اصل حکم تو یہی ہے کہ جو زمین آپسی رضامندی سے ۷۰/ ہزار روپئے میں خردی گئی ہے، جس میں ۲۰/ ہزار روپئے مالک کو ادا کردئے

گئے، اور ۵۰ ہزار روپئے بعد میں دینے کا وعدہ ہوا، جس کو بائع وصول نہ کرسکا اور اُس کا انتقال ہوگیا، تو اب بائع کے وارثین ۵۰/ہزار روپئے سے زیادہ مطالبہ کرنے کا حق نہیں رکھتے؛ کیوں کہ یہ بیع تام ہوچکی ہے، اور اصل مالک دنیا سے رخصت ہو چکا ہے؛ لہٰذا پہلا معاملہ باقی نہ رکھتے ہوئے مسئولہ صورت میں وارثین کے لئے مزید ۴۰/ہزار روپئے لینا حلال نہیں۔ حاصل کرنے کی کوئی شکل نہ ہوتو مدرسہ کی مصلحت کا خیال رکھتے ہوئے اگر ذمہ داران پرانے معاملہ کو فسخ کر کے از سر نو کسی قیمت پر فریقین کی رضامندی سے مذکورہ زمین کی خریداری اور قبضہ کا معاملہ کریں، تو اس کی گنجائش ہوگی۔ اور اس میں پہلے معاملے سے زیادہ قیمت بھی مقرر کی جاسکتی ہے؛ تاہم کسی بھی حال میں اس رقم کی ادائیگی بینک سے ملنے والے سود سے کرنا جائز نہ ہوگا؛ بلکہ اس سود کا مصرف یہ ہے کہ یا تو اُسے کسی غیر واجبی ٹیکس میں لگا کر حکومت کو لوٹا دیا جائے یا پھر غریب مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں پر خرچ کردیا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۳۸۲/۱۶ ڈابھیل، ایضاح النوادر ۶۰/۱)

البيع ينعقد بالإيجاب والقبول …… وإذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع. (الهداية ۱۸/۳-۲۰)

الديون تقضى بأمثالها. (شامي ۸٤۸/۳ كراچی)

رجل استقرض من آخر مبلغا من الدراهم وتصرف بها، ثم غلا سعرها فهل عليه ردها مثلها؟ الجواب: نعم! ولا ينظر إلىٰ غلاء الدراهم ورخصها. (تنقيح الفتاویٰ الحامدية ۲۹٤/۱)

سألت عن رجل أقرض آخر مقدارًا من الريال المجيدي وقت رواجهٖ بثلاثين قرشًا، ثم رد المستقرض لهٗ مثل المقدار الذي استقرضهٗ من بعد أن نزل إلىٰ عشرين قرشًا فامتنع المقرض من قبوله وطلب منه صرفها على سعر ثلاثين قرشًا، فهل ليس له ذٰلک؟ فالجواب أنه ليس له الامتناع من قبول مثل ما دفع …… وفي نتيجة الفتاویٰ ما نصه والمقبوض على وجه القرض مضمون بمثلهٖ، وفيها نقلا عن

جامع الفصولين، والواجب في القرض رد المثل. (الفتاویٰ الكاملية ٢٩، بدائع الصنائع ٢٣٧/٧)

ولكل واحد من المتعاقدين فسخهُ رفعاً للفساد، وهٰذا قبل القبض ظاهر؛ لأنه لم يفد حكمه فيكون الفسخ امتناعاً منه. (الهداية ٦٤/٣)

والأصل أن الإقالة فسخ في حق المتعاقدين بيع جديد في حق غيرهما ...... وعندهما في شرط الزيادة يكون بيعًا؛ لأن الأصل هو البيع عند أبي يوسف رحمه اللّٰه، وعند محمد رحمه اللّٰه جعله بيعًا ممكن، فإذا زاد كان قاصدًا بهٰذا البيع الخ ......، الإقالة قبل القبض في المنقول وغيرهِ فسخ عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما اللّٰه، وكذا عند أبي يوسف رحمه اللّٰه في المنقول لتعذر البيع، وفي العقار يكون بيعًا عنده لإمكان البيع؛ فإن بيع العقار قبل القبض جائز عنده. (الهداية ٦٩/٣-٧٠)

ولو باعهُ من غير المشتري لايجوز اتفاقاً؛ لأنه بيع في حق الغير، لو كان غير المنقول جاز بيعه من غير المشتري في قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما اللّٰه الخ. (فتح القدير ٤٥٢/٦ أشرفية)

وحكمها أنها فسخ في حق المتعاقدين فيما هو من موجبات أي أحكام العقد، أما لو وجب بشرط زائد كانت بيعًا جديدًا في حقهما أيضًا ......، والرابع جاز للبائع بيع المبيع منه ثانيًا بعدها قبل قبضهِ، ولوكان بيعًا في حقهما لبطل كبيعه من غير المشتري (درمختار) أي كما لو باعه البائع المذكور من غير المشتري قبل قبضه من المشتري فيفسد البيع لكون الإقالة بيعًا جديدًا في حق ثالثٍ، فصار بائعًا ما شراه قبل قبضه، بخلاف ما إذا باعه من المشتري لما علمت أما في العقارى فهي بيع مطلقًا بجواز بيعه قبل قبضه. (الدر المختار مع الشامي ٣٣٧/٧-٣٤١ زكريا)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يردّه إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس

له حيلة إلاّ أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة ۳۵۹/۱ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه، ۱٤۸/۱ مصري، شامي ۳۸۵/۱ کراچی، ۱/۷ ۳۰ زکریا، الفتاویٰ الهندية ۳٤۹/۵)

وليكن هٰذا هو الحجة لما أفتى به بعض أكابرنا أن للمسلم أن يأخذ الربا أصحاب البنک أهل الحرب في دارهم ثم يتصدق به على الفقراء ولا يصرفه إلى حوائج نفسه. (إعلاء السنن / باب الربا ۳۵۹/۱٤ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۶/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سودی کاروبار والے کا خانقاہ میں چندہ دینا؟

سوال (۱۷۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک خانقاہ میں زیادہ تر وہ لوگ چندہ دیتے ہیں، جن کا پچاس فیصد کاروبار سود کا ہے، اور موٹی رقوم دیتے ہیں، اور ہمارے علم میں یتیموں کا مال بھی بصورتِ چندہ اس خانقاہ میں جمع ہوتا ہے، تو اب ایسی خانقاہ سے پیر صاحب کا کھانا کھانا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: جس شخص کی آمدنی اکثر حرام ہو، اس کا استعمال کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم ۷۲/۲ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي ۲۲۹/۱ رقم: ۱۲۰٦، مشكاة المصابيح، البيوع / باب الربا ۲٤٤، مرقاة المفاتيح ٤۳/٦ رقم: ۲۸۰۷ دار الكتب العلمية بيروت)

عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: جاء إليه رجل، فقال: إن لي جارًا يأكل الربا، وإنه لا يزال يدعوني، فقال: مهنأه لک وإثمه عليه. قال سفيان: فإن عرفته

بعينه فلا تصبه. (المصنف لعبد الرزاق / باب طعام الأمراء وأكل الربا ۸/ ۱۵۰ رقم: ۱٤٦٧٥)

عن سلمان الفارسي رضي اللّٰه عنه قال: إذا كان لک صديق عامل أو جار عامل أو ذو قرابة عامل، فأهدىٰ لک هدية أو دعاک إلى طعامٍ فأقبله، فإن مهنأه لک وإثمه عليه. (المصنف لعبد الرزاق / باب طعام الأمراء وأكل الربا ۸/ ۱۵۰ رقم: ۱٤٦۷۷)

رجل أهدىٰ إلى إنسان أو أضافه، إن كان غالب ماله من حرام، لا ينبغي أن يقبل ويأكل من طعامه ما لم يخبر أن ذٰلک المال حلال استقرضه أوورثه، وإن كان غالب ماله من حلال فلا بأس بأن يقبل الهدية، ويأكل ما لم يتبين له أن ذٰلک من الحرام. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الكراهية / الفصل السابع عشر في الهدايا والضيافات ۱۷/ ۱۷۵ رقم: ۲۸٤۰۵ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۵/ ۳/ ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جہاں سودی کاروبار ہو وہاں مدرسہ کے لئے چندہ کیسے کریں؟

سوال (۱۷۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے دیار میں سودی رواج عام ہوگیا ہے، ہزاروں میں دس گھر باقی ہیں، اب میں مدرسہ کیسے چلاؤں گا؟ کیا سود کے مال سے چندہ لینا جائز ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس مال کے بارے میں یقین ہو کہ یہ سود کا ہے اس کو چندہ میں لینا جائز نہیں، حلال ذرائع سے چندہ وصول کرنا چاہئے۔

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم ۲/ ۷۲ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي ۱/ ۲۲۹ رقم: ۱۲۰٦، مشكاة المصابيح، البيوع / باب الربا ۲٤٤، مرقاة المفاتيح

٤٣/٦ رقم: ٢٨٠٧ دار الكتب العلمية بيروت)

عن سلمان الفارسي رضي الله عنه قال: إذا كان لک صديق عامل أو جار عامل أو ذو قرابة عامل، فأهدیٰ لک هدية أو دعاک إلى طعامٍ فأقبله، فإن مهنأه لک وإثمه عليه. (المصنف لعبد الرزاق / باب طعام الأمراء وأكل الربا ١٥٠/٨ رقم: ١٤٦٧٧)

رجل أهدیٰ إلى إنسان أو أضافه، إن كان غالب ماله من حرام، لا ينبغي أن يقبل ويأكل من طعامه ما لم يخبر أن ذٰلک المال حلال استقرضه أوورثه، وإن كان غالب ماله من حلال فلا بأس بأن يقبل الهدية، ويأكل ما لم يتبين له أن ذٰلک من الحرام. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الكراهية / الفصل السابع عشر في الهدايا والضيافات ١٧٥/١٧ رقم: ٢٨٤٠٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳/۵/ ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سودی پیسے سے رشوت دینا؟

سوال (۱۷۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بیمہ سے یا جمع کردہ رقم کے سود سے رشوت دینا جائز ہے یا نہیں؟ لائف انشورنش کمپنی بڑی بڑی فیکٹریوں کو لون پر پیسہ دیتی ہے، اور بعد میں اُنہیں کو پروفٹ کے نام سے ڈپوزٹ دیتی ہے، اور حکومت نے اس ڈپوزٹ کا نام سود نہ رکھ کر مسلم قوم کی وجہ سے پروفٹ بھی رکھ دیا ہے۔ آیا ایسے پیسے کو اپنے ذاتی استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسی طرح اس کو رشوت کی مد میں بھی نہیں لگا سکتے، اسے انکم ٹیکس میں خرچ کردیں، ورنہ فقراء میں تقسیم کردیں۔ (بذل المجہود ۱/۴۷ مصری، ۳۵۹/۱ تحت رقم: ۵۹ جدید)

إن سبيل التوبة مما بيده من الأموال الحرام إن كانت من ربا، فليردها على

من أربى عليه، ويطلبه إن لم يكن حاضرًا، فإن أيس من وجوده فليتصدق بذٰلک عنه. (الجامع لأحكام القرآن الكريم للقرطبي ٢٤٨/٣، سورة البقرة: ٣٧٩ دار إحياء التراث العربي بيروت)

إن من شرط التوبة: أن ترد الظلامة إلى أصحابها، فإن كان ذٰلک في المال، وجب أدائه عينًا أو دينًا ما دام مقدورًا عليه، فإن كان صاحبه قد مات دفع إلى ورثته، وإن لم يكن فإلى الحاكم، وإلا تصدق به على الفقراء والمساكين.

(القواعد للزركشي ٢٤٥/٢ بيروت)

ويردونها على أربابها إن عرفوهم وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٣٦٥/٦ كراچی، ٥٥٣/٩ زكريا)

سئلت في من يملک نصابًا من حرام، هل تجب عليه الزكاة؟ الجواب: لا تجب عليه الزكاة؛ بل يلزمه التصدق بجميعه على الفقراء لا بينة الثواب، إن لم يكن صاحب المال موجودًا. (الفتاویٰ الكاملية ١٥، الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب الخامس عشر في الكسب ٣٤٩/٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۲/۱۱/۶ھ

سودی رقم کو رفاہی اُمور میں استعمال کرنا؟

سوال (۱۷۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے پاس سود بیاج کی کافی رقمیں ہیں، یہ چاہتے ہیں کہ کسی استعمال میں یہ رقمیں لگ جائیں، تو لوگوں کے بتانے پر زید اپنی رقم سے بیت الخلاء بنوانا چاہتے ہیں؛ لیکن عمر اشکال پیدا کردیتا ہے کہ سود کی رقم سے زیادہ بہتر ہے کہ رفاہِ عام بیت الخلاء بنوادیا جائے، تو اچھا ہے؛ لیکن زید کہتا ہے کہ نہیں، میں اس رقم سے کسی مرکزی مدرسہ میں بیت الخلاء بنوانا چاہتا ہوں، تو آیا کہ

مدرسہ کا بیت الخلاء بنوانا زیادہ بہتر ہے یا رفاہِ عام بیت الخلاء زیادہ بہتر ہے، اگر اس مسئلہ میں کوئی اختلاف ہوتو دور فرما کر ظاہر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقہی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ حرام رقم رفاہی امور میں استعمال نہیں کی جاسکتی؛ بلکہ اس کا یا تو اصل مالک کو لوٹانا، ورنہ صدقہ کرنا لازم ہوتا ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں بینک سے حاصل شدہ سودی رقم غریبوں پر صدقہ کردی جائے، اسے مدرسہ یا عوامی بیت الخلاء کی تعمیر میں نہ لگایا جائے۔

ویردونها علی أربابها إن عرفوهم وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه. (شامي، کتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البیع ۶/۳۶۵ کراچی، ۹/۵۵۳ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۲/۹/۱۴۱۷ھ

انکم ٹیکس بچانے کے لئے NSC خریدنا اور اس پر ملنے والے سود کو واجبی ٹیکس میں لگانا یا صدقہ کرنا؟

سوال (۱۷۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: انکم ٹیکس میں سود کی رقم ادا کرنے سے متعلق حکومت کی جانب سے ملازمین کی سالانہ آمدنے سے انکم ٹیکس کے نام سے جو رقم وصول کی جاتی ہے، کچھ رعایت بھی دیتی ہے، مثلاً حکومت کی طرف سے 100,000 تک بچانے تک جمع کرنے کی رعایت ہے، جس کی مختلف شکلیں ہیں، ان ہی میں .L.I.C کی پریمیم کی رقم .N.S.C (نیشنل سیونگ سرٹیفکٹ) خریدی گئی. N.S.C پر ملنے والی سود کی رقم بھی شامل ہے، اس طرح کل ایک لاکھ روپیہ تک جمع کرکے آمدنی سالانہ سے انہیں گھٹا کر بقیہ رقم پر انکم ٹیکس کا حساب کرنا ہے، اب سوال یہ ہے کہ:

(۱) ایل آئی سی کی پریمیم والی رقم (.N.S.C) خریدی گئی رقم اور .N.S.C پر سالانہ ملنے والی سود کی رقم کا ملازمین کا اپنے سالانہ آمدنی میں جوڑ گھٹاؤ جمع وتفریق کر کے انکم ٹیکس میں فائدہ حاصل کرنا کیا شرعاً درست ہوگا یا نہیں؟

(۲) این ایس سی جو خریدی گئی تھی، مدت پوری ہونے کے بعد اب وہ مع سود کے رقم واپس ہوئی ہے، کیا اس کے سود والی رقم کو انکم ٹیکس کی مد میں پیش کی جا سکتی ہے؟

(۳) اگر یہ سارے اقدام خوانخواستہ غلط ہیں، تو خدا واسطے اس کی صورت سے بھی آگاہ فرمائیں کہ اب ان سے برأت کی کیا صورت ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انکم ٹیکس کو بچانے کے لئے اگر سیونٹ سرٹیفکٹ وغیرہ خریدا جائے اور سرٹیفکٹ پر ملنے والی زائد رقم اپنے استعمال میں ہرگز نہ لائی جائے، بلکہ زائد رقم سے مزید واجب ٹیکس کی ادائے گی کا انتظام کیا جائے، یا اسے بلا نیت ثواب صدقہ کر دیا جائے، تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۹۹)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ۳٦٥/٦ كراچى، ۵۵۳/۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴/۳/۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بلا نیت ثواب فقراء پر سود کا پیسہ صدقہ کرنے کی نیت سے بینک میں رقم جمع کر کے سود لینا؟

سوال (۱۷۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی اس نیت سے بینک میں روپیہ جمع کرتا ہے کہ آنے والا سود کا پیسہ بلا نیت ثواب فقراء میں تقسیم کر دوں گا؛ تا کہ فقراء کو فائدہ پہنچے، تو کیا اس نیت سے پیسہ جمع کرنا درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض اس نیت سے سودی بینک میں روپئے جمع کرنا کہ آنے والا سود فقراء کو تقسیم کریں گے، ہرگز جائز اور درست نہیں ہے۔ اگر فقراء کے ساتھ خیر خواہی کا ارادہ اور خواہش ہو تو اپنی حلال اور پاکیزہ کمائی کے ذریعہ فقراء کی امداد کریں، فقراء کو بہانہ بنا کر سود حاصل کرنا ہرگز درست نہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/۱۵)

ہاں اگر کسی وجہ سے بینک میں روپیہ جمع کرنا پڑے تو پھر اس کا سود اپنے استعمال میں نہ لائے؛ بلکہ فقراء پر خرچ کردے۔

مستفاد: وهو حرام مطلقًا على الورثة أي سواء علموا أربابه أو لا؛ فإن علموا أربابه ردوه عليهم وإلا تصدقوا به. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ۹/٥٥٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۶/۴/۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سودی رقم پر قبضہ کرنے سے پہلے صدقہ کرنا؟

سوال (۱۷۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رقم بینک میں حفاظت کے لئے رکھتے ہیں، بعض دفعہ اس رقم کو فکس ڈپازٹ بھی کردیتے ہیں، جو رقم بڑھ کر ڈبل ہوجاتی ہے، ایسی صورت میں سودی رقم اصل رقم کے نکالنے سے پہلے ادا کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تک بینک میں جمع شدہ سودی رقم الگ کرنے کے بعد کھاتے دار کے قبضہ اور تصرف میں نہ آجائے، اس وقت تک اس سودی رقم کا تصدق واجب نہیں؛ لہٰذا واجب سے پہلے اس کی طرف سے دوسری رقم بدل کر خرچ کردینے سے بعد میں واجب

ہونے والے تصدق کی تلافی ہرگز نہیں ہوسکتی؛ اس لئے جب بھی سودی رقم ملے گی اس کو بلانیت ثواب فقراء پر صرف کرنا لازم ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۵۹)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يردّه إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلَّا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ۳۵۹/۱ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه، ۱۴۸/۱ مصري، إعلاء السنن ۳۵۹/۱٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۱/۱۱/۲۷ھ

’’NSC سیونگ اکاؤنٹ‘‘ اور ’’اندراوکاس پتر‘‘ کے ذریعہ ملنے والی زائد رقم کا حکم؟

سوال (۱۷۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سرکاری ملازمت میں انکم ٹیکس کو بچانے کے لئے فنڈ کٹوانے کے بعد NSC نیشنل سیونگ سرٹیفکٹ خریدنے جاتے ہیں، جو ۶ ؍سال بعد دوگنے ہوجاتے ہیں، تو کیا یہ بڑھی ہوئی رقم جو سود یا فائدہ کی شکل میں ملتی ہے، کیا بچوں کی پرورش یا پڑھائی لکھائی میں استعمال کی جاسکتی ہے، یا اس کو الگ نکال کر کسی کی امداد وغیرہ میں خرچ کرنا ہوگا، پوسٹ آفس کے ذریعہ RDS کی بھی اسکیم ایسی ہی ہوتی ہے؟

بینک میں جو سیونگ اکاؤنٹ کھولے جاتے ہیں اس میں سالانہ بیاج ۳-۴ فیصد ملتا ہے، اور کتاب میں درج ہوتا رہتا ہے، کیا اس کو بھی گاہے بگاہے نکال کر الگ کرنا ہوگا، اور کس مد میں خرچ کیا جائے؟

کسان یا اندراوکاس پتر IDBI یا ICICI کے بانڈ میں بھی تین سال بعد سود ملتا ہے، اسی طرح سے آج کی بڑھتی ہوئی مہنگائی اور روپیہ کی گرتی ہوئی قیمت اور بچوں کی پڑھائی اور پرورش

میں آج کل جو بھاری رقم شادی بیاہ کے لئے سرکاری ملازم اس طرح بچت نہ کرے تو کیا کرے، اور اسلام کی رو سے کہیں شرعی رکاوٹ نہ ہو؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نیشنل سیونگ سرٹیفکٹ، سیونگ اکاؤنٹ اور اندرا وکاس پتر وغیرہ کے ذریعہ جو زائد رقم ملتی ہے وہ یقیناً سود ہے، اس کو اپنے ذاتی استعمال یا اپنے بچوں کی پڑھائی اور شادی بیاہ وغیرہ میں خرچ کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، اس سودی رقم کو بینک سے نکال کر بلانیت ثواب غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دینا چاہئے۔

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ۳٦٥/٦ كراچى، ۵۵۳/۹ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۱۱/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سود اور رشوت کس کے لئے جائز ہے؟

سوال (۱۷۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبَا اَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ علماء دین شرعِ متین سے گذارش ہے کہ مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ اور احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں جوازِ سود اور رشوت جو صورت ہو تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت میں سود اور رشوت دونوں حرام ہیں، کوئی آدمی اضطراری صورت کو پہنچ جائے تو اپنا خاص معاملہ کسی معتبر مفتی کے سامنے پیش کر کے اُس کی ہدایت پر عمل کرے، ورنہ قرآن وحدیث میں کہیں بھی سودی لین دین اور رشوت کی اجازت صراحۃً نہیں

دی گئی ہے۔

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم آکل الربوا ومؤکله وکاتبه وشاهدیه، وقال: هم سواء. (صحیح مسلم ۷۲/۲ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي ۲۲۹/۱ رقم: ۱۲۰٦، مشکاة المصابیح، البیوع / باب الربا ۲٤٤، مرقاة المفاتیح ٤۳/٦ رقم: ۲۸۰۷ دار الکتب العلمیة بیروت)

عن أبي هریرة رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الراشي والمرتشي في الحکم. (سنن الترمذي، أبواب الأحکام / باب ما جاء في الراشي والمرتشي في الحکم ۲٤۸/۱)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: الراشي والمرتشي في النار. (تلخیص الحبیر، کتاب القضاء / باب أدب القضاء ۲ رقم: ۲۰۹۳)

ثم الرشوة أربعة أقسام ......، الرابع: ما یدفع لدفع الخوف من المدفوع إلیه علی نفسه، أو ماله، حلال للدافع حرام علی الآخذ؛ لأن دفع الضرر عن المسلم واجب، ولا یجوز أخذ المال لیفعل الواجب. (شامي، کتاب القضاء / مطلب في الکلام علی الرشوة والهدیة ۳٤/۸-۳۵ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۵/۸/۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کے کھاتے سے ملنے والی سودی رقم کہاں خرچ کریں؟

سوال (۱۷۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دینی مدرسہ کے بینک کھاتے سے ملنے والی سود کی رقم کس مصرف میں خرچ کی جائے؟ اس رقم کو مدرسہ کے بیت الخلاء، غسل خانے، پیشاب خانے یا عام راستے کی نالی جس میں مدرسہ کا بھی گندا پانی جاتا ہے، خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دینی مدرسہ کے سرکاری بینک کھاتے سے ملنے والی سودی رقم یا تو غیر واجبی ٹیکس مثلاً ہاؤس ٹیکس یا زمین خریداری کے اسٹامپ پیپر میں لگائی جائے، یا پھر غریبوں کو بلانیت ثواب بانٹ دی جائے۔ اِس رقم کو مدرسہ کے بیت الخلاء یا عام راستے کی نالی وغیرہ میں لگانا جائز نہیں ہے۔

الواجب في الكسب الخبيث تفريغ الذمة والتخلص منه برده إلى أربابه إن علموا وإلا إلى الفقراء. (الموسوعة الفقهية ٣٤/٢٤٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۵/۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جوئے کے مسائل

لاٹری کھولنا؟

سوال (۱۸۰): -کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل سرکاری لوگ شہر وقصبہ میں جگہ جگہ لاٹری دے رہے ہیں، جس میں اگر نام آ گیا تو روپئے ملتے ہیں اور اگر نام نہیں آیا تو ٹکٹ کے روپئے اپنے پاس رکھتے ہیں، اس طرح سے لاٹری کھولنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور لاٹری کے نمبر بتانا کیسا ہے؟ اگر لاٹری کھولنا جائز نہیں ہے تو لاٹری کھولنے والا اور نمبر بتانے والا دونوں گناہ میں برابر کے شریک ہوں گے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لاٹری کا معاملہ سراسر جوا وقمار ہے، اس میں کسی طرح کا بھی حصہ لینا ہرگز جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲۴/۴۸۸ میرٹھ)

ارشاد خداوندی ہے:

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدۃ، جزء آیت: ۲]

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يَسْاَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ﴾ [البقرۃ، جزء آیت: ۲۱۹]

وقال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [المائدۃ: ۹۰]

قوله تعالىٰ: ﴿اَلْمَيْسِرُ﴾ قمار العرب بالأزلام، قال ابن عباس: كان الرجل في الجاهلية يخاطر الرجل على أهله وماله، فأيهما قمر صاحبه ذهب

بـمـالـه وأهـلـه فـنـزلـت الآية. وقـال مـجاهد ومحمد بن سيرين والحسن وابن المسيب وطاؤس وعلي بن أبي طالب وابن عباس: كل شيء فيه قمار من نرد وشطرنج فهو الميسر. (الجامع لأحكام القرآن الكريم للقرطبي ٢/ ٥٠ المكتبة التجارية)

عن ابن عباس رضي الله عنهما: الميسر هو القمار كانوا يتقامرون في الجاهلية إلى مجيء الإسلام، فنهاهم عن هذه الأخلاق القبيحة ...... وقال الزهري: عن الأعرج قال: ﴿الْمَيْسِرُ﴾ الضرب بالقداح على الأموال والثمار. (تفسير ابن كثير مكمل ٤٤٦ دار السلام رياض) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۱/۱۲/۱۴۱۳ھ

لاٹری ڈالنا کیسا ہے؟

سوال (۱۸۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں نے بیس مہینہ کی لاٹری ڈالی تھی جس کی قسط تین سو روپیہ مہینہ تھی، اس حساب سے ۲۰/مہینہ کے ۶/ہزار روپیہ ہوتے ہیں، میں نے جس کے پاس لاٹری ڈالی تھی اس سے میں نے طے کیا تھا کہ ۷/ہزار روپیہ لوں گا، وہ راضی ہوگیا، لاٹری پوری ہوگئی ہے، میں نے اس سے ۷/ہزار روپیہ لے لیا ہے، تو وہ ایک ہزار روپیہ جو زائد ملا ہے، وہ استعمال کرسکتا ہوں یا نہیں، کچھ دن کے بعد پھر وہ ایک ہزار روپیہ نکال کر کسی غریب کو دے دوں گا، اس کی تفصیل لکھیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لاٹری وغیرہ ڈالنا شرعی طور پر ناجائز اور حرام ہے، اس سے جو رقم اصل رقم کے علاوہ ملے، اس کو بلانیت ثواب فقراء پر صدقہ کردینا لازم ہے، اپنے ذاتی کام میں استعمال کرنا ناجائز وحرام ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۲/ ۳۵۸)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدۃ، جزء آیت: ۲]

قـال الـلّٰـه تـعالىٰ: ﴿يَسْاَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ﴾

[البقرة، جزء آيت: ٢١٩]

وقـال الـلّٰـه تـعـالىٰ: ﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [المائدة: ٩٠]

قـولـه تـعـالىٰ: ﴿اَلْـمَيْسِـرُ﴾ قـمار العرب بالأزلام، قال ابن عباس: كان الـرجـل فـي الـجـاهـلية يخاطر الرجل على أهله وماله، فأيهما قمر صاحبه ذهب بـمـالـه وأهـلـه فـنـزلـت الآية. وقـال مـجاهد ومحمد بن سيرين والحسن وابن الـمسيـب وطـاؤس وعـلي بن أبي طالب وابن عباس: كل شيء فيه قمار من نرد وشطرنج فهو الميسر. (الجامع لأحكام القرآن الكريم للقرطبي ٢/ ٥٠ المكتبة التجارية)

عـن ابـن عبـاس رضـي اللّٰه عنهما: الميسر هو القمار كانوا يتقامرون في الـجـاهـلية إلـى مـجـيء الإسـلام، فـنهـاهم عن هٰذه الأخلاق القبيحة ...... وقال الـزهـري: عن الأعرج قال: ﴿اَلْمَيْسِرُ﴾ الضرب بالقداح على الأموال والثمار. (تفسير ابن كثير مكمل ٤٤٦ دار السلام رياض)

وأمـا إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يردّه إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلاَّ أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ١/ ٣٥٩ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه، ١/ ٤٨ ١ مصري) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/۷/۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چندلوگوں کا لاٹری میں ایک لاکھ روپیہ جمع کرکے بولی لگانا

سوال (۱۸۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: سو اشخاص مل کر بطریق لاٹری کے ایک لاکھ روپیہ جمع کرتے ہیں، پھر اس پر بولی لگتی ہے، جو زیادہ گھاٹا اٹھائے اسے ملتی ہے، اس کا نفع سب افراد پر تقسیم ہوجاتا ہے، اسی طرح آخر تک چلتا ہے، اور کم سے کم گھاٹے پر لینے والے کو مل جاتی ہے، اور منافع سب پر تقسیم ہوتا ہے، اس طرح کم جمع کر کے زیادہ لینا اور بعد میں لینا اور زیادہ جمع کر کے کم لینا کہاں تک صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں ذکر کردہ طریقۂ کار سراسر سود پر مبنی ہونے کی وجہ سے قطعاً حرام ہے، اس میں جو دیگر شرکاء کو منافع کے نام پر مل رہا ہے وہ یقیناً سود ہے، یہ منافع کی رقم ان کے لئے حلال نہیں ہے۔

كل قرض جر نفعًا حرام أي إذا كان مشروطًا. (شامي ١٦٦/٥ كراچی، ٣٩٥/٧ زكريا)

كل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف ...... الفضل الشروط في القرض ربا محرم لا يجوز للمسلم من أخيه المسلم أبدًا، لإجماع المجتهدين على حرمته. (إعلاء السنن / رسالة كشف الدجى على حرمة الربوا ٥١٨/١٤ إدارة القرآن كراچی)

الربا هو القرض على أن يؤدي إليه أكثر أو أفضل مما أخذ. (حجة اللّٰه البالغة / الربا سحت باطل ٢٨٢/٢) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۳/۱۲/۲۴ھ

لاٹری ڈالنا

سوال (۱۸۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں نے بولی والی لاٹری ڈال رکھی ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ اس میں کئی ممبر ہیں، وہ مہینہ میں نکالی جاتی ہے، مثلاً ۶۰ ہزار کی لاٹری ہے، ہر ممبر روزانہ اس میں جمع کرتا ہے، وہ ہر مہینہ پر بولی بول کر نکالی جاتی ہے، کوئی اس کو پندرہ ہزار کے کوئی دس ہزار کے گھاٹے سے اٹھاتا ہے، باقی جو

رقم زائد رہ جاتی ہے، ۱۵/ یا ۱۰/ ہزار، اس کو سبھی ممبروں میں بانٹ دیا جاتا ہے، یعنی بولنے والے کو ۳۵/ ہزار روپئے یا ۴۰/ ہزار روپئے یا ۵۰/ ہزار روپئے ملتے ہیں، جتنے کی بھی اس نے بولی لگائی ہے وہ اس کو مل جاتی ہے اور لاٹری اس کے نام کی ہوجاتی ہے، باقی جو رقم بچتی ہے، اسے کیا ہم سبھی ممبروں کو لینا جائز ہے یا نہیں؟ جو حصہ مجھ کو مل رہا ہے فائدہ کے طور پر اس کو میں لے سکتا ہوں یا نہیں؟

دوسری بات یہ ہے کہ اگر ہم اس لاٹری کو ڈالیں اور اس میں ہم کوئی فائدہ نہ لیں نہ گھاٹا تو یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟ اور اس لاٹری کو ہم گھاٹے سے نہ اٹھاکر آخر میں اپنی پوری رقم لے لیں، جو ہم نے روزانہ جمع کی ہے، وہ ہمارے لئے جائز ہوگی یا ناجائز؟ اس میں وہی برکت ہوگی جو حلال مال میں ہوتی ہے، کیا یہ لاٹری ہم کو ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ تیسری بات زائد رقم جو ہمیں مل رہی ہے وہ ہم اپنے خرچ میں نہ کر کے کسی غریب کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں جو صورت لکھی گئی ہے، وہ بلاشبہ جوے اور سٹے کی شکل ہے؛ لہٰذا اس میں رقم ڈالنا، یا اپنی جمع شدہ رقم سے زائد وصول کرنا، یا برابر وصول کرنا، یا وصول کر کے غریبوں کو دے دینا سب ناجائز ہے؛ اس لئے کہ یہ پورا معاملہ از اول تا آخر قمار اور سود پر مشتمل ہے، اس کی شریعت میں قطعاً اجازت نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۲/ ۳۹۱)

وقال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [المائدۃ: ۹۰] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۴/۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اپنی کمائی سے لاٹری ڈالنا اور FD کرانا؟

سوال (۱۸۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اپنی کمائی سے لاٹری ڈالنا، FD کرانا، زیادہ سے زیادہ رقم جائز وناجائز حاصل کرنا، اس

سے بچوں کی تعلیم کرانا اُن کا مزاج ہے، تو شرعاً اِس کی اجازت ہے یا نہیں؟ یا یہ سودی رقم ناجائز ہے؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لاٹری یا FD کی آمدنی اپنے ذاتی استعمال یا بچوں کی تعلیم میں خرچ کرنا قطعاً حرام ہے؛ اس لئے کہ یہ سٹہ اور سود کی رقم ہے اور اپنے بچوں کی تمام ضروریات صرف حلال رقم سے ہی پوری کرنی چاہئے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدة، جزء آیت: ۲]

وقال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [المائدة: ۹۰]

عن عبد اللّٰہ بن عمر رضي اللّٰہ عنهما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: إن اللّٰہ حرّم علی أمتي الخمر والمیسر. (المسند للإمام أحمد بن حنبل ۲/۳۵۱ رقم: ۶۵۱۱ دار إحیاء التراث العربي بیروت)

عن عبد اللّٰہ بن عمرو رضي اللّٰہ عنه أن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم نهی عن الخمر والمیسر والکوبة والغُبیراء، وقال: کل مسکرٍ حرام. (سنن أبي داؤد / باب النهي عن المسکر ۲/۳۲۷ رقم: ۳۶۸۵ إمدادیة ملتان)

عن عبداللّٰہ بن عمرو رضي اللّٰہ عنه أن نبي اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم نهی عن الخمر والمیسر. (سنن أبي داؤد ۲/۵۱۹)

عن جابر بن عبد اللّٰہ رضي اللّٰہ عنه قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم آکل الربوا ومؤکله وکاتبه وشاهدیه، وقال: هم سواء. (صحیح مسلم ۲/۷۲ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي ۱/۲۲۹ رقم: ۱۲۰۶، مشکاة المصابیح، البیوع / باب الربا ۲۴۴، مرقاة المفاتیح ۶/۴۳ رقم: ۲۸۰۷ دار الکتب العلمیة بیروت)

وسمی القمار قماراً؛ لأن کل واحد من المقامرین، من یجوز أن یذهب مالہ إلی صاحبہ، ویجوز أن یستفید مال صاحبہ وھو حرام بالنص. (شامي، کتاب الحظر والإباحة / باب في الاستبراء ۹/۵۷۷ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۵/۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مروجہ لاٹری اور اس کی شکلیں

سوال (۱۸۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: لاٹری جائز ہے یا ناجائز اور اس کی کیا کیا شکلیں ہیں؟ اور کون کون سی جائز ہیں اور کون سی ناجائز؟ مثلاً ہمارے یہاں لاٹری کی ایک شکل یہ ہے کہ دس یا بیس آدمی ہر مہینہ دس دس یا پانچ پانچ ہزار روپیہ جمع کرتے ہیں، اور ان کا جو مکھیا یعنی جس کے یہاں لاٹری ڈالی جاتی ہے، وہ پہلی لاٹری خود لیتا ہے، جس کی وجہ سے وہ تھوڑی رقم کے بدلے بڑی رقم کا مالک بن جاتا ہے، پھر ہر مہینہ باقی لوگوں کے نام پر چی ڈالی جاتی ہے، جس کا نام پہلی مرتبہ آتا ہے، پھر پوری رقم وہ لے لیتا ہے اور باقی لوگوں کو اپنی پرچی کا انتظار کرنا پڑتا ہے، حالاں کہ آدمی ہر مہینہ مذکورہ رقم جمع کراتا ہے، یعنی جن کا نام آچکا وہ بھی، پھر بعض لوگ وقت پر پیسے جمع نہ کرانے پر پینالٹی کی قید بھی لگاتے ہیں، کئی مہینہ گذرنے کے بعد بھی اگر کسی کا نام نہیں آیا اور اس کو شدید ضرورت بھی پیش آگئی تو بھی نام نہ آنے سے پہلے اس کی رقم نہیں دی جائے گی یعنی جمع شدہ رقم بھی، تقریباً یہی مسئلہ کتاب: ”اللہ سے شرم کیجئے ۱۲۶“ پر ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مروجہ لاٹری جس میں پرچی خریدی جاتی ہے، اور نمبر نکلنے پر بڑا انعام ملتا ہے، یہ یقیناً جوا اور سٹہ ہے جو قطعاً حرام ہے، نیز آپ نے سوال میں کمیٹی والی لاٹری کی جو شکل لکھی ہے وہ بھی شبہ سے خالی نہیں ہے؛ اس لئے کہ:

الف:- اس میں پہلی لاٹری جو منتظم کے لیے خاص کر دی گئی جس پر دیگر شرکاء کا دل سے

راضی ہونا ضروری نہیں ہے۔

ب:- کسی شریک کی طرف سے وقت پر پیسہ جمع نہ کرنے پر پینالٹی کی شرط لکھی ہے، جو بجائے خود مفسد ہے۔

ج:- جس کے نام پر قرعہ کھلتا ہے گویا وہ بقیہ شرکاء سے قرض لیتا ہے، اور اتنی بڑی رقم میں قرض کے استحقاق کے لئے قرعہ ڈالنا شبہ قمار پیدا کرتا ہے، ان مفاسد کے علاوہ ایسی کمیٹیوں میں اس بات کا حقیقی خطرہ موجود رہتا ہے کہ جس کے نام قرعہ نکل جائے اور وہ بعد میں اپنی قسط جمع نہ کرے، تو اس سے وصولی کی کیا شکل ہوگی؟ عموماً یہ بات نزاع اور فساد کا ذریعہ بن جاتی ہے، اس لئے ایسی کمیٹیوں میں حصہ لے کر رقم کا حصول یقیناً مشتبہ ہے، جس سے احتراز لازم ہے۔

وقال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [المائدة: ٩٠]

عن عبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن اللّٰه حرم على أمتي الخمر والميسر. (المسند للإمام أحمد ٢/ ٣٥١)

عن عبد اللّٰه بن عمرو رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم نهى عن الخمر والميسر والكوبة والغُبيراء، وقال: كل مسكرٍ حرام. (سنن أبي داؤد / باب النهي عن المسكر ٢/ ٣٢٧ رقم: ٣٦٨٥ إمدادية ملتان)

ولو شرط فيها من الجانبين؛ لأنه يصير قمارًا. (الدر المختار) قوله: لأنه يصير قمارًا: لأن القمار من القمر الذي يزداد تارةً وينقص أخرىٰ. وسمي القمار قمارًا؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه، وهو حرام بالنص. (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة / فصل في البيع ٦/ ٤٠٣ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۱۱/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

لاٹری کی رقم سے خرید ے گئے برتن؟

سوال (۱۸٦): -کیا فرماتے ہیں علماءدین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک صاحب کچھ دنوں پہلے لاٹری کھیلتے تھے، اب اُنہوں نے ماشاء اللہ لاٹری کھیلنا بندکر دیا ہے، اورتوبہ بھی کرلی ہے، اوروہ لاٹری کے روپیوں سے کچھ دن پہلے کچھ برتن وغیرہ خرید کرلائے تھے، تو اب ان برتنوں کا استعمال ہونا چاہئے یا کسی غریب کودے دیئے جائیں یاخوداستعمال کرلئے جائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جوے کی رقم سے جو برتن خریدے گئے ہیں، وہ غریبوں کوصدقہ کردیئے جائیں۔

إن سبيـل التوبة مما بيده من الأموال الحرام إن كانت من ربا، فليردها على مـن أربـى عـليه، ويطلبه إن لم يكن حاضرًا، فإن أيس من وجوده فليتصدق بذٰلک عنه. (الجامع لأحكام القرآن الكريم للقرطبي ۲٤٨/۳، سورة البقرة: ۳۷۹ دار إحياء التراث العربي بيروت)

إن مـن شـرط التـوبة: أن تـردّ الـظلامة إلى أصحابها، فإن كان ذٰلک في المال، وجب أدائه عينًا أو دينًا ما دام مقدورًا عليه. (القواعد للزركشي ۲٤٥/۲ بيروت)

ويـردّونهـا على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ۳٦٥/٦ كراچی، ۵۵۳/۹ زكريا)

لأن سبيـل الـكسـب الـخبيـث التـصـدق إذا تـعذر الرد على صاحبه. (شـامـي، كتـاب الـحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ۳٦٥/٦ كراچی، ۵۵۳/۹ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۱۱/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چورن میں پرچی کھولنا؟

سوال (۱۸۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ۵۰/ پیسے کا چورن بکتا ہے، اس چورن کے اندر انعام بھی نکلتا ہے، اور کبھی نہیں بھی نکلتا ہے، تو اس کا فروخت کرنا کیسا ہے؟ ایک چورن جس کی قیمت ۲۵/ پیسے ہے اور ۵۰/ پیسے میں فروخت ہوتا ہے، اس میں انعام نکلتا ہے، اور نہیں بھی نکلتا ہے، اس کا فروخت کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: صورتِ مسئولہ میں اگر بائع ومشتری کا مقصود چورن کی خرید وفروخت ہے، انعام پیشِ نظر نہیں ہے، تو "الأمور بمقاصدها" کے تحت یہ معاملہ شرعاً جائز ہوگا۔ اور اگر خرید وفروخت سے انعام ہی مقصود ہو، تو یہ معاملہ جوا اور سٹے کے دائرہ میں داخل ہوکر ناجائز ہوگا، بہرحال یہ معاملہ شبہ سے خالی نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۲/ ۳۵۸)

القمار من القمر الذي يزداد تارةً وينقص أخرىٰ، وسمى القمار قمارًا؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه، وهو حرام بالنص. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / فصل في البيع ۹/ ۵۷۷ زكريا)

وكل لهو؛ لأنه إن قامر بها، فالميسر حرام بالنص، وهو اسم لكل قمار، وإن لم يقامر بها فهو عبث ولهوٌ. (الهداية، الكراهية / مسائل متفرقة ۷/ ۲٤۲ مكتبة البشرىٰ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۶/۸/۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

وی سی کھیل میں شرکت کرنا؟

سوال (۱۸۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے علاقہ کانکی نارہ میں ایک کھیل وی سی کے نام سے لوگ کھیلتے ہیں، اور اس کو تجارت کا

نام بھی دیتے ہیں، اس کی شکل یہ ہے کہ مثلاً اگر اس کھیل میں دس آدمی شریک ہیں، تو ہر حصہ دار دس دس ہزار روپیہ جمع کرے گا، جمع شدہ کل رقم ایک لاکھ پر بولی لی جائے گی، یعنی اس روپے پر ڈاک ہوگا، تمام شرکاء کھیل میں جس شریک کی بولی سب سے کم ہوگی، تمام روپئے اس کے حوالہ کردئے جائیں گے، مثلاً کسی حصہ دار نے ۸۰/ ہزار روپیہ ڈاک بول کر لینا چاہا اور اس سے کم کسی حصہ دار کی بولی نہیں ہے، تو ۸۰/ ہزار روپیہ بولی بولنے والے حصہ دار کو تمام روپیہ دے دیا جائے گا، باقی ماندہ رقم ۲۰/ ہزار روپیہ تمام دسوں حصہ داروں پر برابر برابر تقسیم کردیا جائے گا، علی ہٰذا الترتیب ہر حصہ دار سب سے کم بولی بول کر رقم لے لے گا، باقی ماندہ رقم تمام حصہ داروں پر تقسیم کردیا جائے؛ لیکن سب سے آخر میں جو حصہ دار اس رقم کو لینا چاہے گا اس کو ایک لاکھ کی پوری رقم بغیر بولی بولے دے دیا جائے گا اور ہر کھیل میں بولی کے بعد باقی ماندہ رقم سے وہ حصہ بھی وصول کرتا رہے گا، تو صورتِ مذکورہ ازروئے شرع درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ معاملہ سود اور جوئے پر مشتمل ہونے کی وجہ سے قطعاً حرام ہے، اپنی جمع کردہ رقم سے ایک روپیہ بھی زائد لینا کسی بھی فرد کے لئے ہرگز جائز نہیں ہے، اس لئے اس طرح کی اسکیموں میں ہرگز حصہ نہ لینا چاہئے۔

كل قرض جرّ منفعة فهو وجه من وجوه الربا. (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقات والمزارعة ٥٧٥/١ كراچی)

كل قرض جر نفعًا حرام أي إذا كان مشروطًا. (شامي ١٦٦/٥ كراچی، ٣٩٥/٧ زكريا)

الربا …… وشرعًا فضل ولو حكمًا، فدخل ربا النسيئة والبيوع الفاسدة، فكلها من الربا خال عن العوض بمعيار شرعي، وهو الكيل والوزن مشروط أحد المتعاقدين في المعاوضة. (الدر المختار مع رد المحتار / باب الربا ١٦٨/٥ كراچی، تبيين الحقائق، كتاب البيوع / باب الربا ٤٤٦/٤ دار الكتب العلمية بيروت، ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر،

كتاب البيوع / باب الربا ۳/ ۱۱۹ غفارية كوئٹه، وكذا في تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع / باب الربا ۱/ ٥٦٦ مکتبه دار العلوم کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۱۱/۲ ۱۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِنعامی اسکیم میں قسطیں جمع کرنا؟

سوال (۱۸۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل جو انعامی اسکیمیں چل رہی ہیں، جن کی شکل یہ ہوتی ہے کہ اسکیم چلانے والا لوگوں کو اسکیم کا ممبر بناتا ہے، اور ان سے چندروپئے جیسے ۳۰۰/روپیہ کے قریب جمع کرتا ہے، جو ہر ماہ جمع کرنے ہوتے ہیں، ہر ماہ وہ ڈرا نکالتا ہے جس کا نام پہلے سے ڈرا میں نکلے گا اسے وہ انعام دے دیا جائے گا، اس کا نام نکلنے پر وہ انعام اسے دے دیا جاتا ہے، اور اسے آگے کوئی رقم قسط نہیں جمع کرنی پڑتی، اس طرح ہر ماہ انعام نکلتا ہے، کیا اس شخص کے لئے وہ انعام لینا جائز ہے، اور اس طرح کی اسکیم چلانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس طرح اسکیم چلانا اور اس سے انعام حاصل کرنا شرعاً قمار اور جوا میں شامل ہے۔

ثم عرفوه تعليق الملك على الحظر والمال من جانبين. (قواعد الفقه ٤٣٤)

لہٰذا یہ شرعاً ناجائز وحرام ہیں۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

قال الله تعالىٰ: ﴿يَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا﴾ [البقرة، جزء آيت: ۲۱۹]

عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله حرّم على أمتي الخمر والميسر. (المسند للإمام أحمد بن حنبل ۲/ ۳٥۱ رقم: ٦٥۱۱ دار إحياء التراث العربي بيروت)

عـن عبـد الـلّٰه بن عـمرو رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم نهى عـن الـخمر والميسر والكوبة والغُبيراء، وقال: كل مسكرٍ حرام. (سنن أبي داؤد / باب النهي عن المسكر ۳۲۷/۲ رقم: ۳٦۸٥ إمدادية ملتان)

ولـو شـرط فيها من الجانبين؛ لأنه يصير قمارًا. (الدر المختار) قوله: لأنه يصير قمارًا: لأن القمار من القمر الذي يزداد تارةً وينقص أخرىٰ. وسمى القمار قـمـارًا؛ لأن كـل واحـد مـن الـمقـامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويـجوز أن يستفيد مال صاحبه، وهو حرام بالنص. (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة / فصل في البيع ٤٠٣/٦ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۵/۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

LML اسکوٹر جاری کرنے والی اِسکیم میں شرکت کرنا؟

سوال (۱۹۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک اسکیم LML اسکوٹر کی رفاہ عام کے واسطے جاری کرنے کا ارادہ ہے، جس کے اندر ۱۰۰/ ممبران ہیں، ہر ایک ممبر ہر ماہ ایک ہزار روپیہ کی قسط جمع کرے گا اور یہ قسط ۲۷/ ماہ تک جمع کی جائے گی، اور ہر ماہ تمام ہی ممبران کی خوشی سے قرعہ اندازی کے ذریعہ ایک ۲۷/ ہزار روپیہ کا اسکوٹر دیا جائے گا، اور اگر چاہے تو ۲۷/ ہزار روپئے کی رقم بھی لے سکتا ہے، اور جمع شدہ رقم سے ناظم اسکیم جائز تجارت تمام ہی ممبران کی اجازت سے کریں گے، ممبران پر جو زائد رقم پہنچے گی وہ تجارت کا نفع ہوگا، جمع شدہ رقم میں سے نہیں پورا کیا جائے گا، اور جن صاحب کا نام قرعہ اندازی میں ہر ماہ نکلتا رہے گا ان کا قسط بھی جمع کرنا ختم ہوجائے گا، نام آنے کے بعد اب آگے قسط جمع نہیں کی جائے گی، یعنی ہر ماہ ایک ممبر کم ہوتا جائے گا، اگر کسی وجہ سے کوئی ممبر چند قسطیں جمع کرنے کے بعد آگے جمع نہ کرسکے، جمع کرنا بند کردے، تو اس کو اس کی جمع شدہ رقم ۲۷/ ماہ کے بعد ۱۰۰۰/ روپیہ دفتری خرچ

کے کم کر کے واپس کئے جائیں گے، اور ہر ماہ ۲۷؍ ہزار روپیہ کا اسکوٹر ناظم اسکیم جمع شدہ رقم کے فائدہ سے اور تجارت میں نقصان کی صورت میں بخوشی اپنے پاس سے دیں گے، یعنی نقصان اور فائدہ کے مالک خود ناظم ہیں، ممبران پر کوئی بار نہیں ہے، گویا قرعہ اندازی کے ذریعہ ہر ماہ جس ممبر کا نام نکل کر فائدہ پہنچ رہا ہے وہ جمع شدہ رقم کی تجارت کا فائدہ ہے، اور زائد فائدہ کے مستحق تمام ممبران کی خوشی سے ناظم طے کئے گئے ہیں اور نقصان کے بھی، اگر کسی وجہ سے ناجائز ہے تو ناجائز وجہ کو واضح فرمائیں؛ تاکہ اس ناجائز وجہ کو ختم کردیا جائے، اور اسکیم حلال ہوجائے اور تمام شرائط کا ممبری فارم بھی حاضر خدمت ہے، نظر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جو اسکیم لکھی گئی ہے، وہ جوا اور قمار پر مشتمل ہونے کی وجہ سے قطعاً حرام ہے؛ اس لئے کہ اس میں قرعہ اندازی پر اسکوٹر یا اپنی جمع کردہ رقم سے زائد رقم کے استحقاق کی شرط لگی ہوئی ہے، شریعت میں اسی کو ''جوا'' کہتے ہیں۔

ثم عرفوه تعليق الملك على الحظر والمال من جانبين. (قواعد الفقه ٤٣٤)

اِسی طرح جو فریق پوری قسطیں جمع نہ کرسکے اس سے ایک ہزار روپیہ کاٹنے کی شرط بھی ناجائز ہے، یہ رقم بطور قرض یا بطور امانت ہے، اس میں کمی بیشی جائز نہیں ہے، نیز اس معاملہ کو تجارتی شرکت کے دائرہ میں بھی نہیں رکھا جاسکتا؛ اس لئے کہ حسبِ سوال اس میں نفع نقصان کا صرف ناظم اسکیم ذمہ دار ہے، اگر یہ شرکت کا معاملہ ہوتو سبھی شرکاء نفع ونقصان دونوں میں شریک ہونے چاہئیں، بہر حال یہ اسکیم ناجائز ہے، معاملہ اس طرح ہونا چاہئے کہ جوا اَور سود لازم نہ آئے۔

ولا خلاف بين أهل العلم في تحريم القمار. (أحكام القرآن للجصاص [البقرة: ٢١٩] ٣٢٩/١ دار الكتب العلمية بيروت)

ولو كان الخطر من الجانبين جميعًا ولم يدخلا فيه محللاً لا يجوز؛ لأنه في معنى القمار، نحو أن يقول أحدهما لصاحبه: إن سبقتني فلك عليّ كذا، وإن سبقتك فلي عليك كذا، فقبل الآخر. (بدائع الصنائع، كتاب السباق / فصل في

شروط جواز السابق ۸/ ۳۵۰ دار الکتب العلمیة بیروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/ ۷/ ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مشترکہ اسکیم میں روپیہ جمع کر کے قرعہ اندازی سے حصہ متعین کرنا؟

سوال (۱۹۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) آج کل جو اسکیمیں ڈالی جاتی ہیں کہ چند لوگ مل کر رقمیں جمع کرتے ہیں، جس کا نام قرعہ میں نکل جاتا ہے، وہ سب کا سب پیسہ لے لیتا ہے، پھر دوسرے تیسرے کا نمبر آتا ہے؟

(۲) دوسری شکل یہ ہے کہ جس کا نام ایک مرتبہ قرعہ میں نکل گیا وہ پیسہ لے کر بیٹھ جاتا ہے دوبارہ پیسہ جمع نہیں کرتا، اور جو باقی رہ جاتا ہے وہ جمع کرتا رہتا ہے، جس کا نتیجہ آخر میں یہ نکلتا ہے کہ کچھ شرکاء کو آخر میں کچھ نہیں ملتا؟

(۳) تیسری شکل یہ ہوتی ہے کہ جس کے نام پر قرعہ نکلتا ہے وہ کل جمع شدہ رقم کو کچھ کم قیمت پر خرید لیتا ہے، مثلاً پچاس ہزار کو اڑتالیس ہزار میں لے لیتا ہے اور بقیہ دو ہزار شرکاء پر تقسیم ہوتا ہے، ہر مہینہ میں تھوڑا بہت نفع شرکاء کو ملتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر آخر تک رقم کی مکمل وصول کا اور ہر ایک شریک کو اپنی دی ہوئی رقم کی واپسی کا مکمل اطمینان ہو، تو ایسی صورت میں جواز کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

(مستفاد: آپ کے مسائل اوران کا حل ۶/ ۲۶۶)

لیکن تجربہ اور مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ اس طرح کی اسکیموں میں جن کا نام پہلے نکل آتا ہے، وہ پیسہ لے کر بیٹھ جاتے ہیں، یا غائب ہوجاتے ہیں، اور بعد میں باقی رہنے والوں کا سخت نقصان ہوتا ہے، ان کی جمع شدہ پوری رقم بھی واپس نہیں مل پاتی؛ اس لئے بہرحال ایسی اسکیم سے اجتناب ہی بہتر ہے۔

(۲) دوسری صورت یعنی قرعہ میں نام نکلنے کے بعد رقم لے کر اسکیم سے الگ ہوجانے میں

بھی یہ دھوکہ ہے کہ اگر نام نکل آیا، تو پوری رقم مل جائے گی، اور نام نہ نکلنے کی صورت میں کچھ بھی نہ ملے گا؛ لہٰذا یہ صورت عین قمار ہونے کی وجہ سے حرام ہے، اور رقم لینے والے پر واجب ہے کہ وہ رقم تمام شرکاء کو ان کے حصوں کے بقدر لوٹا دے۔

وفي حكم الميسر جميع أنواع القمار من النرد والشطرنج وغيرهما حتى أدخلوا فيه لعب الصبيان بالجوز والكعاب والقرعة في غير القسمة وجميع أنواع المخاطرة والرهان. (روح المعاني ۱۱٤/۲)

(۳) تیسری صورت میں اس مجموعی رقم کو کم قیمت پر خریدنے والا شخص سود دینے والا ہے، اور بقیہ شرکاء جو دی ہوئی رقم میں برابر کے شریک ہوتے ہیں، اور ان کو اسکیم پوری ہونے تک اپنی جمع شدہ رقم سے جو بھی زائد رقم ملتی ہے، وہ سب سود میں شامل ہے، اور اس طرح زائد رقم لینے والے سود لینے کے گناہ میں شریک ہیں؛ لہٰذا اِس طرح کا معاملہ قطعاً ناجائز ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۲۷۲/۶)

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم ۷۲/۲ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي ۲۲۹/۱ رقم: ۱۲۰٦، مشكاة المصابيح، البيوع / باب الربا ۲٤٤، مرقاة المفاتيح ٤۳/٦ رقم: ۲۸۰۷ دار الكتب العلمية بيروت)

كل قرض جر نفعًا حرام أي إذا كان مشروطًا. (شامي ۱٦٦/۵ کراچی، ۳۹۵/۷ زکریا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۶/۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تجارتی انعامات؟

سوال (۱۹۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک کمپنی میں ملازم ہے، کمپنی کا کاروبار دلالی (ایجنٹی) کا ہے، جس کی نوعیت یہ ہے کہ

لوگوں کو اپنا ممبر بنا کر کارڈ دیتی ہے، ممبر بننے کی فیس پچاس ریال ہے، جس میں کارڈ کی قیمت بھی شامل ہے، کمپنی نے مختلف دوکانوں، پٹرول پمپوں اور تاجروں سے معاہدہ کررکھا ہے، اب کمپنی کے ممبران اگر ان دوکانوں سے اپنی ضرورت کا سامان خریدیں گے، تو ہر پانچ ریال کی خریداری پر ایک پائنٹ اور اگر زیور یا پٹرول خریدیں گے تو ہر دس ریال پر ایک پائنٹ کارڈ میں الیکٹرانک مشین کے ذریعہ درج کردیا جاتا ہے، اس طرح سے اگر بیس پوائنٹ کم از کم جمع ہو جائیں، تو پھر اس پر کمپنی انعام دیتی ہے، جتنے زیادہ پوائنٹ جمع ہوجائیں گے، اسی کے تناسب سے انعام کی قیمت بھی بڑھتی جائے گی، انعامات طے شدہ ہیں، مثلاً پانچ سو پوائنٹ پر استری، دوہزار پوائنٹ پر ۱۰ر گرام سونے کا لاکٹ، پانچ ہزار پوائنٹ پر ائیر کنڈیشن، وہکذا، اب گاہک کو اختیار ہے، جونسا انعام چاہئے اس کے مطلوبہ پوائنٹ جمع کر کے اس کو حاصل کرلے، دوسری طرف کمپنی کا جن دکانوں اور تاجروں سے معاہدہ ہوتا ہے، وہ ان سے کمپنی کے ممبران کی خریداری کے حساب سے اپنا کمیشن وصول کرتے ہیں، جو کہ حسبِ اتفاق ۲،۵ر فیصد سے ۷ر فیصد تک ہوتا ہے، چوں کہ کمپنی کے ممبران پوائنٹ حاصل کرنے کے لئے ان ہی متعینہ دکانوں سے خریدتے ہیں، اس لئے دوکان دار اور تاجر حضرات خوشی سے یہ کمیشن کمپنی کو دیتے ہیں، **فالمطلوب الجواب عما يلي مع الدليل والتعليل ۔**

الف:- کیا یہ کاروبار درست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر جواز کی کیا صورت ہے؟

ب:- اس طرح کی کمپنی میں ملازمت درست ہے یا نہیں؟

ج:- اگر کسی نے مذکورہ طریقہ سے انعام حاصل کیا تو اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید کا اپنا کاروبار ہے اس کے پاس مختلف کمپنیوں کے ایجنٹ وغیرہ خریدنے آتے ہیں، وہ لوگ اپنا کمیشن طلب کرتے ہیں، اگر زید کمیشن نہیں دیتا ہے، تو یہ لوگ یہاں سے نہیں خریدتے، اس بنا پر زید نے یہ طے کررکھا ہے کہ ہر گاہک کو اجرت دلالی یا انعام کے طور پر ۵ر فیصد کمیشن اپنے منافع میں سے دے گا اور جو قیمت وصول کرے گا اسی کے مطابق بل بنائے گا۔ کیا یہ درست ہے یا نہیں؟ بصورت دیگر جواز کی کیا صورت ہے، اور اس طریقہ سے کمیشن لینا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) یہ کاروبار قمار پر مبنی معلوم ہوتا ہے؛ اسلئے کہ ۵۰؍ ریال میں کمپنی جو کارڈ فروخت کررہی ہے وہ بذات خود کوئی استعمالی چیز نہیں ہے؛ بلکہ ایک لاٹری کے ٹکٹ کے مانند ہے، پھر جو شخص جتنے پوائنٹ جمع کرلے گا وہ انعام کا مستحق ہوگا، تو گویا کہ صرف انعام کے حصول کے لئے یہ کارڈ فروخت کیا جارہا ہے، اس کا اور کوئی مقصد نہیں ہے؛ البتہ اگر مذکورہ کمپنی مفت میں کارڈ تقسیم کرے اور پھر متعینہ دوکانوں سے پوائنٹ جمع کرائے تو یہ معاملہ جائز ہوگا، ایسی صورت میں یہ کمپنی متعینہ دوکانوں کی وکیل (ایجنٹ) بن جائے گی، اور گاہکوں کو ملنے والا انعام اس کمپنی کی طرف سے حوصلہ افزائی کا ایک طریقہ کہلائے گا۔ (مستفاد: جواہر الفقہ ۳۴۳/۲-۳۴۵، احسن الفتاوی ۲۷۳/۷، امداد المفتیین ۸۶۴/۲)

وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل وما تواضعوا عليه أن من كل عشرة دنانير كذا فذٰلك حرام عليهم، كذا في الذخيرة. (الفتاویٰ الهندية / الفصل الرابع في فساد الإجارة ٤٥٠/٤ زكريا، كذا في المبسوط للإمام السرخسي / باب السمسار ١١٥/١٥ دار الفكر بيروت، خلاصة الفتاویٰ ١١٦/٣ لاهور، الأشباه والنظائر ١٤٨ إشاعة الإسلام دهلي، شامي / باب ضمان الأجر، مطلب في أجرة الدلال ٨٧/٩ زكريا)

(۲) زید اگر اس طرح کا عام اصول بنالے، تو اس کے لئے یہ کمیشن دینا جائز ہوگا؛ لیکن جو خریدار دوسرے کی طرف سے خرید رہے ہوں، اُن کے لئے اصل مالک (آمر) کو بتائے بغیر یہ رقم اپنے مصرف میں لانی جائز نہ ہوگی۔

والوكيل بالشراء يجوز عقده بمثل القيمة وزيادةٍ بتغابن الناس في مثلها، ولا يجوز بما لا يتغابن الناس في مثله؛ لأن التهمة فيه متحققة. (الهداية / فصل في التوكيل بشراء نفس العبد ١٧٣/٣) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۴/۱۱/۲۸ھ

سوآدمیوں کا ایک لاکھ روپیہ جمع کرکے ۷۵؍ہزار میں بولی کے ذریعہ لینا؟

سوال (۱۹۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سوافراد مل کر ہر ہفتہ میں ایک ایک ہزار روپیہ جمع کرتے ہیں، جس کا نام کمپنی رکھا ہے، جمع کردہ روپیہ کی مقدار ایک لاکھ روپیہ ہوتی ہے، اب اس پر بولی لگاتے ہیں وہ بولی بھی الٹی ہوتی ہے، مثلاً ۸۰/۸۵/۹۰/۹۵؍ہزار، جوکم سے کم میں لیتا ہے اس کو مل جاتی ہے، مثلاً ہر ایک کو آخر قسط تک ایک لاکھ جمع کرنے ہیں، مگر اول بار لینے والا بولی ۷۵؍ہزار میں سے ۲۵؍ہزار کے گھاٹے سے اور ۲۵؍ہزار ہر شریک پر تقسیم کردیا جاتا ہے، اسی طرح کم ہوتا رہتاہ، اور بعد والوں کو زیادہ ملتا ہے، تو کیا یہ کم زیادہ سود تو نہیں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک لاکھ جمع شدہ رقم بولی کے ذریعہ ۷۵؍ہزار روپئے میں لے لینا اور پھر بقیہ ۲۵؍ہزار دیگر شرکاء میں تقسیم کردینا سود اور قمار پر مشتمل ہے، جو قطعاً حرام اور ناجائز ہے؛ اس لئے اس اسکیم میں شامل ہونا اور اس سے فائدہ اٹھانا قطعاً حرام ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۶/۴۳۷ ڈابھیل)

عن عبد اللّٰه بن عمرو رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم نهى عن الخمر والميسر والكوبة والغُبيراء، وقال: كل مسكرٍ حرام. (سنن أبي داؤد / باب النهي عن المسكر ۲/ ۳۲۷ رقم: ۳٦۸۵ إمدادية ملتان)

عن عبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن اللّٰه حرّم على أمتي الخمر والميسر. (المسند للإمام أحمد بن حنبل ۲/ ۳۵۱ رقم: ٦٥۱۱ دار إحياء التراث العربي بيروت)

ولو شرط فيها من الجانبين؛ لأنه يصير قمارًا. (الدر المختار) قوله: لأنه يصير قمارًا: لأن القمار من القمر الذي يزداد تارةً وينقص أخرىٰ. وسمى القمار

قـمـارًا؛ لأن كـل واحـد مـن الـمـقـامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويـجوز أن يستفيد مال صاحبه، وهو حرام بالنص. (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة / فصل في البيع ٤٠٣/٦ كراچی)

كل قرض جر نفعًا حرام أي إذا كان مشروطًا. (شامي ١٦٦/٥ کراچی، ٣٩٥/٧ زكريا)

وحـرم لو شرط المال من الجانبين. (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية / فصل في البيع ٧١/٧ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۴/۲/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

”موبائل لکی کوپن دھماکہ“ اسکیم کا حکم؟

سوال (۱۹۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے ”موبائل لکی کوپن دھماکہ“ کے نام سے ایک اسکیم شروع کی ہے، جس میں کل چار سو ممبر ہوں گے، اور ہر ممبر کو دس روپئے جمع کرنے ہوں گے، جب کہ موبائل صرف ایک شخص کو ملے گا اور باقی لوگ محروم رہ جائیں گے، تو کیا یہ اسکیم جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ اسکیم جوے اور سٹے پر مشتمل ہے اور مروجہ لاٹری کی ایک شکل ہے؛ اس لئے قطعاً حرام ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۳۱۱/۱۱، رحیمیہ ۱۴۱/۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۵/۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چِٹھی کا کاروبار کرنا

سوال (۱۹۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سٹی نامی شخص تیس نفری چِٹھی کا نظام چلاتا ہے، جس میں تیس نفر کو جوڑ کر ہر ایک سے پچیس

ہزار روپیہ کے اندازے سے گویا تیس نفر کی کل رقم ساڑھے سات لاکھ روپیہ ہوگی، تو پھر پہلے مہینہ میں اس چیٹھی کا ہراج کیا، تو ایک شخص بولی لگا یا چار لاکھ میں لے لیا، باقی ۳؍لاکھ ۵۰؍ ہزار روپئے سے کٹ کر لیتا ہے، باقی ۳؍لاکھ ۲۰؍ ہزار روپئے کو تیس نفر میں تقسیم کر دیتا ہے، تو ہر ایک سید اعظم کو ۱۰؍ ہزار ۶۶۶؍ روپئے نفع ملتے ہیں، تو سید اعظم کو اسی مہینے میں پچیس ہزار کے بجائے ۱۰؍ ہزار ۶۶۶؍ روپئے وضع کر کے صرف ۱۴؍ ہزار ۳۳۴؍ روپئے ادا کرنے پڑتے ہیں، یہ اس طرح تیس مہینے تک ہوتا رہے گا، کیا اس طرح معاملہ کرنا شریعت میں جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چیٹھی کا مذکورہ معاملہ قطعاً حرام اور بلاشبہ سود ہے، اس میں کسی طرح بھی حصہ لینا قطعاً جائز نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يَأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا الرِّبَا اَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوْا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [آل عمران: ۱۳۰]

الربا: وهو في الشرع عبارة عن فضل ما لا يقابله عوض في معاوضة مال بمال، وهو محرم في كل مكيل وموزون بيع مع جنسه، وعلته القدر والجنس ونعني بالقدر الكيل فيما يكال والوزن فيما يوزن، فإذا بيع المكيل كالابر والشعير والتمر والملح أو الموزون كالذهب والفضة. (الفتاویٰ الهندية، البيوع / الفصل السادس في تفسير الربا وأحكامه ۱۱۷/۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۷/۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سودی چیٹھی کا حکم

سوال (۱۹۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل بازار میں سودی چیٹھی کا عام چلن ہے اور مختلف شکلوں کے ساتھ دن بدن بڑھتا جارہا

ہے ایک شخص اس سودی چٹھی سے پریشان ہوکراور دوسروں کوبھی اس مصیبت سے بچانے کے لیے بغیر کمی بیشی نقصان وزیادتی کے چند ممبران کے ساتھ ایک چٹھی بشکل قرعہ شروع کرتا ہے (بایں طور کہ مختلف رقومات کے اعتبار سے چٹھی کے کئی زمرے ہوگئے ہیں، مثلاً ۲۰/ ہزار روپئے کی ایک چٹھی، ۵۰/ ہزار روپئے کی چٹھی وغیرہ ان مختلف حصص کے رقومات کا تخمینہ فی الوقت ۲۰/لاکھ سے متجاوز ہو چکا ہے) جس کی وجہ سے کافی وقت اس میں خرچ کرنا پڑتا ہے اور ذہنی طور پر محنت طلب کام بھی ہے کیا درج ذیل امر کے تحت مالی منفعت کی گنجائش ہوسکتی ہے، چٹھی چلانے والا اپنے لئے کچھ تنخواہ مقرر کرلے، ہرماہ (مثلاً ۱۵/ یا ۲۰/ ہزار روپئے) اور افراد کی کمی وزیادتی سے اس کی تنخواہ پر کچھ اثر نہ پڑے، اور تنخواہ کی ادائیگی کے لئے ہر ممبر وشریک سے بوقت شرکت کچھ فیس لے لی جائے نیز دیگر اخراجات کا بھی ذریعہ بن سکے؟

نیز یہ امر بھی قابلِ استفسار ہے کہ چٹھی چلانے والا اگر کسی ایک حصہ کی چٹھی میں خود بھی شریک ہوجائے تو کیا اُس کے لئے بلاقرعہ پہلی چٹھی لے لینے کی اجازت ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ہمارے نزدیک بغیر کمی بیشی والی چٹھی اور کمیٹی جس میں بذریعہ قرعہ ایک شخص کے نام پوری رقم نکال کردی جاتی ہے یہ معاملہ شبہ قمار ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے؛ کیوں کہ قرعہ کے ذریعہ قرض کا استحقاق ثابت کیا جارہا ہے جو پہلے سے ثابت نہ تھا اور اس طرح اثبات قرض ممنوع ہے؛ لہٰذا مذکورہ شخص کو چاہئے کہ فوری طور پر یہ سارا نظام ختم کرے اور دوسروں کو ہمدردی میں خود مستحق عذاب نہ ہو، اور اس ناجائز عمل پر اس کے لئے اُجرت لینے کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱۳۱، فتاویٰ محمودیہ ۱۶/۴۲۵ ڈابھیل، مسائل سود ۲۶۴)

قال الله تعالىٰ: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدة، جزء آیت: ۲]

وقال الله تعالىٰ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ [المائدة: ۹۰]

ولا تجوز الإجارة على شيء من الغناء والنوح والمزامير والطبل وشيء من اللهو؛ لأنه معصية والاستيجار على المعاصي باطل. (المبسوط للسرخسي ١٦/ ٧٥)

ولا خلاف بين أهل العلم في تحريم القمار، وإن المخاطرة من القمار، قال ابن عباس إن المخاطرة قمار. (أحكام القرآن للجصاص ١/ ٣٨٨)

وقال العلامة محمد تقى العثماني – حفظه اللّٰه – بحثًا: لا شك أن إثبات الحقوق بالقرعة نوع من أنواع المخاطرة. (تكملة فتح الملهم ١/ ٢٥١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۱/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کمیٹی چلانا

سوال (۱۹۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کوئی شخص مسلمان کمیٹیوں کا روزگار کرتا ہے، یعنی کہ بیس ممبروں کی کمیٹی ہوتی ہے، اور بیس مہینہ کی ہوتی ہے، تین ہزار روپیہ مہینہ کی کمیٹی میں ہر ماہ ۲۰/ ممبروں سے ۶۰/ ہزار روپئے اکٹھے ہوتے ہیں، مگر یہ شخص شروع کے پانچ مہینہ تک ممبروں کو ۵۰/ ہزار روپئے دیتا ہے، باقی ۱۰/ ہزار روپئے ہر مہینہ اپنے پاس رکھتا ہے، چھٹے مہینہ میں ۵۱/ ہزار روپئے دیتا ہے، اور ۹/ ہزار روپئے اپنے پاس رکھتا ہے، اسی طرح ساتویں مہینہ میں ۵۲/ ہزار روپئے، آٹھویں مہینہ میں ۵۳/ ہزار روپئے، نویں مہینہ میں ۵۴/ ہزار روپئے۔ اسی طرح ہر مہینہ ایک ہزار روپیہ بڑھا کر باقی روپیہ اپنے پاس رکھتا رہتا ہے، اور پندرہ مہینہ ہونے پر ۶۰/ ہزار روپئے پورے پورے دیتا ہے، اور اس کے بعد سولہویں مہینہ میں ۶۲/ ہزار روپئے، سترہویں مہینہ میں ۶۴/ ہزار روپئے، اٹھارہویں مہینہ میں ۶۶/ ہزار روپئے، انیسویں مہینہ میں ۶۸/ ہزار روپئے، بیسویں مہینہ میں ۷۰/ ہزار روپئے دیتا ہے۔ اس طرح وہ شروع کے چودہ مہینوں میں ۸۵/ ہزار روپئے کماتا ہے، اور آخر میں پانچ ممبروں کو کل ملاکر ۳۰/ ہزار روپئے زیادہ دیتا ہے، مگر پھر بھی وہ ۵۵/ ہزار روپئے کی کمائی کرلیتا ہے، اس

طرح سے اس کے پاس کئی گروپ ایک ہی مہینہ میں ہیں، جس میں ایک لاکھ والی کمیٹی بھی شامل ہے، اور یہ شخص پچاس ہزار روپئے سے بھی زیادہ ہر مہینے اس طرح کما لیتا ہے۔ علماء دین مفتی صاحبان کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ کہ یہ اس کی کمائی جائز ہے یا نا جائز؟ کیا یہ سود ہے؟ اگر یہ سود ہے تو اس میں جو ممبر شریک ہیں جو کہ شروع میں کم اور بعد میں پانچ ممبر زیادہ پیسہ لے رہے ہیں، وہ بھی اس سود کے کاروبار میں شریک ہیں، زیادہ پیسہ لینے والے جائز سمجھ کر یہ روپیہ رکھ رہے ہیں، اس بارے میں فتویٰ تحریر فرمائیں؛ تاکہ ہمیں روشنی مل سکے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں ذکر کردہ تفصیلات کے اعتبار سے کمیٹی کا مذکورہ پورا معاملہ ربا اور سود پر مشتمل ہے، اور قطعاً حرام ہے، ممبروں کو اُن کی جمع کردہ رقم سے کم یا زیادہ دینا اگر چہ آپسی رضامندی سے ہو، پھر بھی کھلا ہوا سود ہے۔ اِسی طرح کمیٹی چلانے والے کا ہر مہینہ اپنے لئے کچھ رقم نکال لینا یا آخری مہینہ والوں کو اپنی طرف سے زائد رقم دینا یہ بھی سود ہے، اس لئے اس طرح کی کمیٹی چلانا یا اس میں کسی طرح حصہ لینا کسی کے لئے بھی جائز اور حلال نہیں ہے۔

خطب رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم في حجة الوداع، فقال: ألا! إن كل ربا كان في الجاهلية موضوع عنكم كله، لكم رؤس أموالكم لا تظلمون ولا تظلمون. (سنن أبي داؤد ٤٧٣/٢)

وفي الشريعة: الربا هو الفضل الخالي عن العوض المشروط في البيع لما بينا أن البيع الحلال مقابلة مال متقوم بمال متقوم، بفضل الخالي عن العوض إذا دخل في البيع كان ضد ما يقتضيه البيع فكان حرامًا شرعًا. (المبسوط للسرخسي ١٠٩/١٢)

وأما ربا النسيئة فهو الأمر الذي كان مشهورًا متعارفًا في الجاهلية، وذٰلک أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذ كل شهرٍ قدرًا معينًا ويكون رأس المال باقيًا الخ. (تفسير كبير ٩١/٧)

والربا الذي كانت العرب تعرفه وتفعله إنما كان قرض الدراهم والدنانير إلى أجل بزيادة على مقدار ما استقرض على ما يتراضون به...... فأبطل اللّٰه عزوجل الربا الذي كانوا يتعاملون به. (أحكام القرآن للجصاص ١/٤٦٥)

وكل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف، قال ابن المنذر: أجمعوا على أن المسلف إذا شرط على المستسلف زيادةً أو هديةً، فأسلف على ذٰلک أن أخذ الزيادة على ذٰلک ربا، قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: كل قرض جر منفعةً فهو ربا. (إعلاء السنن، كتاب الحوالة / باب كل قرض جر منفعة فهو ربا ١٤/٤٩٩ إدارة القرآن كراچی، فيض القدير ٩/٤٤٨٧ رقم: ٦٣٣٦ مكتبة نزار مصطفىٰ الباز رياض) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۱/۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

’’بیسی‘‘ اسکیم کا حکم

سوال (۱۹۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں ہندوستان میں ایک اسکیم ’’بیسی‘‘ کے نام سے ہے، مثال کے طور پر دس لوگوں نے سو سو روپئے ڈالے، دس دن کے حساب سے، اس کے بعد جب وہ دس دن مکمل ہوگئے تو انہوں نے پرچی بناکر اس پر سب کے نام لکھے، اس کے بعد قرعہ اندازی کی گئی، اس میں سے ایک پرچی اٹھائی گئی، اس پرچی میں جس کا نام نکلا، اس کو وہ پیسہ مل گیا، نہ ہی اس میں کمی ہوئی اور نہ زیادتی؟ کیا یہ صورت صحیح ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر برابر برابر رقم کا لین دین ہوتا ہے، تو اُصولاً یہ جائز ہونی چاہئے؛ لیکن قرعہ اندازی کی وجہ سے تملیک علی الخطر کا شائبہ پیدا ہونے کی بنیاد پر یہ معاملہ کراہت سے خالی نہ ہوگا؛ کیوں کہ اس میں ایک طرح سے جوا کی مشابہت پائی جارہی ہے، نیز

آئندہ ہر ماہ شریک رقم جمع کرے گا یا نہیں؟ اس کی بھی ضمانت لینا آج کل مشکل ہے، بہت سے ایسے واقعات ہیں کہ جس کے نام قرعہ نکل جاتا ہے، وہ اکٹھی رقم لے کر غائب ہو جاتا ہے، اور اس سے واپسی کی کوئی صورت نہیں ہوتی، اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ ایسی اسکیم میں شرکت نہ کی جائے۔

وحقيقته تمليك المال على المخاطرة وهو أصل في بطلان عقود التمليات الواقعة على الأخطار. (أحكام القرآن للجصاص ٤٦٥/٢)

عن النعمان بن بشير رضي الله عنه يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: الحلال بين والحرام بين، وبينهما مشتبهات، لا يعلمها كثير من الناس فمن اتقى المشبهات استبرأ لدينه وعرضه، ومن وقع في الشبهات كراعٍ يرعىٰ حول الحمىٰ يوشک أن يواقعه ألا وإن لِكلِ مَلِكٍ حمىً، ألا إن حمى الله في أرضه محارمُه، ألا وإن في الجسد مضغة، إذا صلحت صلح الجسد كله وإذا فسدت فسد الجسد كله، ألا وهي القلب. (صحيح البخاري، كتاب الإيمان / باب فضل من استبرأ لدينه ١٣/١ رقم: ٥٢)

القرعة ثلاث: الثالثة لإثبات حق واحد، وفي مقابلته مثله فيفرز لها كل حق فهو جائزٌ. (الفتاوىٰ التاتارخانية ١٧٧/١٧ رقم: ٢٦٨٧٦ زكريا)

ومنها: أن يكون الخطر فيه من أحد الجانبين إلا إذا وجد فيه محللاً حتى لو كان الخطر من الجانبين جميعاً ولم يدخلا فيه محللاً لا يجوز؛ لأنه في معنى القمار. (بدائع الصنائع، كتاب السباق / شرائط جواز السباق ٣٠٦/٥ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۳/۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

''النصرہ فنڈ'' اور اُس کی صورتیں؟

سوال (۱۹۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے ادارہ میں چند اساتذہ مل کر ایک (النصرہ فنڈ) چلاتے ہیں، جس میں بیس افراد شریک

ہیں، جس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر فرد ماہانہ ۵۰۰/روپۓ جمع کرتا ہے، اور اس کی میعاد پانچ سال ہے، پانچ سال کے بعد اس رقم کو واپس کر دیا جائے گا، اگر درمیان میں کوئی فرد علیحدگی چاہتا ہے تو اس کو اختیار ہے؛ لیکن مسئلہ معلوم کرنا ہے کہ کیا اس رقم کو استعمال کر سکتے ہیں، ہمارے ادارہ میں اس رقم کو دو طریقہ سے استعمال کرتے ہیں:

(۱) **پہلا طریقہ** :- قرضِ حسنہ کے طور پر، اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر شریک فنڈ اپنے ضرورت کے لئے فنڈ سے رقم قرض حسنہ کے طور پر لیتا ہے؛ لیکن اس کی ادائیگی دس قسطوں میں کرنی ضروری ہوگی، مثلاً دس ہزار روپۓ قرض لیئے تو ہر ماہ ایک ہزار روپیہ ادا کرنا ضروری ہوگا، مسئلہ یہ معلوم کرنا ہے کہ اس رقم سے قرض حسنہ کے طور پر لیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) **دوسرا طریقہ** :- اگر کسی کو کوئی اشیاء خریدنے کی ضرورت ہو، تو فنڈ سے درخواست کرتا ہے، مثلاً فریج، اے سی، چاول وغیرہ، تو فنڈ کے ذمہ دار فنڈ کی رقم سے بازار سے اس چیز کو خرید کر دس فیصد نفع کے ساتھ اس کو فروخت کر دیتے ہیں، مثلاً فریج بازار سے دس ہزار روپۓ میں خرید کر ۱۰ رفیصد نفع ایک ہزار کے ساتھ گیارہ ہزار روپۓ میں اس کو فروخت کرتے ہیں، اور اس نفع کو پانچ سال تک جمع کرتے رہتے ہیں، پانچ سال کے بعد اس نفع کو ہر شریک فنڈ میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ مسئلہ یہ معلوم کرنا ہے کہ اس رقم سے اشیاء خرید کر دے سکتے ہیں، اور اس نفع کو ہر شریک فنڈ میں تقسیم کرنا کیسا ہے؟ اُمید ہے کہ اس مسئلہ کو وضاحت کے ساتھ سمجھائیں گے، اگر شریعت کی کوئی اور صورت ہو تو بھی مطلع فرمائیں، بہت مہربانی ہوگی، اور یہ جمع شدہ رقم بطور امانت ہے، یا بطور قرض یا بطور مضاربت کون سی صورت لینے میں جواز کی صورت نکلتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں پہلے طریقہ کے مطابق رقومات جمع کر کے ضرورت مند کو قرضِ حسنہ کے طور پر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ البتہ دوسرا طریقہ جو تحریر کیا گیا ہے، اس پر مضاربت یا شرکت کے اصول منطبق نہیں ہوتے، مثلاً مضاربت میں شرط یہ ہے

کہ رأس المال سب کا سب مضارب کے تصرف میں دے دیا گیا ہو، جب کہ اس مسئلہ میں ہر مہینہ پانچ پانچ سو روپئے جمع کئے جاتے ہیں، اور رأس المال بیک وقت مہیا نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ اس فنڈ سے رب المال کے علاوہ کسی اور کو اس طرح کا فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں دی گئی، حالاں کہ مضاربت میں مضارب کو خریداروں کے متعلق پابند کرنے کی کوئی نظیر احقر کی نظر سے نہیں گذری، یہی حال شرکت کا بھی ہے، اور مآل کے اعتبار سے اس پورے معاملہ میں قرض لینے والوں ہی سے نفع حاصل کرنا پایا جارہا ہے؛ اس لئے ''**كل قرض جرّ نفعًا فهو حرامٌ**'' کی حرمت میں یہ معاملہ بھی داخل ہونا چاہئے؛ تاہم مزید تحقیق کے لئے دیگر حضراتِ مفتیان سے بھی رجوع کیا جانا مناسب ہے۔

ولا بد أن يكون المال مسلمًا إلى المضارب المال فيه. (الهداية ۲۵۸/۳، الفتاویٰ الهندية ۲۸٦/٤)

كل قرض جر نفعًا حرام. (طحطاوي ۲۲۹/۲، شامي ١٦٦/٧ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۷/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۵۰/ ہزار کی کمیٹی ۴۰/ ہزار میں پیشگی چھڑانا؟

سوال (۲۰۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جناب عالی! خدمتِ اقدس میں عرض ہے کہ میرے گاؤں میں ایک کمیٹی ہے، جو ۲۰/ افراد پر مشتمل ہے، کمیٹی میں ۵۰/ ہزار روپئے جمع ہوتے ہیں، پھر نیلامی بولی لگائی جاتی ہے، اور ایک آدمی اس کو ۴۰/ ہزار میں خرید لیتا ہے، اور مہینہ ہونے پر پورے ۵۰/ ہزار روپئے جمع کرتا ہے، ہمارے یہاں کی زبان میں اس کو ''می سی'' کہتے ہیں، گویا کہ ۱۰/ ہزار روپئے گھاٹے میں رہ کر روپئے اکٹھا کرتا ہے، اور پھر مہینہ ہونے پر ۱۰/ ہزار روپئے جمع کرتا ہے، کیا یہ عمل حلال ہے، اس کے اندر سود ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرمادیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۵۰؍ہزار کے بدلہ میں پیشگی ۴۰؍ہزار روپئے لینا سراسر سودی معاملہ ہے، جو کسی طرح جائز نہیں، اور زائد رقم کمیٹی کے دیگر شرکاء کے لئے قطعاً حرام ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [اٰل عمران: ۱۳۰]

اتفق الفقهاء على تحريم الميسر. (الموسوعة الفقهية ٤٠٦/٩)

الميسر: وحقيقته تمليك المال على المخاطرة وهو أصل في بطلان عقود التمليكات الواقعة على الأخطار كالهبات والصدقات وعقود البياعات، ونحوها إذا علقت على الأخطار. (أحكام القرآن للجصاص ٤٦٥/٢)

عن علي وابن عباس رضي اللّٰه عنهما كل شيء فيه قمار ...... فهو الميسر. (تفسير قرطبي ٥٢/٣)

وهو في الشرع عبارة عن فضل مالا يقابله عوض في معاوضة مال بمال وهو محرم في كل مكيل وموزون بيع مع جنسه وعلته القدر والجنس. (الفتاویٰ الهندية ١١٧/١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱؍۷؍۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس کے نام قرعہ نکلا اُس سے وہ رقم قرض لے کر زائد رقم واپس کرنا؟

سوال (۲۰۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کا نام نکلا اور عمر زید سے کہے کہ مجھے فی الحال ضرورت ہے، آپ اپنی باری مجھے دے دیں، اور جب میری باری آئے گی تو میری باری آپ لے لینا، پھر جب عمر کی باری آئی ہے تو عمر زید کو اس

کی باری میں لی ہوئی رقم سے کچھ زائد بڑھا کردے، تو کیا یہ صحیح ہے؟ اگر صحیح نہیں تو اور کیا شکل ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس کے نام قرعہ نکلا ہو، اس سے رقم لے کر بعد میں کچھ زائد رقم واپس کرنے کا معاملہ کرنا سود ہونے کی وجہ سے قطعاً ناجائز ہے؛ کیوں کہ یہ قرض ہے اور قرض پر نفع لینا حرام ہے۔

خطب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في حجة الوداع، فقال: ألا! إن كل ربا كان في الجاهلية موضوع عنكم كله، لكم رؤس أموالكم لا تظلمون ولا تظلمون. (سنن أبي داؤد ٤٧٣/٢)

كل قرض جر نفعاً فهو ربا. (إعلاء السنن ٥٣٢/١٤ كراچى)

كل قرض جر نفعاً فهو حرام أي إذا كان مشروطاً وإن لم يكن النفع مشروطاً في القرض لا بأس به. (شامي ٣٩٥/٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۳/۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بذریعہ قرعہ غریبوں کے نام بلڈنگ کرکے اگلی قسطیں معاف کرنے والی ایجنسی کا حکم؟

سوال (۲۰۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک رجسٹرڈ ایجنسی ہے، وہ اپنی معرفت زمین فروخت کرتی ہے کہ غرباء فائدہ اٹھائیں، جن کے پاس مکان نہیں ہے اور کرایہ سے دوچار ہیں، اور ان کے پاس یک مشت دینے کے لئے اتنی رقم نہیں ہے کہ وہ نقد رقم دے کر مکان بنانے کے لئے زمین خرید سکیں، ایسے لوگوں کے لئے قسطوں پر مکان بنانے کے لئے پچاس گز کی زمین ایک ایجنسی دینا طے کرتی ہے، اس پچاس گز زمین کی قیمت ایجنسی نے جو قائم کی وہ گیارہ ہزار پانچ سو روپیہ قائم کی، اب اس کے بعد وہ یہ رقم طے کرتی ہے کہ

صرف دوسو پچاس آدمیوں کو بسہولت دیں گے، جب یہ تعداد پوری ہو جائے گی تو کسی کو نہیں ملا کریں گے، اور تین سو روپیہ ماہانہ قسط وصول کرنا طے کرتی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ایک رول اور ادا کرتی ہے، جو قابل غور ہے وہ یہ کہ ان دوسو پچاس لوگوں کے درمیان ۳۶/ پلاٹ گفٹ کرنا طے کرتی ہے، اس انداز پر کہ ہر ماہ کی متعین تاریخ پر قرعہ ڈالا جائے گا، اور ان دوسو پچاس میں سے جس کا نام قرعہ میں آوے گا وہ ایجنسی اس کو ایک پلاٹ گفٹ کردیگی، اور بعد کی قسطوں کو معاف کردے گی، مثلاً ایک آدمی کو تین سو روپئے قسط سے ۳۶/ماہ میں گیارہ ہزار پانچ سو روپیہ ادا کرنے تھے، اب اس کا نام ایک قسط جمع کرنے پر نکل آیا، قرعہ سے تو ۳۶/ماہ کی قسط معاف ہوں گی، اور یہ ترتیب قرعہ اندازی کی ہر ماہ چلے گی، تب ۳۶/ پلاٹ گفٹ ہوسکیں گے کسی کا قرعہ میں نام ۳۰/ماہ کے بعد نکلا، اس کے پانچ ماہ کی قسط معاف ہوں گی، اس طرح پر کسی ایجنسی سے سودا کرنا شرعاً درست ہے، اور جن لوگوں نے ایسا کرلیا ہے تو کیا ان کے لئے وہ مکان گفٹ میں ملا ہوا صحیح مانیں اور جن لوگوں نے پوری رقم ادا کرکے زمین حاصل کیا وہ زمین ان کے لئے درست ہے؟

نوٹ:- ایجنسی کے ایجنٹوں سے جب اس اشکال کا اظہار کیا گیا کہ کہیں یہ جوے کی شکل تو نہیں ہے، تو اُن کا جواب یہ ہے کہ ہم نے یہ گفٹ کی اسکیم ترغیب دینے کے لئے رکھی ہے؛ تاکہ دوسو پچاس ممبر بننے میں لوگ دلچسپی لیں، اور جلد ممبر پورے ہوجائیں، ہم نے ۳۶/ پلاٹ گفٹ میں دینا جو طے کیا ہے، ان کی پوری قیمت ان ۱۱/ ہزار پانچ سو روپیوں میں چڑھائی گئی؛ تاکہ ہم کو یہ ۳۶/ پلاٹ بطور گفٹ دینے پر کوئی نقصان نہ ہو، اسی طرح خریدار لوگوں کو بھی کسی نہ کسی درجہ میں فائدہ حاصل ہوجائے، اور اگر خریدار کی نیت ہی یہ ہے کہ پوری قسطیں دوں گا اور اس کی نیت کے مطابق پوری ادائیگی پر زمین حاصل ہوئی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص پوری مقررہ رقم دے کر مکان کا مالک بنے، اس کے لئے تو یہ معاملہ بلاشبہ جائز ہے؛ لیکن قرعہ ڈال کر پلاٹ نام کردینے اور اگلی قسطیں معاف

کردینے کا معاملہ شرعاً جائز نہیں ہے، یہ قمار اور جوئے میں داخل ہے؛ اس لئے کہ یہاں پلاٹ کی تملیک کی شرط قرعہ میں نام نکلنا ہے، جو غیر یقینی اور غیر متعین ہے، شرعاً یہی جوا ہے۔

ثم عرفوه بأنه تعليق الملک على الخطر و المال في الجانبين. (قواعد الفقه ٤٣٤)

ایجنسی والوں کو چاہئے کہ وہ اس جوے کی صورت کو ختم کردیں اور خریداروں کو متوجہ کرنے کے لئے دوسری جائز شکلیں اپنائیں، مثلاً ۳۶؍ پلاٹوں کی جو قیمت بنتی ہے اس کے بقدر تمام گاہکوں سے قیمت کم کردیں اور ایک مقررہ قیمت پر ہی سب گاہکوں کو پلاٹ فراہم کردیں، جن لوگوں نے جوے کے طریقہ پر مکان لے لیا ہے، وہ اسے واپس کرکے از سرنو مقررہ قیمت پر ایجنسی سے معاملہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۵/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیمہ اور اِنشورنش کے اَحکام

مجبوری میں دوکان ومکان کا بیمہ کرانا ؟

سوال (۲۰۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مارکیٹ میں سبھی مذاہب والوں کی دوکانیں ہیں، اور ہماری بھی دوکانیں اور فیکٹریاں ہیں، کاروبار کو بڑھانے باقی رکھنے اور محفوظ رکھنے کے واسطے بینک سے سود پر لینا اور کاروبار کو اس سے بڑھانا اور چلانا جائز ہے یا نہیں؟ نیز زندگی بیمہ یا دوکان بیمہ کرانا کیسا ہے؟ جب کہ آئے دن ہندو مسلم تعصّبانہ وفرقہ وارانہ فساد میں اکثر ہماری دوکانیں لوٹی اور جلائی جاتی ہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض کاروبار بڑھانا اباحت سود کی علت نہیں بن سکتا، اِسی طرح زندگی بیمہ کے جواز کا ذریعہ بھی قرار نہیں دیا جاسکتا؛ البتہ دوکان اور مکان کے بیمہ کی ضرورۃً اجازت ہے، جب کہ واقعۃً بغیر بیمہ کے مال کے ضیاع کا اندیشہ ہو، جیسا کہ ہندوستان کی موجودہ حالت ہے۔ (رسالہ: ندائے شاہی بابت اپریل ۹۲ مضمون: انشورنس کا شرعی حکم ۴۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱۱/۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَملاک کے بیمہ میں نقصان کے بقدر قیمت لینا؟

سوال (۲۰۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شہر بمبئی میں کرایہ پر چلنے والی گاڑیاں یونین سے منسلک ہوتی ہیں، یعنی ہر مہینہ میں گاڑی کا انشورنس بھر جاتا ہے، اور بغیر انشورنس کے کوئی گاڑی روڈ پر چل نہیں سکتی، اور یہ انشورنس اس بات

کی ضمانت ہوتی ہے کہ اگر گاڑی کسی حادثہ میں یا ڈرائیور کسی حادثہ میں مر جائے یا اور کوئی بات ہو، تو یونین اس حادثہ میں ہلاک شدہ کی قیمت ادا کرتی ہے، اور یہ رقم گاڑی کے مالک کو ملتی ہے، تو کیا مالک کو یہ رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں جب کہ انشورنس کرائے بغیر گاڑی سے نفع نہیں اٹھایا جا سکتا، اس لئے انشورنس کی اجازت دی جائے گی، اور ہلاک ہونے کی صورت میں ہلاک شدہ مال کے بقدر رقم انشورنس کمپنی سے بطور امداد و اِعانت لینا جائز ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۴۵)

الضرورات تبيح المحظورات. (شرح المجلة ۲۹ رقم المادة: ۲۱، الأشباه والنظائر / القاعدة الخامسة ۸۷ مكتبة دار العلوم ديوبند، قواعد الفقه ۸۹ رقم: ۱۷۰ دار الكتاب ديوبند)

الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً أو خاصةً. (شرح المجلة لسليم رستم باز ۳۳ رقم المادة: ۳۳، الأشباه والنظائر / الفن الأول، القاعدة الخامسة ۹۳)

وإن كان صاحب السوكرة هو صاحب المركب يكون أجيرًا مشتركًا – إلى قوله – ولو قال: إن كان مخوفًا وأخذ مالك فأنا ضامن ضمن. (شامي ۱۷۰/٤ كراچى) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۱/۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گاڑیوں کا بیمہ کرانا؟

سوال (۲۰۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے اس ملک جنوبی افریقہ میں تقریباً پانچ لاکھ گاڑیاں ہیں، اور سالانہ تقریباً ۷۵/ہزار گاڑیاں چوری ہوتی ہیں، اور تقریباً ۲۰/فیصد سے بھی کم گاڑیوں کو پولیس تلاش کر کے واپس دینے میں کامیاب ہوتی ہے، مسروقہ گاڑیاں یا تو فوراً توڑ کر اس کے پرزے بیچ دئے جاتے ہیں یا قرب

وجوار کے افریقی ممالک میں بڑی ہی کم قیمت پر فروخت کردیا جاتا ہے، اور ایکسیڈنٹ کی شکل میں مجرم کو دوسری گاڑی کا بھی جو نقصان ہوا ہے، اس کا ضمان ادا کرنا ہوتا ہے، اور کبھی یہ ضمان ۲۰/ ہزار اینڈ سے لے کر ۵۰/ ہزار اینڈ بھی ہو جاتا ہے، آیا اس صورت حال میں گاڑیوں کا بیمہ کرانا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ بیمہ کرالینے کے بعد کمپنی گاڑی کے چوری ہوجانے کی شکل میں پوری گاڑی کی قیمت اور ایکسیڈنٹ کی صورت میں طرفین کی گاڑیوں کو جو نقصان ہوا ہے، اس کو ادا کرنے کی ذمہ داری لیتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: املاک کے بیمہ کا معاملہ ضوابطِ شرعیہ کی رو سے قمار اور سٹہ کے دائرہ میں آتا ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۳/ ۱۶۱)

اس لئے حتی الامکان اس طرح کے معاملہ سے احتراز لازم ہے، البتہ اگر ناگزیر صورتِ حال ہو یا حکومت کی طرف سے قانوناً بیمہ کرانا لازم ہو تو ضرورۃً املاک کا بیمہ کراکے اس سے نقصان کی تلافی کی گنجائش ہے، خاص طور پر چوری کی شکل میں چوں کہ حفاظت کی ذمہ داری پولیس اور حکومت پر ہے، تو کوتاہی پر اس کو ضامن قرار دیا جاسکتا ہے۔

كذا تستفاد من عبارة الشامية: وإن كان صاحب السوكرة هو صاحب المركب يكون أجيرًا مشتركًا قد أخذ أجرة على الحفظ، وعلى الحمل، وكل من المودع والأجير المشترك لا يضمن ما لا يمكن الاحتراز عنه كالموت والغرق ونحو ذٰلك. (شامي، الجهاد / باب المستأمن، مطلب: مهم فيما يفعله التجار الخ ۴/ ۱۷۰ كراچي، ۶/ ۲۸۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۱۱/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گاڑی کا بیمہ کرانے کی دو شکلیں اور ان کا حکم

سوال (۲۰۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: بیمہ کرانے کے بارے میں یہاں گاڑیوں کا بیمہ کرانا سرکاری قانون کے اعتبار سے ضروری ہے، اس کے بغیر گاڑی نہیں چلا سکتے۔ یہاں بیمہ دو قسم کا ہے: پہلی قسم میں بیمہ کمپنی کو پیسے کم بھرے جاتے ہیں، صرف اس سے اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ اب قانوناً گاڑی چلا سکتے ہیں؛ لیکن کسی حادثہ کے وقت کوئی بھی خرچ بیمہ کمپنی کے ذمہ نہیں ہوتا اور سارا خرچ گاڑی کے مالک سے وصول کیا جاتا ہے، اور گاڑی میں بیٹھنے والی سواری کا سارا خرچ گاڑی مالک کے نام کیا جاتا ہے؟ دوسری قسم بیمہ کی جس کو تھرڈ پارٹی کہتے ہیں، اس میں گاڑی مالک کی طرف سے بیمہ کمپنی کو پیسے زیادہ بھرے جاتے ہیں؛ لیکن اس میں حادثہ کے وقت بیمہ کمپنی گاڑی کا اور گاڑی میں بیٹھنے والی سواریوں کا جو بھی نقصان پہنچتا ہے، اس کی ضامن ہوتی ہے اور خرچ پورا ادا کرتی ہے، اور چوری ہونے پر بھی کمپنی ضامن ہوتی ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس میں دونوں صورتیں جائز ہیں یا ایک؟ واضح رہے کہ یہاں کے ماحول کے اعتبار سے حوادث اکثر ہوتے رہتے ہیں، اور گاڑیوں کی چوریاں بھی ہو جاتی ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب کہ گاڑی چلانے کے لئے بیمہ کرانا لازم ہے تو اس حق کو حاصل کرنے کے لئے بیمہ کرانے کی اجازت ہے، اور اگر شدید ضرورت محسوس ہو اور کثرت سے خطرات پیش آتے ہوں، تو دوسری صورت اختیار کرنے کی بھی گنجائش ہوگی؛ تاکہ آئندہ مضرتوں سے بچا جا سکے۔ (احسن الفتاویٰ ۳۵/۷ زکریا، فتاویٰ نظامیہ ۲۲۵/۱)

الضرورات تبيح المحظورات. (شرح المجلة ۲۹ رقم المادة: ۲۱، الأشباه والنظائر / القاعدة الخامسة ۸۷ مكتبة دار العلوم ديوبند، قواعد الفقه ۸۹ رقم: ۱۷۰ دار الكتاب ديوبند)

الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً أو خاصةً. (شرح المجلة لسليم رستم باز ۳۳ رقم المادة: ۳۳، الأشباه والنظائر / الفن الأول، القاعدة الخامسة ۹۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۰/۲/۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

میڈیکل اِنشورنش کا شرعی حکم؟

سوال (۲۰۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میڈیکل اِنشورنش جو کہ غیر ممالک میں جانے کے لئے ضروری ہے، بطور خاص خلیجی ممالک میں جو لوگ ملازمت کے لئے جاتے ہیں، ان کو میڈیکل انشورنش کروانا حکومت کی جانب سے لازمی قرار دیا گیا ہے، آیا از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ایسی صورت میں شرعاً کیا تدبیر اختیار کی جائے؟ جب کہ حکومت کی طرف سے ایسا کرنا لازم ہے

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میڈیکل انشورنش اصلاً ناجائز ہے؛ لیکن جہاں قانونی مجبوری ہو، تو اس کی گنجائش ہے۔

وقال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [المائدة: ۹۰]

الضرورات تبيح المحظورات. (شرح المجلة ۲۹ رقم المادة: ۲۱، الأشباه والنظائر / القاعدة الخامسة ۸۷ مكتبة دار العلوم ديوبند، قواعد الفقه ۸۹ رقم: ۱۷۰ دار الكتاب ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۸/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حالتِ اضطرار میں بیمہ صحت کا حکم؟

سوال (۲۰۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جنوبی افریقہ کے سرکاری ہسپتالوں میں علاج کا معیار بہت ہی گھٹیا ہو چکا ہے، اور آگے چل کر اس معیار کے بہتر ہونے کی کوئی امید نہیں ہے، چوں کہ کافی ماہر ڈاکٹر ملک کی سیاسی کشمکش اور قتل وفساد کی وجہ سے ملک چھوڑ کر چلے گئے، بہت سے افریقی ڈاکٹر ہسپتالوں میں آنے لگے، وہ نہ تو اپنے فن میں اتنے ماہر ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کو کوئی خاص تجربہ ہوتا ہے، یہاں پرائیویٹ ہسپتال

میں علاج بہت ہی مہنگا ہے، یومیہ ایک ہزار اینڈ اور معمولی سا آپریشن ۱۰؍ ہزار اینڈ کا ہوتا ہے، اور اگر دل کا آپریشن کرایا جائے، تو وہ ۶۰؍ ہزار سے لے کر ایک لاکھ اینڈ تک ہوسکتا ہے، اس صورت میں ہمارے لئے بیمہ صحت کرانا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ ایسا بیمہ کرالینے کے بعد کسی بھی قسم کا آپریشن کسی بھی قسم کا علاج وہ کرواتے ہیں، اور چاہے کتنا ہی خرچہ ہو، وہ ادا کرتے ہیں، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ آپ ماہانہ متعین قسط بیمہ کمپنی کو ادا کریں، اس کے بعد وہ آپ کا علاج کرانے کے ذمہ دار ہوتے ہیں، اگرچہ آپ کو پہلی ہی قسط ادا کرنے کے بعد کتنا بڑا آپریشن کرنے کی ضرورت پڑے، جب کہ ہر ایک انسان چاہتا ہے کہ اس کا علاج بہتر سے بہتر ہو؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیمہ صحت سود اور قمار پر مشتمل ہونے کی بنا پر حرام ہے، کسی بھی ضابطہ شریعت سے اپنی جان کی صحت کی ذمہ داری دوسرے شخص پر کمپنی یا حکومت پر نہیں ڈالی جاسکتی۔ (جواہر الفقہ ۱۸۲/۲، فتاویٰ محمودیہ ۴۵۴/۲۴ میرٹھ)

ہاں اگر کوئی شخص انفرادی طور پر مخمصہ اور اضطرار کی حالت کو پہنچ جائے اور کوئی بھی مستند عالم اس کے حالات کا مشاہدہ کر کے مجبوراً اس کی جان بچانے کے لئے مذکورہ حالات میں صحت کے بیمہ کی اجازت دے تو اس کی گنجائش ہوگی۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [المائدة: ۹۰]

يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح. (الأشباه والنظائر ۱۴۹/۱)

الضرورات تبيح المحظورات. (شرح المجلة ۲۹ رقم المادة: ۲۱، الأشباه والنظائر / القاعدة الخامسة ۸۷ مكتبة دار العلوم ديوبند، قواعد الفقه ۸۹ رقم: ۱۷۰ دار الكتاب ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۷/۱۱/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہندوستان میں جان مال یا تعلیم اطفال کے لئے بیمہ کرانا؟

سوال (۲۰۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا ہندوستان میں جان مال یا تعلیم اطفال کے لئے بیمہ کرانا جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جانی اور تعلیمی بیمہ کی قطعاً اجازت نہیں، اور قانونی مجبوری ہوتو املاک کے بیمہ کی گنجائش دی گئی ہے۔ (معارف القرآن ۱/ ۴۸۰، ایضاح النوادر ۱/ ۱۳۳)

وقال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [المائدۃ: ۹۰]

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿یَسْاَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَا اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَکْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا﴾ [البقرۃ، جزء آیت: ۲۱۹] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۳/ ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زندگی بیمہ کرانا جائز نہیں

سوال (۲۱۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زندگی کا بیمہ کرانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جیون بیمہ کا معاملہ سود اور قمار دونوں کو شامل ہے لہٰذا بلا سخت مجبوری اور قانونی دشواری کے اس جیسے معاملہ کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

قال تعالیٰ: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [المائدۃ: ۹۰] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲/ ۸/ ۱۴۱۱ھ

پرائیویڈنٹ فنڈ کا انشورنش؟

سوال (۲۱۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سرکاری ملازم کی تنخواہ سے جیون بیمہ لازمی طور پر کاٹ لیا جاتا ہے، یا پی، ایف، فنڈ جمع کرلی جاتی ہے، ان سبھوں پر بھی رٹائر ہونے کے وقت سود کی رقم کے ساتھ اصل کو جوڑکر ادا کردی جاتی ہے، اُس کا لینا اور ضروریات زندگی پر صرف کرنا کیسا ہے؟ یہ مسئلہ سمجھ میں نہیں آتا جب کہ شروع میں جمع کی گئی رقم کا وزن بعد میں گھٹ کر تہائی یا آدھا ہوجاتا ہے، نیز اس میں سرکاری ملازم کو پنشن اور گریجویٹی بھی ملتی ہے، یہ سبھی درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکاری ملازم کا وہ فنڈ اور لازمی بیمہ جو اس کی تنخواہ سے جبراً کاٹ لیا جاتا ہے، اس پر بعد میں ملنے والا اضافہ شرعاً محض تبرع ہے سود نہیں ہے، اُس کا اپنے استعمال میں لانا جائز ہے، اِسی طرح پنشن اور گریجویٹی بھی اس کے لئے حلال ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۳۹۳/۱۶ ڈابھیل)

اور آدھا، تہائی اسی تناسب سے رقم زائد ملنی چاہئے تو یہ کوئی شرعی چیز نہیں ہے، جس کا اعتبار کیا جائے، شرعاً قرض یا استحقاق میں اصل رقم کا اعتبار رہوتا ہے، درمیان میں قیمت کے تفاوت پر مدار نہیں رکھا جاتا۔

وتستحق بإحدیٰ معاني ثلاثة: إما بشرط التعجیل أو بالتعجیل من غیر شرط أو باستیفاء المعقود علیه. (الهدایة، کتاب الإجارة / باب الأجر متی یستحق ۲۹۲/۳ مکتبة شرکة علمیة ملتان)

قوله: بالتعجیل أو بشرطه أو بالاستیفاء أو بالتمکن، یعني لا یملک الأجرة إلا بواحد من هٰذه الأربعة، والمراد أنه لا یستحقها الموجر إلا بذٰلک.

(البحر الرائق / کتاب الإجارة ۵۱۱/۷ زکریا)

ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل من غير شرط أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وجد أحد هٰذه الأشياء الثلاثة فإنه يملكها، وكما يجب الأجر باستيفاء المنافع، يجب بالثمن من استيفاء المنافع، إذا كانت الإجارة صحيحة. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الإجارة / الباب الثاني ٤١٣/٤ زكريا، كذا في شرح المجلة لسليم رستم باز رقم القاعدة: ٤٦٨ ص: ١٦١-١٦٢ مكتبة حنفية كوئٹه، شرح المجلة لخالد الأتاسي ٥٤٩/٢-٥٥٠ مكتبة حبيبة كوئٹه) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۲/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیمہ سے ملنے والی رقم کا حکم؟

سوال (۲۱۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بیمہ سے ملنے والی رقم جائز ہے یا وہ بھی بیاج سمجھی جائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنی اصل جمع شدہ رقم سے جو زیادہ مل رہی ہے، وہ سود ہے، اسے ذاتی استعمال میں نہ لائیں۔

كل قرض جر نفعًا حرام أي إذا كان مشروطًا. (شامي ١٦٦/٥ کراچی، ٣٩٥/٧ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۷/۵/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کسی عالم کے فتویٰ کو بنیاد بنا کر لائف انشورنس کرانا؟

سوال (۲۱۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک غریب عیال دار شخص ہے، اُس کی آمدنی اتنی ہوتی ہے کہ کھا پی کر ختم ہوجاتی ہے،

اس کے پاس دوسری کوئی آمدنی نہیں ہے، وہ تھوڑا روپیہ بچا کر اپنے نام سے LIC لائف انشورنش کروانا چاہتا ہے؛ تاکہ مستقبل میں فائدہ ہو، زید کا کہنا ہے کہ ایک صاحب علم نے بتایا ہے کہ غریب آدمی جو بالکل مجبور رہو، اس کے لئے گنجائش ہے، اُنہوں نے فتاویٰ نظامیہ کا حوالہ دیا ہے کہ اس کے اندر اضطراری حالت میں بالکل غریب آدمی کے لئے جائز ہے؛ لہٰذا آپ سے گذارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں کہ زید کے لئے LIC کرانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لائف انشورنش کرانا قطعاً جائز نہیں ہے، یہ معاملہ سود اور جوئے پر مشتمل ہے، جن کی حرمت نصِ قطعی سے ثابت ہے، اس لئے اپنے اختیار سے لائف انشورنش کرانے کی اجازت ہرگز نہیں دی جاسکتی، معتبر علماء اور مفتیان کا فتویٰ یہی ہے، اور جن بعض مفتیان نے اس کی اجازت دی تھی، بعد میں اُن میں سے متعدد حضرات نے رجوع کرلیا ہے۔

(مستفاد: ایضاح النوادر ۱۳۲)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [المائدة: ٩٠]

ولا خلاف بين أهل العلم في تحريم القمار، وأن المخاطرة قمار، وأن أهل الجاهلية كانوا يخاطرون على المال والزوجة، وقد كان مباحًا إلى أن ورد تحريمه. (أحكام القرآن للجصاص ٤٦٥/٢ دار إحياء التراث العربي بيروت)

سمي القمار قماراً؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، و يجوز أن يستفيد مال صاحبه هو حرام بالنص. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب في الاستبراء، فصل في البيع ٥٧٧/٩- ٥٧٨ زكريا، جواهر الفقه ١٧٧/٢، دینی مسائل اور ان کا حل قدیم ١٠٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۱/۷/۲۷/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دارالعلوم کا فتویٰ دکھا کر L-I-C بیمہ کرانا

ســـوال (۲۱۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کچھ L-I-C بیمہ کے ایجنٹ آتے ہیں اور دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ دکھا کر لوگوں کے بیمے کراتے ہیں کہ دیکھو دارالعلوم دیوبند کا یہ فتویٰ ہے کہ بیمہ کرنا اور کرانا جائز ہے۔ L-I-C بیمہ کرانا جائز ہے یا ناجائز؟ اس سلسلہ میں جو فتویٰ جواز کا دکھاتے ہیں، کیا وہ واقعۃً دارالعلوم کا فتویٰ ہے یا وہ جعلی فتویٰ ہے؟ اِن بیموں سے ہندوستانی مسلمانوں کو بچنا لازم ہے یا بیمہ کرا سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جیون بیمہ کرنا یا کرانا ناجائز اور حرام ہے، یہ جوا اَور قمار پر مشتمل ہے، جو نص قرآنی سے حرام ہے، آج کے معتبر علماء اور مفتیان کا اس کے ناجائز ہونے پر اتفاق ہے، اور جن علماء نے بعض شرائط کی بنا پر اجازت دے دی تھی، اُن میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے رجوع کرلیا ہے، اور دارالعلوم کا فتویٰ بھی اسی زمانے کا ہے جس سے اب رجوع کرلیا ہے؛ لہٰذا اَب رجوع شدہ فتویٰ کو بنیاد بنا کر جیون بیمہ کے جواز کا قول نہیں کیا جا سکتا۔ (مستفاد: دینی مسائل اور ان کا حل ۲۸۵، ایضاح النوادر ۱۳۹، جواہر الفقہ ۲/۱۷۰، فتاویٰ عثمانی ۳/۳۳۱)

قال الله تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [المائدة: ۹۰]

إن القمار التي يزداد تارة وينقص الأخرى وسمي القمار قمارًا؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه وهو حرام بالنص. (شامي ۹/۵۷۸ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۷/۱/۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

علماء دیوبند کا انشورنش سے متعلق متفقہ فیصلہ؟

سوال (۲۱۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اسلامک فقہ اکیڈمی کی طرف سے چھپا ہوا ہندوستان کے موجودہ حالات میں انشورنش کے جواز کا فیصلہ ارسال خدمت ہے، اس میں انشورنش کے سلسلہ میں علماء دیوبند اور دیگر مدارس اسلامیہ کی عظیم شخصیتوں کے نام درج ہیں، کیا یہ جواز کا فیصلہ صحیح ہے؟ اس کتابچہ سے دانش ور حضرات میں خلجان ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ابتداء میں دارالعلوم دیوبند کی طرف سے انشورنش کے مطلق جواز کا بوجہ ضرورت فیصلہ کیا گیا تھا؛ لیکن بعد میں ادارۃ المباحث الفقہیہ کے اجتماع منعقدہ دیوبند میں جب اس موضوع پر مکمل بحث ہوئی، تو اس فیصلہ سے اکثر حضرات نے رجوع کرلیا اور اجتماع میں انشورنش کے عدم جواز پر ایک متفقہ تجویز منظور کی گئی، جس کی نقل آپ دفتر ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند-۱، بہادر شاہ ظفر مارگ نئ دہلی سے حاصل کرسکتے ہیں، اب فتویٰ یہی ہے کہ لائف انشورنش کی قطعاً اجازت نہیں ہے، اور جہاں ضرورت ہو وہاں املاک کے بیمہ کی مجبوراً گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۴/۶/۲۱ ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

لائف انشورنش کا منافع انکم ٹیکس میں لگانا؟

سوال (۲۱۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: لائف انشورنش یا بینک سے حاصل شدہ سود کا پیسہ انکم ٹیکس ادا کرنے کے لئے دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ یہ شخص جس کے پاس سود کا پیسہ ہے اپنے مال کی زکوٰۃ دیتا ہے، حکومت کے اس ظالمانہ قانون سے بچنے کے لئے کیا سود کا پیسہ دیا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود اور حرام مال میں اصل حکم یہ ہے کہ کسی بھی عنوان سے وہ رقم مالک تک پہنچ جائے، انکم ٹیکس کے نام پر حکومت جو ٹیکس لیتی ہے وہ غیر شرعی اور ایک قسم کا ظلم ہے، اس لئے لائف انشورنش (جو کہ شرعاً ناجائز ہے) یا بینک سے حاصل شدہ سودی رقم انکم ٹیکس کے ذریعہ حکومت کے خزانے کو لوٹانا جائز اور درست ہے۔

ولکن إن أخذه من غیر عقد لم یملکه ویجب علیه أن یرده علی مالکه إن وجد المالک، وإلا ففي جمیع الصور یجب علیه أن یتصدق بمثل تلک الأموال علی الفقراء، ...... لأنه لو أنفق علی نفسه فقد استحکم ما ارتکبه من الفعل الحرام ...... ولکن لا یرید بذٰلک الأجر والثواب، ولکن یرید دفع المعصیة عن نفسه. (بذل المجهود، کتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ۳۵۹/۱-۳۶۰ تحت رقم: ۵۹ مرکز الشیخ أبي الحسن الندوي، مظفرفور أعظم جراه، ایضاح النوادر ۱۰۰/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۷/۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

”لا ربا بین الحربي والمسلم“ کی رو سے ہندوستان میں بیمہ کا حکم؟

سوال (۲۱۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بیمہ کا شرعی حکم کیا ہے، بعض محققین اس کے جواز کے قائل ہیں اپنے ملک کے حالات کو دیکھتے ہوئے یہ ملک نہ تو دارالاسلام ہے اور نہ دارالامن؛ بلکہ دارالحرب ہے؛ کیوں کہ یہاں اسلامی احکام وحدود شرعیہ مکمل طور پر جاری ونافذ نہیں ہیں، اور بالکلیہ امن وامان بھی نہیں ہے، اور دارالحرب کے متعلق فقہاء کرام نے تحریر کیا ہے کہ: **”لا ربا بین الحربي والمسلم“** حربی اور مسلمان کے درمیان سود کا معاملہ نہیں ہوتا۔ نفع وانٹرسٹ لیا جا سکتا ہے، اور اگر مفتیان کرام عدم

جواز کے قائل ہیں، تو اس کا کیا مطلب ہے: ''لا ربا بين الحربي والمسلم'' ؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محققین علماء کے نزدیک ہندوستان میں دارالحرب کے احکامات جاری نہیں ہیں؛ کیوں یہاں کے حالات پر فقہاء کی متعین کردہ شرائط دارالحرب کو منطبق کرنا مشکل ہے، اور جزئیہ ''لا ربا بين الحربي والمسلم'' سے مسلم مستأمن مراد ہے، یعنی اگر کوئی مسلمان ویزا لے کر کسی دارالحرب میں جائے، تو اس کے لئے وہاں کے حربیوں سے سودی معاملات کی اجازت ہوگی؛ کیوں کہ حربیوں سے یہ معاملہ اگرچہ بظاہر سود معلوم ہوتا ہے؛ لیکن معنوی اعتبار سے طرفین کے نزدیک اس پر سود کی تعریف صادق نہیں آتی ہے؛ کیوں کہ دارالحرب میں حربی کا مال مسلمان کے لئے فی نفسہٖ مباح ہے، جب کہ اس میں دھوکہ شامل نہ ہو۔

لا ربا بين المسلم والحربي في دار الحرب؛ ولأن مالهم مباح، وينعقد الأمان منهم لم يصر معصومًا إلا أنه التزم أن لا يتعرض لهم بغدر، ولا لما في أيديهم بدون رضاهم، فإذا أخذ برضاهم أخذ مالا مباحاً بلا غدرٍ، فيملكه بحكم الإباحة السابقة. (البحر الرائق / قبيل باب الحقوق ١٣٥/٦-١٣٦ كراچی)

ولا بين حربي ومسلم مستأمن ولو بعقد فاسد، أو قمار ثمه؛ لأن ماله ثمة مباح، فيحل برضاه مطلقاً بلا غدر (درمختار) لأنه لما دخل دراهم بأمان، فقد التزم أن لا يغادرهم، وهٰذا القيد لزيادة الإيضاح؛ لأن ما أخذه برضاهم لا غدر فيه. (الدر المختار مع الشامي / باب الربا، قبيل باب الحقوق ٤٢٢/٧ زكريا)

ويجوز الربا عند الإمام بين مسلم ومن اٰمن ثمة لعدم العصمة في مال من أسلم ثمة، فصار كمال الحربي، ويجوز للمسلم أخذ مال الحربي برضاه. (مجمع الأنهر / قبيل باب الحقوق ٩٠/٢ دار إحياء التراث العربي بيروت، إيضاح النوادر ٩٥/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/۱/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جان کا بیمہ

سوال (۲۱۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا جان کا بیمہ کرانا جائز ہے اگر جائز نہیں تو کیوں؟ جب کہ بعض علماء اِس کی اجازت دیتے ہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جیون بیمہ شرعاً جائز نہیں ہے، آج کے معتبر علماء ومفتیان کا اس کے جائز نہ ہونے پر اتفاق ہے، جن علماء نے بعض شرائط کے ساتھ اِجازت دے بھی دی تھی، اُن میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے رجوع کرلیا ہے، اور اب فیصلہ یہی ہے کہ جیون بیمہ اپنی مرضی سے کرانا ناجائز ہے، کیوں کہ یہ معاملہ سود اور جوئے پر مشتمل ہے۔ (جواہر الفقہ ۱۷۰/۲، فتاویٰ رحیمیہ ۲۰۰/۲، فتاویٰ محمودیہ ۴۵۶/۲۴ میرٹھ، کفایت المفتی ۶۸/۷، امداد الفتاویٰ ۱۶۱/۳، امداد المفتیین ۸۵۴/۲، دینی مسائل اور ان کا حل ۱۰۹، ایضاح النوادر ۱۳۲/۱)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرۃ، جزء آیت: ۲۷۵]

وقال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [المائدۃ: ۹۰]

والآدمي مكرم شرعاً وإن كان كافراً فإيراد العقد عليه وابتذاله به وإلحاقه بالجمادات إذلال له أي وهو غير جائز. (شامي / باب البيع الفاسد، مطلب: الآدمي مكرم شرعًا ٢٤٥/٧ زكريا، تبيين الحقائق / باب البيع الفاسد ٤٤/٤ ملتان، مجمع الأنهر / باب البيع الفاسد ٥٩/٢ دار إحياء التراث العربي بيروت)

لأن القمار من القمر الذي يزداد تارةً وينقص أخرى، وسمى القمار قمارًا؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه، وهو حرام بالنص. (شامي ٥٧٧/٩ زكريا، جواهر الفقه ١٧٠/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۶/۲/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہندوستان میں LIC کرنا اور اس کا ایجنٹ بنا کر اجرت لینا کیسا ہے؟

سوال (۲۱۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہندوستان جیسے غیر اسلامی ملک میں LIC یعنی جیون بیمہ کرنا شرعاً کیسا ہے؟ اور اس کا ایجنٹ بننے کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں رہنے والے مسلمانوں کے لئے غیر مسلم کمپنیوں سے جیون بیمہ کروانا قطعاً حرام ہے؛ کیوں کہ یہ معاملہ سود اور جوئے پر مشتمل ہے، جس کی شریعت میں اجازت نہیں، اور اس حرام کام کا ایجنٹ بن کر اس کی اُجرت اور تنخواہ لینا بھی حلال نہ ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۸۴/۸، فتاویٰ محمودیہ ۳۸۷/۱۶ ڈابھیل، احسن الفتاویٰ ۲۴/۷، امداد الفتاویٰ ۱۶۱/۳، فتاویٰ رحیمیہ ۱۹۹/۲، ایضاح النوادر ۱۳۲/۱)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ﴾ [البقرة: ۲۷۸]

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة، جزء آيت: ۲۷۵]

وقال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [المائدة: ۹۰]

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم ۷۲/۲ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي ۲۲۹/۱ رقم: ۱۲۰۶، مشكاة المصابيح، البيوع / باب الربا ۲۴٤، مرقاة المفاتيح ۴۳/٦ رقم: ۲۸۰۷ دار الكتب العلمية بيروت)

عن عبد اللّٰه بن عمرو رضي اللّٰه عنه أن نبي اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم نهى عن الخمر والميسر. (سنن أبي داؤد ۵۱۹/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۶/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بھارتیہ جیون بیمہ نگم کے ایجنٹ کا کمیشن پر بیمہ کرانا؟

سوال (۲۲۰):-کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ''بھارتیہ جیون بیمہ نگم'' کا ایجنٹ ہوں، میرے کام کرنے کی صورت یہ ہے کہ ہم کو جس آدمی کا بیمہ کرانا ہوتا ہے، اس شخص کی قسط کے حساب سے LIC ہم کو کمیشن دیتی ہے۔

جس شخص کا ہم بیمہ کرتے ہیں اس کی نوعیت یہ ہے کہ مثلاً اس نے پچیس ہزار روپئے کا بیمہ پندرہ سال کی میعاد پر بنوایا، وہ ہم کو اس روپیہ کو قسطوں کی شکل میں آخری میعاد تک ادا کرے گا، میعاد پوری ہونے پر LIC اس کو بونس کے ساتھ ادا کرنے کی اس صورت میں پچیس ہزار روپئے کا بیمہ پندرہ سال کی میعاد پوری ہونے پر لگ بھگ پچاس ہزار روپئے ہو جائے گا، LIC اس کو ادا کرے گی۔

اگر وہ شخص پالیسی شروع کر لیتا ہے اور جو اس کی میعاد کی آخری شرط سے پہلے ہی وہ رخصت ہو جاتا ہے، تب LIC اس کو جتنے کا اس نے بیمہ کیا ہے، وہ اس کے رشتہ داروں یا اس کے قریبوں کو دے گی۔

دوکانوں اور مکانوں پر بھی روشنی ڈالئے گا جس کو ہم جنرل بیمہ کہتے ہیں۔

جس آدمی کا بیمہ ہے اس پر کیا مسئلہ عائد ہوتا ہے؟

ہندوستان کے ماضی کے حالات پر غور فرما کر ان مسئلوں کا جواب تحریر کیجئے آیا جائز ہے یا ناجائز؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زندگی بیمہ (لائف انشورنش) کا معاملہ شریعت کے اُصول کے اعتبار سے سود اور قمار یعنی جوئے پر مشتمل ہے؛ لہٰذا کسی مسلمان کے لئے اس طرح کا معاملہ خود کرنا یا دوسرے کے لئے اس کام میں واسطہ بننا یا دوسرے کا تعاون کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ، وَاتَّقُوْا اللّٰہَ، اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾ [المائدۃ، جزء آیت: ۲]

اور گناہ اور ظلم پر ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو۔ بریں بنا آپ کا بھارتیہ جیون بیمہ نگم کا ایجنٹ بننا اور لوگوں سے زندگی بیمہ کی پالیسیاں وصول کرنا صحیح نہیں ہے، اور سوال میں ذکر کردہ صورت سے پالیسی کی رقم لینا آپ کے لئے جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ ایک حرام کام میں تعاون ہے، دوکان مکان وغیرہ کے بیمہ کی بعض حالات میں مجبوری اجازت دی گئی ہے؛ لہٰذا اُس کا حکم زندگی بیمہ سے مختلف ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۸۲/۸، فتاویٰ محمودیہ ۲۴۰/۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۲/۴ھ

بیمہ کمپنی کی طرف سے ملنے والی اِضافی رقم اور بونس کا حکم؟

سوال (۲۲۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے والد صاحب نے بیس سال کا جیون بیمہ کرایا تھا، تقریباً بارہ سال تک وہ قسطیں ادا کرتے رہے، بارہ سال کے بعد پیغامِ اجل آیا، اور میرے والد رحلت فرما گئے، اِس عرصہ میں دو قسطوں میں چالیس ہزار روپئے بیمہ کمپنی سے آئے، انتقال کے بعد ایک رقم بینک میں میری والدہ کے اکاؤنٹ میں آئی، جو جمع شدہ رقم سے زیادہ تھی، اِس کے علاوہ اُسی کے ساتھ بونس کے نام سے کچھ رقم آئی؛ لہٰذا اَب اُس میں تین قسم کی رقم ہوگئی: (۱) جمع شدہ رقم (۲) بیمہ کمپنی کی طرف سے اضافی رقم (۳) بونس۔ ان تینوں رقموں کے متعلق از روئے شرع وضاحت فرمادیں کہ اسے کس طرح استعمال کیا جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جیون بیمہ کرانا شرعاً حرام ہے؛ تاہم صورتِ مسئولہ میں آپ کے والد مرحوم نے جیون بیمہ میں جو اصل رقم جمع کرائی ہے، وہ اُن کے انتقال کے بعد

ترکہ میں شامل ہوکر سب وارثین میں حسبِ حصصِ شرعیہ تقسیم ہوگی، اور اِس اصل رقم کے علاوہ جو زائد رقم آپ کی والدہ کے اِکاؤنٹ میں آئی ہے، یا بونس کے نام سے جو زائد رقم ملی ہے، اُن سب رقومات کا وارثین کے لئے استعمال جائز نہیں؛ بلکہ اُس کو بلانیتِ ثواب آپس کے مشورہ سے فقراء پر تقسیم کرنا لازم ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ ۱۷۰/۲، معارف القرآن ۴۷۶/۱، دینی مسائل اور اُن کا حل ۲۸۵-۲۸۶، فتاویٰ دار العلوم ۴۹۱/۱۴، کتاب الفتاویٰ ۳۵۸/۵، فتاویٰ رحیمیہ ۳۸۹/۹، ایضاح النوادر ۱۳۸-۱۳۹، محقق ومدلل جدید مسائل ۳۳۶-۳۳۷)

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة، جزء آیت: ۲۷۵]

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا اَضْعَافًا مُضَاعَفَةً﴾ [آل عمران، جزء آیت: ۱۳۰]

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ﴾ [البقرة: ۲۷۸]

قال اللّٰه تبارک وتعالیٰ: ﴿فَاِنْ لَمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ﴾ [البقرة، جزء آیت: ۲۷۹]

أخرج الحارث بن أبي سلمة في مسنده عن علي أمير المؤمنين: كل قرض جر منفعةً فهو ربا. (فيض القدير / حرف الكاف ٣٤/٥ رقم: ٦٣٣٦ دار الفكر بيروت، شامي ١٦٦/٥ كراچی)

عن فضالة بن عبيد صاحب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: كل قرضٍ جرَّ منفعة فهو وجه من وجوه الربا. (السنن الكبرى للبيهقي ٥٧٣/٥ رقم: ١٠٩٣٣ دار الكتب العلمية بيروت، تكمله فتح الملهم ٥٧٤/١)

عن ابن سيرين عن عبد اللّٰه يعني بن مسعود رضي اللّٰه عنه أنه سئل عن رجلٍ استقرض من رجل دراهم، ثم إن المستقرض أفقر المقرض ظهر دابته، فقال عبد اللّٰه: ما أصاب من ظهر دابته فهو ربا. قال أبو عبيد: يذهب إلى أنه قرض جرّ منفعة. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٥٧٣/٥ رقم: ١٠٩٣٢ دار الكتب العلمية بيروت)

إن القـمـار الذي يزداد تارةً وينقص أخرى وسمى القمار قمارًا؛ لأن كل واحـد مـن الـمـقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه وهو حرام بالنص. (شامي ۵۷۸/۲ زكريا)

وإذا مـات الـرجل وكسبه خبيث فالأولى لورثته أن يرد المال إلى أربابه، وإن لم يعرفوا أربابه تصدقوا به. (الفتاوىٰ الهندية ۳٤۸/۵)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عـقـد، ولا يمكنه أن يردّه إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة إلّا أن يـدفعه إلى الفقراء. (بـذل الـمـجهـود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ۳۵۹/۱ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه، ۱٤۸/۱ مصري، شامي ۵۵۳/۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۱۲/۶/۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

لائف انشورنش پر ملنے والے بونس کا حکم

سوال (۲۲۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زندگی بیمہ کرانے کے بعد جو بونس کمپنی کی طرف سے ملتا ہے اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ سود اور بونس میں کچھ فرق ہے وہ یہ کہ سود کی شرح مقرر ہوتی ہے اور پہلے سے بتائی جاتی ہے، ایک سال یا دو سال جو کمپنی کی میعاد ہوتی ہے، کے بعد کمپنی کو جو منافع ہوتا ہے، اسے پالیسی لئے ہوئے لوگوں کے درمیان تقسیم کرتی ہے، انشورنش کمپنی میں پروفٹ یعنی منافع کا حساب آج کل ایک سال کے بعد ہوتا ہے، اور جتنا منافع ہوتا ہے اس کا پانچ فیصد حکومت ہند کو دیا جاتا ہے اور بقیہ ۹۵ رفیصد انشورنش ہولڈرس یعنی زندگی بیمہ کرانے والوں کے درمیان تقسیم کردیا جاتا ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ بونس بھی سود ہی ہے؛ اس لئے کہ یہ اُسے ہی ملتا ہے

جس نے بیمہ کی رقم جمع کر رکھی ہو، دوسروں کو نہیں دیا جاسکتا، معلوم ہوا کہ یہ قرض پر نفع ہے دوسرے یہ کہ بیمہ کمپنی جو نفع اٹھاتی ہے وہ بھی سراسر سود ہی ہوتا ہے، اس بنا پر بھی اس کا لینا درست نہیں ہے۔

(مستفاد: جواہر الفقہ ۲/۲۱۸ وغیرہ)

كل قرض جر نفعًا حرام أي إذا كان مشروطًا. (شامي ١٦٦/٥ كراچی، ٣٩٥/٧ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۲/۲۳/ ۱۴۱۳ھ

پنشن کے ساتھ لائف انشورنس کی ایک شکل

سوال (۲۲۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ دینیہ وصیۃ العلوم کے دارالافتاء میں آئے ہوئے بعض سوالات اِرسالِ خدمت ہیں، اس قسم کے جدید مسائل کے حل کے لئے ہمارا قلم نہیں اٹھ پاتا ہے، جب تک کہ اپنے ہم عصر علماء کی اس بارے میں رائے نہ معلوم کرلیں۔

چنانچہ مرسلہ دونوں سوالات کے پرچے بھی کچھ اس طرح ہی کے ہیں، ان میں سے کمپنی کی اشیاء کے خرید وفروخت والے استفتاء کے بارے میں مزید وضاحت ہم نے جو باہر سنی ہے، (سائل نے اس کو نظر انداز کردیا ہے) وہ یہ ہے کہ کمپنی ایسی اشیاء تیار کرتی ہے کہ جو بازار میں بہت کم دستیاب ہوتی ہیں، جیسے ورزش کا کام، جوڑوں کے درد کو دور کرنے والا بستر وغیرہ، ان اشیاء کی قیمتیں بھی بے انتہاء ہوتی ہیں، بائع بھی اس خوش فہمی میں کہ ’’پھر میں مزید خریداروں کو لاکر زائد لگائی ہوئی گئی گنا زیادہ ملاکر حاصل کرلوں گا‘‘ وہ چیزیں خرید لیتا ہے؛ لیکن اکثر خریداروں کو دوسرے نئے خریدار مل نہیں پاتے ہیں، تلاش بسیار کے بعد وہ خاموش رہ جاتے ہیں، اس طرح کمپنی اپنے گاہکوں کو نئے گاہکوں کو لے آنے کی صورت میں انہیں کمیشن دینے کا جھانسہ دلاکر لاکھوں روپئے لوٹ لیتی ہے؟ امید ہے کہ حضرت والا ان سوالات کے تفصیلی جوابات مستدلات کے ساتھ عنایت

فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

(۲) ایک سرکاری ملازم جب اپنی سروس ۵۸؍سال کی عمر تک پوری کر لیتا ہے، تو حکومت کی طرف سے پنشن جاری ہوجاتی ہے، مزید دفتروں میں وہ کام نہیں کرتا، پنشن والوں کے حق میں حکومت کی طرف سے یہ رعایت ہوتی ہے کہ جو پنشن والا اپنی تہائی پنشن ہر ماہ حکومت کو ضبط کر لینے کی اجازت دے دیتا ہے، وہ رقم دس سال کی مدت کے بقدر یک مشت مل جاتی ہے، مثلاً کسی کو ہر ماہ ۶؍روپئے پنشن کے ملتے ہیں، اوراب ہر ماہ دو ہزار کی ضبط کی اجازت دے دیتا ہے، تو دس سال کی رقم ۲؍لاکھ۴۰؍ہزارروپئے یک مشت مل جاتے ہیں، اوراس کے بعد ہر ماہ۴؍ہزارروپئے آتے رہتے ہیں۔

یہاں تک کہ جب مکمل پندرہ سال ہوجاتے ہیں، تو پھر وہی ۶؍ہزار جاری ہوتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ دس سال کے بقدر رقم دس تک ادا کر دینے سے اکتفاء نہیں کیا جاتا ہے؛ بلکہ یک مشت مذکورہ ۲؍لاکھ۴۰؍ہزارروپئے لینے کی وجہ سے وہ رقم ادا ہوجانے کے بعد بھی مزید پانچ سال تک پنشن والے کی رقم بطور قرض ہر ماہ دوہزار روپئے ضبط کئے جاتے ہیں، اس طرح مزید ایک لاکھ۲۰؍ہزارروپئے وصول کئے جاتے ہیں۔

ایسی صورت میں سوال یہ ہے کہ پنشن والے کوایسا قرض لینا جائز ہے یانہیں؟

اطلاع:- پندرہ سال کے دوران پنشن والا مرجاتا ہے، تو نامی کو ہر ماہ مذکورہ دو ہزارروپئے ادا کرنے کی ضرورت نہیں، وہی ۶؍ہزارروپئے جاری ہوجاتے ہیں، اگرچہ مذکورہ قرض لینے کے بعد کچھ بھی ادا کئے بغیر ہی پنشن والا مرجائے، تب بھی پوری رقم نامی کوملنی شروع ہوجاتی ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تفصیلی سوال کی نوعیت پڑھنے سے اندازہ ہوا کہ یہ معاملہ قرض کے ساتھ ساتھ لائف انشورنس پر مشتمل ہے؛ اس لئے کہ پنشن سے ایک مقدار ضبط کرنے پر جو بڑی رقم بطور قرض دی جارہی ہے، اگر یہ شخص زندہ رہا تو اس رقم سے بہت زیادہ رقم اس سے پندرہ سال میں وصول کی جائے گی، یہ کھلا ہوا سود ہے، نیز چوں کہ اس میں یہ شرط بھی لگی ہوئی ہے کہ ان

پندرہ سالوں میں اگر پنشن لینے والا مرگیا، تو اس سے مابقیہ قرض معاف ہوجائے گا، اور سابقہ پنشن پوری کی پوری اس کے وارث کے نام جاری ہوجائے گی، یہ لائف انشورنس کی ایک شکل ہے، جس کی قطعاً اجازت نہیں ہے؛ لہٰذا پنشن والوں کو اس طرح معاملہ کرنا شرعاً حرام ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱۳۳)

عن جابر بن عبد اللّٰہ رضي اللّٰہ عنہ قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم آکل الربوا ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ، وقال: ھم سواء. (صحیح مسلم ۷۲/۲ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي ۲۲۹/۱ رقم: ۱۲۰۶، مشکاۃ المصابیح، البیوع / باب الربا ۲۴۴، مرقاۃ المفاتیح ۴۳/۶ رقم: ۲۸۰۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

سمی القمار قماراً؛ لأن کل واحد من المقامرین ممن یجوز أن یذھب مالہ إلی صاحبہ، و یجوز أن یستفید مال صاحبہ وھو حرام بالنص. (شامي، کتاب الحظر والإباحۃ / باب في الاستبراء، فصل في البیع ۵۷۷/۹- ۵۷۸ زکریا، جواھر الفقہ ۱۷۷/۲، دینی مسائل اور ان کا حل قدیم ۱۰۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۶/۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیمہ کمپنی میں جمع شدہ رقم کو بچانے کے لئے بقیہ قسطیں پوری کرنا؟

سوال (۲۲۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم لوگوں نے اپنی جہالت اور عدم علم کی بنا پر جیون بیمہ کرالیا ہے، اور دو قسطوں میں تقریباً ساڑھے تیرہ سو روپیہ جمع بھی کرچکے ہیں، اب بعض اہل علم کے ذریعہ معلوم ہوا کہ جیون بیمہ کرانا ناجائز ہے، تو اب اگر ہم بقیہ قسطیں جمع کرنا بند کردیں تو جواب تک ۱۳۵۰/ روپئے دو قسطوں میں جمع ہوچکے ہیں، وہ ضائع ہوجائیں گے واپس نہیں ملیں گے، اور ہم لوگ کاشتکار ہیں، ۱۳۵۰/ روپئے بھی ہمارے لئے بہت کچھ ہیں، تو ان کو ضیاع سے بچانے کی غرض سے تین سال تک قسطیں جمع کرتے رہیں اور پھر ہم اپنا بیمہ ختم کراکے جمع شدہ روپیہ لے لیں، تو بیمہ والوں نے بتایا ہے کہ جمع

شدہ روپیہ مل سکتا ہے، اور اگر اس سے قبل لیں گے تو جمع شدہ رقم واپس نہیں ملے گی۔

تو دریافت یہ کرنا ہے کہ ایسے حالات میں کیا شریعت اجازت دیتی ہے کہ ہم اپنا روپیہ بچانے کی غرض سے تین سال تک جمع کردیں، پھر بیمہ ختم کرکے اپنا روپیہ واپس لے لیں یا نہیں؟ نیز جو سود ملے گا وہ بلانیت ثواب فقراء پر تقسیم کردیں گے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس بارے میں کوئی صریح جزئیہ تو نہیں ملا؛ البتہ ضوابط شرعیہ: "**الضرر يزال**" اور "**لا ضرر و لا ضرار**". (الاشباه ۱۳۹) سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ شخص محض اپنے جمع شدہ روپیوں کو ضیاع سے بچانے کے لئے تین سال تک بیمہ میں رقم جمع کرے پھر اپنی اصل رقم نکال کر زائد سود بلانیت ثواب فقراء پر تقسیم کردے تو اس کے لئے ایسا کرنے کی گنجائش ہے۔

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٣٦٥/٦ كراچی، ٥٥٣/٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۶/۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

لائف انشورنش کے نام سے بینک میں روپیہ جمع کرنا؟

سوال (۲۲۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: LIC کے نام سے بینک میں روپئے جمع کرنا اس نیت سے کہ دس پندرہ سال کے بعد رقم کی واپسی ڈیوڑھا یا دوگنا یا تین گنا اضافہ کے ساتھ ملے گی، کیا یہ صورت ناجائز ہے یا جائز؟

مسئلہ مذکورہ میں اگر یہ نیت کی جائے کہ بینک سے جو رقم ملے گی، اس سے اولاد کی شادی کردیں گے، یا اس سے کوئی تجارت وپیشہ اختیار کریں گے یا اور کوئی اہم کام میں اس رقم کو خرچ کریں گے، تو کیا ان تینوں کی وجہ سے LIC کے نام سے بینک میں روپیہ جمع کروانا ترغیب دلاکر

ناجائز اور حرام ہے؟

اور اگر کوئی یہ سوچے کہ روپیہ ہمارے پاس جمع نہیں رہ پاتا ہے، اِدھر اُدھر خرچ ہوجاتا ہے، بغرض حفاظت جمع کرے اور اصل رقم سے زائد لینے کی آرزو نہ ہو؛ لیکن اگر ملے تو لے لینا ہے؛ لیکن جمع کرانے کا اصل مقصد حفاظت ہے، تو زائد وصول کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لائف انشورنش (LIC) میں روپیہ جمع کرنا جائز نہیں ہے، یہ سود اور جوا ہے۔

والآدمي مكرم شرعاً وإن كان كافراً فإيراد العقد عليه وابتذاله به وإلحاقه بالجمادات إذلال له أي وهو غير جائز. (شامي / باب البيع الفاسد، مطلب: الآدمي مكرم شرعًا ٧/٢٤٥ زكريا، تبيين الحقائق / باب البيع الفاسد ٤/٤٤ ملتان، مجمع الأنهر / باب البيع الفاسد ٢/٥٩ دار إحياء التراث العربي بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۸/۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

لائف انشورنش کا ممبر بننا؟

سوال (۲۲۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سرکاری انتظامات سے جو لائف انشورنش چالو ہے، موجودہ زمانہ کے اعتبار سے مؤمن مسلمان کے لئے اس میں ممبر ہونا اور اس سے استفادہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لائف انشورنش میں سود اور جوا دونوں پائے جاتے ہیں؛ اس لئے کسی مسلمان کے لئے لائف انشورنش کی اجازت نہیں ہے۔ (جواہر الفقہ ۲/۱۴۹، امداد الفتاویٰ ۳/۱۶۱، فتاویٰ رحیمیہ ۲/۲۰۰، ایضاح النوادر ۱/۱۳۲)

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم ٧٢/٢ رقم: ١٥٩٨، سنن الترمذي ٢٢٩/١ رقم: ١٢٠٦، مشكاة المصابيح، البيوع / باب الربا ٢٤٤، مرقاة المفاتيح ٤٣/٦ رقم: ٢٨٠٧ دار الكتب العلمية بيروت)

عن عبد اللّٰه ابن عمرو رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن اللّٰه حرم على أمتي الخمر والميسر والمِزْرَ والكُوبة والقنِّين، وزادني صلاة الوتر، قال يزيد: القنِّين: البَرابِط. (المسند للإمام أحمد رقم: ٦٥٤٧، تحقيق: أحمد محمد شاكر، دار الحديث القاهرة)

وأن أهل الجاهلية كانوا يخاطرون على المال والزوج، وقد كان ذٰلک مباحًا إلى أن ورد تحريمه. (أحكام القرآن للجصاص / باب تحريم الميسر ٣٢٩/١ دار إحياء التراث العربي بيروت)

ولا خلاف بين أهل العلم في تحريم القمار. (أحكام القرآن للجصاص / باب تحريم الميسر ٣٢٩/١ دار إحياء التراث العربي بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۴/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِنکم ٹیکس سے بچنے کے لئے جیون بیمہ کرانا؟

سوال (۲۲۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جیون بیمہ: LIC اگر ہم نہیں کراتے ہیں، تو حکومت ہمارے کاروباری منافع پر انکم ٹیکس لگادے گی، اس لئے ہم انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے LIC کرانا چاہتے ہیں۔ شریعت کے حکم سے مطلع فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: LIC اور جیون بیمہ سود اور قمار پر مشتمل ہونے کی وجہ

سے قطعاً حرام ہے، اگر کوئی قانونی مجبوری پیش آجائے تو ذاتی طور پر اپنا معاملہ کسی معتبر مفتی کو بتلا کر اس سے رہنمائی حاصل کی جائے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [المائدة: ۹۰]

عن عبد اللّٰه ابن عمرو رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن اللّٰه حرم على أمتي الخمر والميسر. (المسند للإمام أحمد ۲/۳۵۱ رقم: ۶۵۱۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۱/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِنکم ٹیکس بچانے کے لئے LIC بیمہ نکلوانا؟

سوال (۲۲۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گورنمنٹ سرونٹ کے لئے گورنمنٹ انکم ٹیکس لگاتی ہے، جو لوگ LIC نکلواتے ہیں، اُن کو انکم ٹیکس میں چھوٹ دی جاتی ہے، اور جو نہیں نکلواتے ہیں، اُن کو کسی طرح کی کوئی چھوٹ نہیں دی جاتی ہے۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ انکم ٹیکس بچانے کے لئے LIC بیمہ نکال سکتے ہیں یا نہیں؟ اس سے ہماری نیت یہ ہے کہ وہ سود کا بچا ہوا پیسہ ہم غریبوں میں تقسیم کردیں گے، گذارش ہے کہ تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حکومت انکم ٹیکس چوں کہ جبراً وصول کرتی ہے؛ لہٰذا انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے جیون بیمہ کرانے کی گنجائش ہوگی؛ البتہ بیمہ کی وجہ سے جو زائد رقم حاصل ہوگی اس کو بلانیت ثواب غریبوں کے درمیان صدقہ کرنا ضروری ہوگا۔ (مستفاد ایضاح النوادر ۱۴۰)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فإما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد، ولا يمكنه أن يردّه إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه، فليس له حيلة

إلاَّ أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة / باب فرض الوضوء ۱/ ۳۵۹ رقم: ۵۹ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي مظفرفور أعظم جراه، ۱/ ۱٤۸ مصري، شامي ۹/ ۵۵۳ زكريا)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٦/ ۳٦۵ كراچی، ۹/ ۵۵۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۴/ ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیمہ میں زکوٰۃ کی رقم جمع کرنا

سوال (۲۲۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارا بیمہ چل رہا ہے، دوسال کی قسطیں جمع ہوچکی ہیں، اس میں اپنی اصل رقم کی زکوۃ جمع کرسکتے ہیں یا نہیں؟ یا اصل رقم جمع کرنا ضروری ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیمہ کا معاملہ بجائے خود ناجائز ہے، اوراس میں زکوۃ کی رقم جمع کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِيْ الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ [التوبة: ٦٠]

لأن القمار من القمر الذي يزداد تارةً وينقص أخرى، وسمى القمار قمارًا؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه، وهو حرام بالنص. (شامي ۹/ ۵۷۷ زكريا، جواهر الفقه ۲/ ۱۷۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۴/ ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

لائف انشورنش کے پیسہ سے مسجد مدرسہ کے لئے دوکان لگانا

سوال (۲۳۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسجد اور مدرسہ کے اخراجات کے لئے اس کے فنڈ سے کوئی دوکان لگانا یا کوئی سامان خرید کر کرایہ پر منافع حاصل کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوکان لگانے سے اگر مسجد کے مال میں تجارت کرنا مراد ہے، تو اُس کی اجازت نہیں ہے، اور اگر دوکان تعمیر کرکے کرایہ پر دینا مراد ہے، تو اس کی اجازت ہے، یہی حکم سامان خرید کر کرایہ پر دینے کا بھی ہے۔

كل مسجد بني مباهاةً أو رياءً أو سمعةً أو لغرض سوى ابتغاء وجه اللّٰه، أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار. (مدارك التنزيل على هامش تفسير الخازن ۲۸۱/۲ حافظ كتب خانه، كذا في مجموعة الفتاوىٰ / كتاب المساجد ۱۸۵/۱)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن اللّٰه طيب لا يقبل إلا الطيب. (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع / باب الكسب وطلب الحلال ۲٤۱)

وللمتولي بناؤه وغرسه للوقف. (شامي ٦۷۹/٦ زكريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۴/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

انشورنش کی سودی رقم سے بینک کا سود دینا؟

سوال (۲۳۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے اپنا لائف انشورنش کرایا، ان کو زر اصل کے علاوہ ایک لاکھ روپئے سود بھی ملے، سودی رقم حرام سمجھتے ہوئے انہوں نے اپنی ذات میں استعمال نہیں کیا؛ بلکہ انہوں نے ایک حیلہ کیا کہ سرکاری بینک سے سرٹیفکٹ جمع کرکے دو لاکھ روپئے قرض لے لیا، چوں کہ سود دینا حرام ہے؛

اس لئے انہوں نے لائف انشورنش والی سودی رقم کوسود میں دے دیا، اور ایسا کرنا حلال سمجھ رہا ہے، تو یہ کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انشورنش کی سرکاری کمپنی سے ملا ہوا سود سرکاری بینک کے قرض کے سود میں صرف کرنا جائز ہے؛ لیکن فی نفسہٖ سودی معاملہ میں ملوث ہونے کا گناہ تو ہوگا؛ کیوں کہ سودی قرض لینے میں عقد ہی کے اندر سود کی شرط ہوتی ہے۔

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ۳٦٥/٦ كراچی، ۵۵۳/۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۶/۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بچی کی شادی کے لئے جیون بیمہ؟

سوال (۲۳۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید اپنی دونوں بیٹیوں کی تعلیم وشادی کی نیت سے ان دونوں کے نام جیون بیمہ کراتا ہے اور سالانہ تین ہزار روپیہ جمع کرتا ہے، چوں کہ زید کی مالی حالت ٹھیک نہیں ہے، ہزار پندرہ سو روپیہ کی آمدنی ہے، وہ بھی مستقل نہیں، لڑکیوں کی شادی نہ ہونے کی صورت میں چوں کہ آئندہ جوان ہونے کے بعد برائی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے، تو ان کی تعلیم وشادی کی غرض سے جیون بیمہ کرانا کیسا ہے، اور کمپنی دس پندرہ سال میں جمع کی ہوئی رقم پر جو زائد رقم بڑھا کر دیتی ہے اس سے شادی کرنا کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جیون بیمہ، قمار اور جوئے پر مشتمل ہونے کی وجہ سے مطلقاً حرام اور ناجائز ہے؛ لہٰذا بچی کی تعلیم اور شادی کے لئے جیون بیمہ کرانا قطعاً حرام ہے۔ (امداد

الفتاویٰ ۳/ ۱۶۰، فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۱۹۹، دینی مسائل اور اُن کا حل ۱۰۹)

وقال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [المائدة: ۹۰]

لأن القمار من القمر الذي يزداد تارةً وينقص أخرى، وسمی القمار قمارًا؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه، وهو حرام بالنص. (شامي ۹/ ۵۷۷ زكريا، جواهر الفقه ۲/ ۱۷۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۲۸/ ۷/ ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیمہ کمپنی چلانے کے لئے جواز کا حیلہ اختیار کرنا

سوال (۲۳۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک بیمہ کمپنی چلاتا ہے، چوں کہ بیمہ کرانا علماء کرام نے ناجائز بتایا ہے؛ لہٰذا زید اب ایک اور انداز سے مسلمانوں کی ضرورت پوری کرنے کا ارادہ کرر ہا ہے، ترتیب اس کی یہ ہوگی کہ بیمہ کمپنی مختلف ماہرین مالیات ومعاشیات کو اپنی کمپنی میں رکھیں گے، دکان دار یا کوئی بھی شخص اس کمپنی سے دس سال کنٹریکٹ طے کریں گے، ان ماہرین سے مالیاتی رہنمائی حاصل کرنے کے لئے جو بھی اس طرح کا کانٹرکٹ کرے اس کو اور بھی سہولتیں فراہم کی جائیں گی، جس کی تفصیل آپس میں طے کریں گے۔ بہر حال سہولت کے ضمن میں کمپنی یہ بھی اعلان کرے گی کہ جو بھی مذکورہ بالا کانٹرکٹ ان کے ساتھ طے کرلے، پھر ان کا مدت اجارہ میں اگر کار کا کوئی نقصان ہوا، مثلاً کار کا ایکسیڈنٹ ہوگیا، تو وہ اپنی طرف سے اپنے پورے اختیار کے ساتھ کار ٹھیک کریں گے، اس میں اس پر کوئی جبر نہ ہوگا، اگر نہ کرنا چاہیں گے تو ان کا اختیار ہے۔ اور تقریباً ہر سو یا ہزار یا لاکھ میں ایک دو کاریوں ہی چھوڑ دیں گے، اور نقصان کی تلافی نہیں کریں گے۔

اب سوال یہ ہے کہ ایسا معاملہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟ بعض حضرات کا فرمانا ہے کہ اس میں المعروف کالمشروط کی بنا پر چوں کہ ۹۹ ر فیصد یقین ہے کہ کار کے نقصان کو ادا کر دیں گے؛ اس لئے یہ معاملہ ناجائز ہوگا، دیگر حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ المعروف کالمشروط اس وقت عمل میں آتا ہے، جب کہ کمپنی اپنے پورے اختیار کی تصریح نہ کرتی ہو؛ البتہ چوں کہ اس معاملہ میں صراحۃً کمپنی نے یہ بات واضح کردی کہ نقصان کی تلافی اپنی اختیاری چیز ہے، اور اس پر کوئی جبر نہیں کیا جا سکتا، تو اب معاملہ اسی پر محمول کیا جائے گا، اور کار کے نقصان کو ادا کرنے کی بات کالعدم ہوگی اور باقی معاملہ درست ہوگا؟ عدم جواز کے قائل فرماتے ہیں کہ اس صورت میں تو کئی اور معاملات کو جائز کہنا پڑے گا۔

(۱) مثلاً بینک نے کہا کہ عوام ان کو فکس ڈپازٹ کے نام سے متعینہ مدت کے لئے قرض دیں، اس قرض پر وہ کوئی سود اَدا نہیں کریں گے؛ البتہ اپنے اختیار سے وہ قرض دینے والے کو کچھ ہدیہ دیں گے، ہدیہ کا مطالبہ مقرض نہیں کر سکے گا، یہ بھی طے کرلے گا کہ ہر ہزار یا لاکھ میں سے ایک کو ہدیہ نہیں دیں گے، اس سے سارے مروجہ سودی بینکاری کے دروازے کھل جائیں گے۔

(۲) کسی جوا خانہ نے اس طرح کا اعلان کیا کہ ان کے یہاں جوا خانہ کے مشن کھیلنے کا کرایہ وہ وصول کریں گے، مثلاً ایک مرتبہ کھیلنے کے لئے ایک اینڈ لیں گے، یہ کرایہ ہے، باقی اگر اس ضمن میں کسی کا نمبر لگ گیا تو وہ کلی طور پر اپنے اختیار سے اس کو ایک لاکھ انعام دیں گے، اس پر کوئی جبر نہ ہوگا، نیز ہر ہزار میں ایک دو کو واقعتاً نہیں دیں گے، تاکہ ان کا اختیار واقعی طور پر ظاہر ہو، اس طریقہ سے جوے کی اجازت ہو جائے گی۔

(۳) علماء کرام کی تصریح ہے کہ تراویح پڑھانے کے بعد حافظ کوئی ہدیہ مسجد سے نہ لے، اگر کوئی مسجد والے اعلان کر دیں کہ ہر سو میں سے ایک کو ہم کوئی ہدیہ نہ دیں گے، ہدیہ ہم محض اپنے اختیار سے بغیر عرف سے مجبور ہو کر دے رہے ہیں، چونکہ شروع میں ہم نے اس کے خلاف تصریح کرلی تھی تو یہ لینا بھی اب درست ہو جائے گا، لہٰذا مذکورہ معاملہ میں کون سی رائے درست ہے؟

آنجناب رہنمائی فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اِس اِجارہ کے ساتھ کاروبار کے نقصان کی تلافی کی شرط فاسد ہے، اور شرط فاسد کی وجہ سے اجارہ فاسد ہوجاتا ہے؛ لہٰذا یہ معاملہ شرعاً درست نہ ہوگا، اور یہ کہنا کہ اس شرط کا پورا کرنا ہمارے اوپر ضروری نہیں ہے محض خودفریبی ہے؛ اس لئے کہ خود کمپنی والے اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ انہیں عرفاً اور قانوناً شرط کو پورا کرنا پڑے گا، ورنہ بصورت دیگر یہ بیمہ کمپنی اپنا کاروبار بڑھانے میں قطعاناکام ہوجائے گی؛ لہٰذا اِس بیمہ کمپنی کی حلت کے لئے سوال میں جوحیلہ بیان کیا گیا ہے وہ مکمل طور پر فرضی ہے، اس کے ذریعہ سے یہ ناجائز معاملہ جائز نہیں ہوسکتا۔

الإجارة تفسدها الشروط كما تُفسِدُ البيع، وفي العناية: تفسد الإجارة بالشروط التي فسد البيع بها. (فتح القدير / باب الإجارة الفاسدة ۹۱/۹-۹۲ دار الفكر بيروت)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۹/۵/۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سرکاری ملازمین کی تنخواہ میں سے جیون بیمہ کے نام پر کاٹی گئی رقم کا حکم؟

سوال (۲۳۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرا لڑکا بہار میں ایک سیمنٹ کی فیکٹری میں ملازم تھا، فیکٹری نے اس کا جیون بیمہ کرایا اور بیمہ کی رقم اس کی تنخواہ سے فیکٹری کاٹتی رہی، چند سالوں کے بعد اس کا انتقال ہوگیا اس نے کاغذات میں یہ اندراج کرایا تھا کہ میری رقم میرے والد کو ملے، میرے لڑکے کے انتقال کے بعد یہ رقم مجھ کو مل گئی اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جتنی رقم اس کی تنخواہ سے کٹ کر جمع ہوئی تھی، اسی کا استعمال کرنا مجھ کو جائز ہے یا کل رقم جو بڑھ کر ملی ہے اس سب کا استعمال کرنا مجھ کو جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکاری ملازمین کی تنخواہ میں سرکار جیون بیمہ کے نام سے جو رقم کاٹ لیتی ہے، اس کی دو شکلیں ہیں: ایک شکل جائز ہے، اور ایک ناجائز ہے۔

(۱) فیکٹری جبری طور پر تنخواہ دیتے وقت جیون بیمہ کے نام سے اس کی تنخواہ میں سے ایک حصہ کاٹ لیتی ہو، اور اس پر اپنے ضابطہ سے اضافہ کرتی ہو، تو ایسی صورت میں اصل رقم اور اضافہ شدہ رقم دونوں کا لینا جائز اور درست ہوگا، اور اضافہ شدہ رقم سود کے دائرہ میں بھی داخل نہ ہوگی۔

(مستفاد ایضاح النوادر ۱/۱۴۸)

(۲) ملازم پر جیون بیمہ میں رقم جمع کرنے کے لئے کوئی قانون اور پابندی نہیں ہے؛ بلکہ ملازم اپنی تنخواہ میں سے بخوشی ایک خاص رقم کٹوا دیتا ہے، یا اپنے اختیار سے جیون بیمہ کرالیتا ہے، تو ایسی صورت میں اضافہ شدہ رقم سود ہوگی اور اس کا لینا ملازم کے لئے اور اس کی موت کی صورت میں اس کی ورثاء کے لئے لینا ناجائز اور حرام ہوگا؛ اس لئے کہ اس صورت میں اضافہ شدہ رقم سود کے دائرہ میں داخل ہوگی؛ ہاں البتہ اصل رقم کا لینا جائز اور درست ہوگا، اب آپ کو یہ دیکھنا ہے کہ آپ کے لڑکے کو ان دونوں شکلوں میں سے کون سی شکل پیش آئی ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۴۹)

أخرج الحارث بن أبي سلمة في مسنده عن علي أمير المؤمنين: كل قرض جر منفعةً فهو ربا. (فيض القدير / حرف الكاف ٣٤/٥ رقم: ٦٣٣٦ دار الفكر بيروت، شامي ١٦٦/٥ كراچی)

كل قرض جر نفعًا حرام أي إذا كان مشروطًا. (شامي ١٦٦/٥ كراچی، ٣٩٥/٧ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۷/۶/۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بھارتی جیون بیمہ کمپنی میں ائمہ اور علماء کا بیمہ کرانا؟

سوال (۲۳۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ہندوستان میں جو بھارتی جیون بیمہ یا پلس انڈیا لمٹیڈ جو بیمہ کرتی ہیں، یا جو لوگ فکس یا ایف ڈی کرتے ہیں، جو سوا چھ سال میں دو گنا ہوجاتا ہے، یا مہینہ وار قسط چلتی ہے، جیسے چار سو چالیس روپیہ مہینہ جمع کرنے سے چھ سال میں زید کے ۳۰/ ہزار روپئے بنتے ہیں، اسے منافع ۴۶/ ہزار دو سو روپئے ملتے ہیں، کیا ان بینکوں میں مولوی یا امام بیمہ کرا سکتے ہیں، یا ان میں کام کر سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں ذکر کردہ معاملات سود اور جوئے پر مشتمل ہونے کی وجہ سے حرام ہیں، امام یا کسی بھی مسلمان کو اس کی اجازت نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرۃ، جزء آیت: ۲۷۵]

وقال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [المائدۃ: ۹۰]

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم آکل الربوا ومؤکله وکاتبه وشاهدیه، وقال: هم سواء. (صحیح مسلم ۲/۷۲ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي ۱/۲۲۹ رقم: ۱۲۰۶، مشکاة المصابیح، البیوع / باب الربا ۲۴۴، مرقاة المفاتیح ۶/۴۳ رقم: ۲۸۰۷ دار الکتب العلمیة بیروت)

عن عبداللّٰه بن عمرو رضي اللّٰه عنه أن نبي اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم نهی عن الخمر والمیسر. (سنن أبي داؤد ۲/۵۱۹) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۵/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

جیون بیمہ کے لئے کل رقم تین قسطوں میں جمع کرنا؟

سوال (۲۳۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جیون بیمہ کی تین قسطیں ادا کرنے کی حیثیت کی صورت میں جیون بیمہ جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جیون بیمہ مطلقاً ناجائز ہے، خواہ قسطیں ادا کرنے کی حیثیت میں ہو یا نہ ہو۔ (کفایت المفتی ۸/۶۷، امداد الفتاوی ۳/۱۶۱، جواہر الفقہ ۲/۱۹۷-۲۴۱)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة، جزء آیت: ۲۷۵]

ولا خلاف بين أهل العلم في تحريم القمار، وأن المخاطرة قمار، وأن أهل الجاهلية كانوا يخاطرون على المال والزوجة، وقد كان مباحًا إلى أن ورد تحريمه. (أحكام القرآن للجصاص ٢/٤٦٥ دار إحياء التراث العربي بيروت)

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم ٢/٧٢ رقم: ١٥٩٨، سنن الترمذي ١/٢٢٩ رقم: ١٢٠٦، مشكاة المصابيح، البيوع / باب الربا ٢٤٤، مرقاة المفاتيح ٦/٤٣ رقم: ٢٨٠٧ دار الكتب العلمية بيروت)

الغرر اصطلاحًا ما يكون مجهول العاقبة لا يدري أيكون أم لا؟ والعلاقة بين الغرر والميسر ظاهرة، وهي أن الغرر أعم من الميسر ...... اتفق الفقهاء على تحريم الميسر. (الموسوعة الفقهية ٣٩/٤٠٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۱/۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کمپنی کا اپنے ملازمین کے لئے انشورنش کرانا؟

سوال (۲۳۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بڑی کمپنیاں اپنے ملازمین کو انشورنش فراہم کرتی ہیں؛ لیکن اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کمپنی اپنے ملازمین کی جانب سے کسی اور انشورنش کمپنی سے معاملہ کرتی ہے، اور انشورنش کمپنی کو دی جانے والی رقم کا کچھ حصہ بعض اوقات ملازمین سے بھی لیا جاتا ہے، کیا اس اس انشورنش سے

استفادہ کرنا درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنی مرضی سے لائف انشورنش کرانا جائز نہیں ہے؛ لیکن اگر کوئی کمپنی ملازمین کی مرضی کے بغیر لازمی طور پر انشورنش کرائے، اور یہ طے کرے کہ ضرورت کے وقت کمپنی اس ملازم کا مالی تعاون کرے گی، تو انجام کار اس انشورنش سے استفادہ کی گنجائش ہونی چاہئے، گویا یہ بھی اُجرت کے حصہ میں شامل ہے، اور قانون وضابطہ مقرر ہونے کی وجہ سے جہالت ایسی نہیں ہے جو مفضی الی النزاع ہو؛ تاہم اس معاملہ میں دیگر علماء ومفتیان سے رجوع کرلیا جائے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرۃ، جزء آیت: ۲۷۵]

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [البقرۃ، جزء آیت: ۱۷۳]

لا شک في جواز التأمین التعاون في الإسلام؛ لأنه یدخل في عقود التبرعات. (الفقه الإسلامي وأدلته ٣٤١٦/٥)

الأجرة تستحق بمعان ثلاثة: إما بشرط التعجیل أو بالتعجیل أو باستیفاء المعقود علیه. (الفتاویٰ الهندیة ٤١٣/٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۱۱/۱۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حج کمیٹی کا حجاجِ کرام کا بیمہ کمپنی سے بیمہ کرانا؟

سوال (۲۳۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حج کمیٹی حجاجِ کرام کا ایک سالہ بیمہ کمپنی سے کراتی ہے، جو دو لاکھ روپیہ کا ہوتا ہے، محفوظ واپسی پر کچھ نہ دے کر کسی حادثہ میں دورانِ حج فوت ہونے پر دو لاکھ روپئے ورثہ کو بیمہ فنڈ سے دیتی ہے، کیا یہ رقم ورثہ کو لینا جائز ہے اور اس رقم کو مرحوم حاجی کے نام سے مسجد یا مدرسہ میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو معاملہ بیمہ کمپنی سے ہورہا ہے، اس میں حاجی کا کوئی دخل نہیں، اس کی ساری ذمہ داری حج کمیٹی پر ہے، اور نہ کوئی حاجی قصداً بیمہ کمپنی کو کوئی رقم دیتا ہے، اس سے جو رقم لی جاتی ہے وہ کرائے اور ضروری دفتری اخراجات کے لئے ہوتی ہے؛ لہٰذا اِس ناجائز معاملہ کا ذمہ دار حاجی نہ ہوگا اور حادثہ کی صورت میں حج کمیٹی جو رقم دے گی وہ کمیٹی کی طرف سے تبرع اور احسان سمجھا جائے گا، اور اس کا لینا جائز ہوگا، ہاں اگر بیمہ اختیاری ہو لازمی نہ ہو تو پھر حاجی خود معاملہ کرنے والا ہوگا اور اس کے لئے یہ عمل جائز نہ ہوگا۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۱۴۰/۶) میں اِسی صورت کو ناجائز لکھا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۳/۱۰/۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جیون بیمہ کی رقم تلک (رسم شادی) میں لگانا؟

سوال (۲۳۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے پاس جیون بیمہ کی رقم موجود ہے، زید چاہتا ہے کہ اس رقم کو اپنی بھانجی یا کسی رشتہ دار کی اولاد میں شادی کے موقع پر جو آج کل مسلم سماج میں تلک کا رواج ہے، کیا اس رقم کو تلک میں دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور ناجائز کو ناجائز میں دینا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جیون بیمہ بھی ناجائز ہے، اس سے زائد لی گئی رقم بھی حرام ہے، اور اس حرام رقم کو حرام رسم تلک میں لگانا بھی ناجائز ہے، اگر بالفرض ایسی رقم لی گئی ہے تو اسے بلا نیت ثواب غریبوں کو تقسیم کردیں یا سرکار کی طرف سے کسی غیر شرعی لازمی ٹیکس کی ادائیگی میں خرچ کردیں۔

لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبہ.

(شامي، كتاب الحظر والإباحة / باب الاستبراء، فصل في البيع ٣٦٥/٦ كراچی، ٥٥٣/٩ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۴/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زائد رقم کو سود کے بجائے بونس کا نام دے کر بیمہ زندگی کرانا؟

سوال (۲۴۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زندگی بیمہ مسلمان عام طریقہ سے کراتے ہیں، مسلمانوں کو اصل پر زائد سود کی حرمت کی وجہ سے کراہت تھی، مگر اب بیمہ کمپنی اس قسم کی اصل سے زائد شدہ رقم کا نام بجائے سود کے بونس کہتی ہے؛ تاکہ مسلمانوں کی رغبت زندگی بیمہ سے کم نہ ہو، اس کے بارے میں تفصیلی احکام سے آگاہ کریں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بیمہ میں سود کی رقم خواہ کسی نام سے دی جائے وہ سود ہے، نام بدلنے سے سود کا حکم نہیں بدلے گا، اور زندگی کا بیمہ بدستور ناجائز اور حرام رہے گا۔

قال الله تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرۃ، جزء آیت: ۲۷۵] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۶/۲۸ھ

دین اور قرض کے مسائل

قرضِ حسنہ کسے کہتے ہیں؟

سوال (۲۴۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قرضِ حسنہ کے بارے میں عرفِ عام میں یہ مشہور ہے کہ قرضِ حسنہ مقروض اپنی مرضی کے مطابق جب چاہے ادا کرے، اور اگر وہ کسی وجہ سے قرض ادا نہ کرسکے، یا نہ کرنا چاہئے، تو قرض خواہ اس قرض کا مطالبہ نہیں کرسکتا، جب کہ اُس کے برخلاف کچھ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ قرضِ حسنہ بلا معاوضہ قرض کو کہتے ہیں، اور قرض دینے والے کو اختیار ہے کہ وہ قرض دیتے وقت یا بعد میں کسی وقت قرض کی ادائیگی کی میعاد طے کرسکتا ہے، اور اگر قرض دینے والے کو احساس یا یقین ہوجائے کہ مقروض کی قرض واپس کرنے کی نیت نہیں، یا اُس کی نیت خراب ہوجائے اور قرض ادا کرنے کی استطاعت ہونے کے باوجود وہ قرض ادا کرنا نہیں چاہتا، تو قرض خواہ اس کی واپسی کے لئے سختی کرسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرضِ حسنہ کا اصل مفہوم یہ ہے کہ اس معاملہ میں سودی لین دین کی کوئی شرط نہ ہو۔ دینے والا صرف ثواب حاصل کرنے کی نیت سے قرض دے اور لینے والا بروقت ادائیگی کی نیت سے قرض لے، یعنی دونوں کی نیتیں درست ہوں اور قرضِ حسنہ میں مقررہ مدت گذرنے کے بعد قرض دینے والا مقروض سے اپنی رقم واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے، یہ مطالبہ کرنا قرضِ حسنہ کے مفہوم کے منافی نہیں ہے؛ لہٰذا سوال میں اس مطالبہ کو قرضِ حسنہ کے خلاف ہونے کی جو مشہور بات نقل کی گئی ہے وہ صحیح نہیں ہے، قرض خواہ کو بہر حال مطالبہ کا حق ہے، اور وہ اپنا حق

وصول کرنے کے لئے ہرممکن جائز طریقہ اپنا سکتا ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالیٰ عنه أن رجلا تقاضی رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم فأغلظ له فهم به أصحابه، فقال: دعوه فإن لصاحب الحق مقالا، واشتروا له بعيرًا فأعطوه إياه، قالوا: لا نجد إلا أفضل من سنه، قال: اشتروه فأعطوه إياه، فإن خيركم أحسنكم قضاء. (صحيح البخاري ۳۲۱/۱ رقم: ۲۳۹۰، مشكاة المصابيح ۲۵۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۶/۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ضرورت کے وقت قرض لینا حضور سے ثابت ہے؟

سوال (۲۴۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مفتی صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اس حالت میں پہنچ جائے کہ اُس کو قرض لینے کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو، مثلاً ہلاکت کا یا کل مال کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو، یا اِسی طرح کوئی دوسرا شخص کسی بڑی مصیبت میں مبتلا ہو اور وہ کسی سے اپنی مظلومیت کی فریاد کرتا ہے، پھر یہ شخص کسی دوسرے شخص سے قرض لے کر اُس کی مدد کرتا ہے، وغیرہ۔ اور بہر صورت اس مستقرض کی یہ نیت ہے کہ ایسی مجبوری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قرض لیا ہے، تو یہ شخص بھی اِسی سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ایسا کرتا ہے؛ لہٰذا اِس شخص کا یہ عمل سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہلائے گا، اس کا یہ عمل سنت سے کسی دائرہ میں آتا ہے یا نہیں؟

نوٹ:- مذکورہ شخص قرض کی ادائیگی کا پختہ اِرادہ بھی رکھتا ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ضرورت کے وقت واپسی کے پختہ ارادے سے قرض لینا سننِ زوائد میں سے ہے، پس اگر کوئی ضرورت مند شخص سنت پر عمل کی نیت سے واپسی کے پختہ

ارادے سے قرض لے گا، تو اِن شاء اللہ اُسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کا ثواب ملے گا۔

عن عائشة رضي الله عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم اشترى من يهودي طعامًا إلى أجل، ورهنه درعه. (صحيح البخاري ۳۴۱/۱)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: استقرض رسول الله صلى الله عليه وسلم سنا، فأعطاه سنا فوقه، وقال: خياركم محاسنكم قضاءً. (صحيح مسلم ۳۰/۲، قاموس الفقه ۴۸۶/۴-۴۸۷)

عن جابر رضي الله عنه قال: كان لي على النبي صلى الله عليه وسلم دينٌ فقضاني وزادني. (سنن أبي داؤد رقم: ۳۳۴۷، لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح للخطيب التبريزي، كتاب البيوع / باب الإفلاس والإنظار ۶۰۹/۵ رقم: ۲۹۲۵ دار النوادر)

عن عبد الله بن أبي ربيعة رضي الله تعالىٰ عنه قال: استقرض مني النبي صلى الله عليه وسلم أربعين ألفًا، فجائه مالٌ فدفعه إليَّ، وقال: "بارك الله تعالىٰ في أهلك ومالك، إنما جزاء السلف الحمد والأداء". (سنن النسائي رقم: ۴۶۸۳، لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح للخطيب التبريزي، كتاب البيوع / باب الإفلاس والإنظار ۶۰۹/۵ رقم: ۲۹۲۶ دار النوادر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۸/۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

متقی اور زاہد آدمی کا اپنی ضرورت کے لئے قرض لینا؟

سوال (۲۴۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: صاحبِ زہد وتقویٰ اور خالص حلال کمائی سے زندگی بسر کرنے والا ضرورت کے وقت خالص حرام کمانے والوں سے قرض لے سکتا ہے یا نہیں؟ اِسی طرح آٹا، چاول اور دیگر اشیاء قرض لے کر ان سب کی ادائیگی اپنی کمائی سے کرتا ہے اور آٹا چاول کے عوض بھی حلال آٹا چاول ادا کرتا

ہے، واضح رہے کہ ان کے علاوہ کوئی دوسرا شخص ایسا نہیں ہے کہ جس کی کمائی حلال ہو تو اس صورت میں قرض لے سکتا ہے یا نہیں؟ خواہ روپیہ ہو یا آٹا یا چاول وغیرہ ہو؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مذکورہ میں صاحب زہد وتقویٰ ضرورت پوری کرنے کے لئے قرض لے سکتا ہے، نیز آٹا چاول وغیرہ لے کر اپنی حلال کمائی سے حاصل کردہ آٹا چاول کے ذریعہ قرض ادا کرسکتا ہے۔

عن جابر رضي اللّٰه عنه قال: كان لي على النبي صلى اللّٰه عليه وسلم دينٌ فقضاني وزادني. (سنن أبي داؤد رقم: ٣٣٤٧، لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح للخطيب التبريزي، كتاب البيوع / باب الإفلاس والإنظار ٥/٦٠٩ رقم: ٢٩٢٥ دار النوادر)

عن عبد اللّٰه بن أبي ربيعة رضي اللّٰه عنه قال: استقرض مني النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أربعين ألفًا، فجائه مالٌ فدفعه إليَّ، وقال: "بارك اللّٰه تعالىٰ في أهلك ومالك، إنما جزاء السلف الحمد والأداء". (سنن النسائي رقم: ٤٦٨٣، لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح للخطيب التبريزي، كتاب البيوع / باب الإفلاس والإنظار ٥/٦٠٩ رقم: ٢٩٢٦ دار النوادر)

والذي يتحقق من النظر في دلائل القرآن والسنة ومشاهدة معاملات الناس أن المثلية المطلوبة في القرض هي المثلية في المقدار والكمية، دون المثلية في القيمة والمالية. (بحوث في قضايا فقهية معاصرة ١٧٤ مكتبة دار العلوم كراچی)

إن الشيخ أبا القاسم الحكيم كان يأخذ جائزة السلطان وكان يستقرض لجميع حوائجه. (الفتاوىٰ الهندية ٥/٣٤٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۵/۶/۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کاروبار کے لئے مخیّر صاحبان سے قرض لینا؟

سوال (۲۴۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: میرے پاس ذاتی دوکان ہے مگر کاروبار کے لئے ذاتی سرمایہ نہیں، ایک صاحب نے دوکان میں مال لگا دیا ہے نفع نقصان نصف نصف طے کرلیا ہے، مگر کاروبار سے اتنی آمدنی نہیں ہے جتنا خرچ ہے، کیا مجھے کاروبار کے لئے مخیّر صاحبان سے قرض حسنہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرض لے کر کاروبار کرنا درست ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: استقرض رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم سنًا فأعطاه سنًا فوقه الخ. (صحيح مسلم ٢/ ٣٠ المكتبة الأشرفية ديوبند)

وإنما اقترض النبي صلى اللّٰه عليه وسلم للحاجة. (شرح النووي على صحيح مسلم ٢/ ٣٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۲/۶/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرض دے کر مقروض کی زمین میں حصہ دار ہوکر نفع اٹھانا؟

سوال (۲۴۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں نے ایک شخص کو ایک ہزار روپئے دئے، اُس نے مجھے زمین دی، پھر میں نے اُسی شخص کو وہ زمین کاشت کے لئے دے دی، اور یہ طے کیا کہ آدھا آدھا غلہ پیداوار میں سے لے لیں گے، اور ایک ہزار روپئے میں سے ہر سال پچاس روپئے کٹتے رہیں گے، اور اگر کبھی شخص مذکور کے پاس سب روپئے ہوجائیں، تو جتنے کٹ چکے ہیں، اُن کو منہا کر کے ادا کردے اور اپنا کھیت لے لے، آیا اِس طرح کرنا شرعاً معاملہ درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں قرض دینے والے کے لئے مقروض کی زمین میں حصہ دار ہونا اور اُس میں سے نفع لینا ہرگز جائز نہیں ہے، یہ سراسر سود ہے، وہ

صرف اپنی دی ہوئی رقم (ایک ہزار روپئے) ہی کو واپس لینے کا حق رکھتا ہے۔

كل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف ...... الفضل الشروط في القرض ربا محرم لا يجوز للمسلم من أخيه المسلم أبدًا، لإجماع المجتهدين على حرمته. (إعلاء السنن / رسالة كشف الدجى على حرمة الربوا ٥١٨/١٤ إدارة القرآن كراچی)

كل قرض جر نفعًا حرام أي إذا كان مشروطًا. (شامي، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية، مطلب: كل قرض جر نفعًا الخ ١٦٦/٥ كراچی، ٣٩٥/٧ زكريا)

كل قرض جرّ منفعة فهو وجه من وجوه الربا. (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقات والمزارعة ٥٧٥/١ مكتبة دار العلوم كراچی)

كل قرض جر نفعًا فهو ربا. (شامي ١٦٦/٥ كراچی، طحاوي شريف ٢٢٩/٢، نصب الراية ٦٠/٤)

الربا هو القرض على أن يؤدي إليه أكثر أو أفضل مما أخذ. (حجة الله البالغة / الربا سحت باطل ٢٨٢/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۲/۲/۱۹ھ

قرض کے بدلے دوکان فروخت کرنا اور مفقود الخبر کی بیوی بچی کا نفقہ؟

سوال (۲۴۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے بڑے بھائی ظفر کو ازدواجی تعلقات سے تنگ آ کر گھر سے گئے دو سال کی مدت گزر گئی ہے، جس وقت وہ گھر سے گئے اپنے برادر خورد عامر کے نام ایک تحریر اپنی دوکان کے متعلق گھر چھوڑ کر اچانک لاپتہ ہوگئے، جس تحریر میں برادر خورد عامر کے نام دوکان کا مختار نامہ اور صاحبِ دوکان ظفر کے ذمہ لوگوں کے قرض کی تفصیل درج تھی، اس تحریر میں درج تقریباً ۴۰؍ ہزار روپئے لوگوں کو ادا کرنے کی ہدایت عامر کے ذمہ تھی، جو کہ عامر نے ادا کر دئے۔

دوکان کی حیثیت :- دوکان اوقاف کی کرایہ پر ہے، کرایہ داری ظفر کے نام ہے، اب عامر کرایہ ادا کررہا ہے، رسید میں اوقاف کی طرف سے عامر کا نام شامل کرلیا گیا ہے، دوکان کی مارکیٹ میں پگڑی کی قیمت دوسال قبل تقریباً ایک لاکھ روپئے تھی، اب ڈیڑھ لاکھ ہے، جس وقت ظفر دوکان چھوڑ کر گئے تھے، اُس میں موجود سامان تقریبا ۲۰ ؍ ہزار روپئے کی مالیت کا تھا، جو لوگوں نے اندازہ لگایا تھا، ظفر کے برادر خورد عامر ان کی اہلیہ کو تین سو روپئے ماہانہ صرف اخلاقاً دے رہا ہے، چوں کہ ظفر ایک دس سالہ لے پالک دختر چھوڑ کر گئے تھے۔ اب مسئلہ درپیش یہ ہے کہ ظفر کی سسرال والے ظفر کی طرف ۳۴ ؍ ہزار روپئے کا قرض بتارہے ہیں، اور مہر کا بھی مطالبہ کررہے ہیں، جو نہ تو اِس تحریر میں مذکور ہے اور نہ ہی دوکان سے متعلق کسی کاپی رجسٹر وغیرہ میں اُس کی آمد کا اندراج ہے، اور نہ اس مختارنامہ میں اس قرض کی ادائیگی کے متعلق کوئی عامر کو ہدایت ہے، براہِ کرم واضح فرمائیں کہ برادر خورد عامر کو ظفر کی سسرال والوں کی رقم ادا کرنی پڑے گی یا نہیں؟ ان کا مطالبہ عامر سے کہاں تک درست ہے؟ سسرال والے مہر کا بھی مطالبہ کررہے ہیں، مہر کی رقم ادا کرنا عامر کے ذمہ ہے یا نہیں؟ اور لے پالک بچی اور ظفر کی بیوی کا نان ونفقہ کس کے ذمہ ہے؟ دوکان میں بیوی کا حصہ اب ہوگا یا نہیں؟ جب کہ دوکان اوقاف کے کرایہ کی ہے، اور برادر خورد عامر نے اس مذکورہ تحریر میں درج قرض کے بدلہ اس دوکان کو سنبھالا ہے۔

نوٹ :- ظفر کے لاپتہ ہونے سے قبل ہی بیوی نے اپنے میکے جاکر یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ ظفر کے یہاں نہیں رہنا ہے، جب کہ ظفر اور اُس کے متعلقین نے بہت کوشش کی تھی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں ذکر کردہ واقعہ اگر حقیقت کے مطابق ہے، تو اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ظفر نے اپنی دوکان ۴۰ ؍ ہزار روپئے کے عوض عامر کے ہاتھ فروخت کردی تھی، اور اب جب کہ عامر نے یہ رقم ظفر کے قرض خواہوں کو ادا کردی، تو کسی نئے قرض کا دعویٰ کرنے والے کو عامر سے مطالبہ کا کوئی حق نہیں، ظفر جب لوٹ آئے، تو اس سے مطالبہ کیا جائے، اس دوکان سے بیوی کا نفقہ دینا بھی ضروری نہیں ہے، اور لے پالک بچی کا نفقہ اس کے

حقیقی باپ پر ہے، عامر حسین اُس کے نفقہ کا ذمہ دار نہیں ہے، اِسی طرح مہر بھی اس کے ذمہ نہیں ہے۔

هٰكـذا استفيد من عبارة الهـداية: ومـن دفـع إلى رجل عشرة دراهم لينـفـقهـا عـلـى أهـلـه فـأنـفق عشرة عليهم من عنده فالعشرة بالعشرة؛ لأن الـوكيل بالإنفاق وكيل بالشراء والحكم فيه ما ذكرناه. (الهداية / كتاب الوكالة ۱۸۲/۳ إدارة المعارف ديوبند)

نـفـقة الأولاد الـصـغار على الأب لا يشاركه فيها أحد، كذا في الجوهرة النيرة. (الفتاوىٰ الهندية، النفقات / الفصل الرابع في نفقة الأولاد ۵٦۰/۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۱/۲ھ

قرض پر نفع لینا حرام ہے؟

سوال (۲۴۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا ''الف'' کو یہ حق شرعاً پہنچتا ہے کہ وہ ''م'' کو دی ہوئی رقم پر آج تک کے حساب سے جو زمینوں کی قیمتوں میں فرق آیا ہے، اپنے نفع کا مطالبہ کرسکے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں ''الف'' ''م'' سے نفع کا مطالبہ بھی نہیں کرسکتا، وہ صرف اپنی دی ہوئی متعینہ رقم ہی واپس لینے کا مستحق ہے؛ کیوں کہ قرض پر نفع لینا سود اور حرام ہے۔

كـل قـرض جـر نـفعًا حرام أي إذا كان مشروطًا. (شـامـي، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية، مطلب: كل قرض جر نفعًا الخ ۱٦٦/۵ كراچی، ۳۹۵/۷ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱٦/۹/۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرض پر ماہانہ اِضافہ کی رقم لینا؟

سوال (۲۴۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں نے اپنے سگے بھائی سے کچھ رقم وقتی ضرورت حل کرنے کی غرض سے کچھ عرصہ بعد واپسی کے وعدہ پر لے لی، ابھی رقم واپس بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ وہ مطالبہ کرنے لگے کہ مجھے اس رقم کا فائدہ بطور ماہانہ کچھ رقم دو، جب کہ رقم لیتے وقت ایسا کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا، ان کو فائدہ دینے میں دیر کی تو جو سامان میں دوکان میں فروخت کرتا ہوں، ہزار روپیہ کے قریب سامان لے گئے، یہ کہہ کر میں اپنی رقم کا فائدہ لے رہا ہوں، اور آئندہ بھی ہر ماہ یہی عمل کروں گا، قرآن وحدیث کی روشنی میں ہمیں واقف کرائیں کہ ان کا اِس طرح فائدہ لینا اور میرا دینا شرع کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرض پر ماہانہ اِضافہ کی رقم لینا حرام اور ناجائز ہے، آپ کو خوشی سے یہ رقم اور اشیاء دینی بھی نہ چاہئیں۔

كل قرض جر نفعًا حرام. (شامي، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية، فصل في القرض ۱٦٦/٥ دار الفكر بيروت، ٣٩٥/٧ زكريا، الأشباه والنظائر، كتاب المداينات / الفن الثاني ١٤٤، قواعد الفقه ١٠٢، رقم القاعدة: ٢٣٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۱۱/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نفع کی شرط کے ساتھ قرض کا لین دین؟

سوال (۲۴۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک صاحب نے اس شرط پر ہم سے قرض لیا کہ آپ کی رقم ایک مقدمہ میں لگا رہے ہیں، مقدمہ جیتنے پر آپ کو نفع کے بیس ہزار روپئے دیں گے، یہ بیس ہزار روپئے ہمارے لئے جائز ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرض پر نفع کی شرط حرام ہے؛ لہٰذا آپ کے لئے بیس ہزار روپیہ لینا ہرگز درست نہیں ہے، صرف اپنے قرض کی رقم واپس لے لیں۔

کل قرض جر نفعًا حرام. (شامي، کتاب البیوع / باب المرابحة والتولیة، فصل في القرض ۱۶۶/۵ دار الفکر بیروت، ۳۹۵/۷ زکریا، الأشباه والنظائر، کتاب المداینات / الفن الثاني ۱۴۴، قواعد الفقه ۱۰۲، رقم القاعدة: ۲۳۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۴/۱۲/۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِس شرط پر قرض دینا کہ تجارت میں نفع ہوا تو زیادہ لوں گا؟

سوال (۲۵۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے عمر سے ہزار روپیہ لیا، اور یہ کہا کہ بھائی میرے پاس کچھ کام آگیا ہے مجھے ضرورت ہے، عمر نے کہا کہ مجھے کیا دوگے، زید نے جواب دیا کہ اگر پانچ ہزار کا نفع ہوا تو دوڈھائی ہزار آپ کو دے دیں گے، ایک ڈیڑھ ماہ کے وعدہ پر، اب زید کو اتفاقاً بجائے فائدہ کے اس کام میں نو ہزار کا نقصان ہوا، تو اس صورت میں شرعی حکم کیا ہے، کیا عمر کو فائدہ کی رقم لینا جائز ہوگا؟ اصلی رقم وعدہ کے مطابق واپس کردگئی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بظاہر یہ معاملہ قرض کا ہے، اور قرض پر نفع لینا شرعاً جائز نہیں ہے۔

کل قرض جر نفعًا حرام. (شامي، کتاب البیوع / باب المرابحة والتولیة، فصل في القرض ۱۶۶/۵ دار الفکر بیروت، ۳۹۵/۷ زکریا، الأشباه والنظائر، کتاب المداینات / الفن الثاني ۱۴۴، قواعد الفقه ۱۰۲، رقم القاعدة: ۲۳۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۷/۱۱/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرض پر نفع لینا اور قرض کے ساتھ اجارہ کو مشروط کرنا؟

سوال (۲۵۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں آسام میں لوگ اس طرح معاملہ کرتے ہیں کہ ایک شخص مثلاً زید دوسرے شخص مثلاً بکر سے ایک بیگھہ زمین بیس ہزار روپئے سے اس شرط کے ساتھ لیتا ہے کہ پیداوار کے ہر موسم میں بیس ہزار روپئے میں سے پانچ یا سات پرسنٹ روپئے کم ہوتے رہیں گے، اور جب بکر چاہے مابقیہ روپیہ زید کو واپس کر کے اپنی زمین واپس لے سکے گا، تو کیا اس طرح کے معاملہ درست ہے؟ بالتفصیل جواب سے نوازکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ معاملہ شرعاً جائز نہیں ہے، اس میں دو خرابیاں پائی جاتی ہیں، اول یہ کہ قرض پر نفع اٹھایا جارہا ہے، اِس کی شرعاً اجازت نہیں ہے، دوسرے یہ کہ قرض کے ساتھ اجارہ کا معاملہ مشروط ہے، اور اس طرح معاملات کو مشروط کر کے عقد کرنا حدیث میں ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

عن علي رضي اللّٰه عنه مرفوعًا: كل قرض جر منفعة أي إلى المقرض فهو ربا، أي في حكم الربا، فيكون حرامًا، وعقد القرض باطل. (السراج المنير ٢٠/٤، تكملة فتح الملهم ٥٦٨/١ مكتبة دار العلوم كراچی، إعلاء السنن ٥٦٦/١٤ دار الكتب العلمية بيروت، طحاوي ٢٢٩/٢، نصب الراية ٦٠/٤)

قال ابن المنذر: أجمعوا على أن المسلف إذا شرط على المستسلف زيادة أو هدية، فأسلف على ذلك، إن أخذ الزيادة على ذٰلك ربا. (إعلاء السنن ٤٩٩/١٤ كراچی)

عن عبد الرحمن بن عبد اللّٰه بن مسعود عن أبيه رضي اللّٰه عنه قال: نهى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عن صفقتين في صفقة واحدة. (المسند للإمام أحمد بن حنبل ٣٩٨/١، نصب الراية ٢٠/٤ بحواله: تعليقات على الهداية / باب البيع الفاسد ٢٠/٥ مكتبة البشرىٰ كراچی، كذا

في إعلاء السنن ٤ ٢٠٦/١ دار الكتب العلمية بيروت، الموسوعة الفقهية ٢٦٧/٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۳/۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک ہزار کے ساتھ ایک من دھان واپس کرنے کی شرط پر قرض دینا؟

سوال (۲۵۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک معاملہ میں مثلاً عمر بوقتِ ضرورت خالد سے ایک ہزار روپئے اس شرط کے ساتھ لیتا ہے کہ ایک سال یا چھ مہینے کے بعد عمر خالد کو نوسو یا پورے ایک ہزار روپئے بھی واپس کرے گا، اور اس کے ساتھ ایک من دھان یا دوسرے پیداوار بھی مزید واپس کرے گا، تو شریعت کے رو سے یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟ دلائل کی روشنی میں جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں بڑا احسان ہوگا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک ہزار روپئے کے ساتھ مزید ایک من دھان واپس کرنے کی شرط لگانا سراسر سود ہے، جو قطعاً حرام ہے، اور اگر ایک ہزار کے بدلہ نوسو روپئے اور ایک من دھان واپسی کی شرط لگائی تو اس میں قدرے تفصیل ہے، اگر ایک من دھان کی قیمت سو روپئے کے برابر ہے، تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، اور اگر اس کی قیمت اس سے کم یا زیادہ ہے، تو پھر یہ معاملہ مکروہ ہوگا۔

عن المهاجر بن قنفذ: كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا.

(شعب الإيمان للبيهقي ٣٥٠/٥، المصنف لعبد الرزاق ١٤٥/٨)

إن الصحابة كانوا يعتبرون كل زيادة على القرض ربا، ويحرمونها. (تكملة فتح الملهم ٥٦٨/١ مكتبة دار العلوم كراچی)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: من أسلف سلفًا فلا يشترط إلا

قضاؤه. (الموطأ لإمام مالك بحواله: تكملة فتح الملهم ٥٦٨/١ مكتبة دار العلوم كراچی)

ولو تبايعا فضة بفضة أو ذهبًا بذهبٍ، ومع أقلهما شيء آخر، تبلغ قيمته باقي الفضة، جاز البيع من غير كراهة، وإن لم تبلغ فمع الكراهة. (شامي، كتاب البيوع / باب الصرف، مطلب: في حكم بيع فضة بفضةٍ قليلة مع شيءآخر ٢٦٥/٥ كراچی)

كل قرض جر نفعًا حرام. (شامي، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية، فصل في القرض ١٦٦/٥ دار الفكر بيروت، ٣٩٥/٧ زكريا، الأشباه والنظائر، كتاب المداينات / الفن الثاني ١٤٤، قواعد الفقه ١٠٢ رقم القاعدة: ٢٣٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۳/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کمپیوٹر کلاس والے کو تین لاکھ روپئے قرض دے کر ساڑھے تین لاکھ واپس لینا؟

سوال (۲۵۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسئلہ یہ ہے کہ میں مسمی سید اعظم ساکن رائے چور نے ایک کمپیوٹر کلاس کا تین ماہ کے لئے ٹھیکہ لے رکھا ہے، وہ اس طرح کہ ہر ماہ میں یعنی سید اعظم کمپیوٹر کلاس والے ہیڈ ماسٹر کو ایک لاکھ روپئے دوں گا، جس سے وہ ہیڈ ماسٹر اپنی کلاس کے تنخواہ جات وغیرہ اخراجات کرے گا، تین ماہ میں ہر ماہ کے ایک لاکھ روپئے دینے کے بعد چوتھے مہینے میں وہ ہیڈ ماسٹر کمپیوٹر کلاس والے سید اعظم کو تین لاکھ پچاس ہزار روپئے واپس کرے گا، کیا شرعی طور پر یہ جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جس معاملہ کا نام ٹھیکہ دیا گیا ہے، یہ دراصل قرض کی شکل ہے، اور تین لاکھ دے کر ساڑھے تین لاکھ روپئے واپس لینا شرعاً سود ہے؛ لہٰذا سید اعظم کے لئے زائد پچاس ہزار روپئے لینا قطعاً حرام ہے۔

كل قرض جر نفعًا فهو ربا. (شامي ١٦٦/٥ كراچی، طحاوي شريف ٢٢٩/٢، نصب الراية ٦٠/٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/۷/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرض کے بدلے گھر سے نفع اٹھانا؟

سوال (۲۵۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے دوسرے کو ۳۰/ہزار روپئے بطور قرض دیئے، اس شرط پر کہ میں تمہارا گھر استعمال کروں گا، اور جب تم پیسے دے دو، اُس وقت گھر واپس لینا، تو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ مقروض بھی اس پر راضی ہے، اور اگر گھر کو استعمال کرلیا، تو کیا کرایہ دینا لازم ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں جو معاملہ کیا گیا ہے وہ رہن کا نہیں؛ بلکہ اجارۂ فاسدہ کا ہے، اور اس میں حکم یہ ہے کہ جتنے دن گھر استعمال کیا ہے، اُس کا جو کرایہ عرف میں بنتا ہو، وہ مالک مکان کو دینا لازم ہوگا، اور یہ طریقہ کہ گھر کو بطور رہن سمجھ کر اُس سے مفت نفع اٹھایا جائے، شرعاً جائز نہیں ہے۔

ولو استقرض دراهم وسلم حماره إلى المقرض ليستعمله إلى شهرين حتى يوفيه دينه أو داره ليسكنها فهو بمنزلة الإجارة الفاسدة، إن استعمله فعليه أجر مثله، ولايكون رهنًا. (شامي / كتاب الرهن ٨٧/١٠ زكريا)

لايحل له (أي للمرتهن) أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه، وإن أذن له الراهن. (شامي / كتاب الرهن ٨٣/١٠ زكريا، تبيين الحقائق / كتاب الرهن ٦٧/٦ إمدادية ملتان، البحر الرائق / كتاب الرهن ٢٣٨/٨ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳۰/۱/۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۹۰۰/روپئے کے بدلے۱۰۰۰/روپئے لینے کی شرط لگانا؟

سوال (۲۵۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کچھ لوگ رقم دوسروں کو اس شرط پر دیتے ہیں کہ فلاں مہینہ میں اتنی رقم لوں گا، یعنی اس ماہ میں ایک کوئنٹل چاول ۹۰۰/روپئے میں ہے، اب قرض لینے والا مجبوری کے تحت ۹۰۰/روپئے قرض لیتا ہے، مگر قرض دینے والا کہتا ہے کہ فلاں مہینہ میں چاول کا بھاؤ بڑھے یا نہ بڑھے، میں تم سے پندرہ سو روپئے لوں گا، اب قرض لینے والا شرط کو منظور کر لیتا ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ یہ معاملہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۹۰۰/روپئے قرض کے بدلہ ۱۵۰۰/روپئے لینے کی شرط لگانا کھلا ہوا سود ہے، ایسا لین دین حرام ہے۔

كل قرض جر نفعًا حرام. (شامي، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية، فصل في القرض ١٦٦/٥ دار الفكر بيروت، ٣٩٥/٧ زكريا، الأشباه والنظائر، كتاب المداينات / الفن الثاني ١٤٤، قواعد الفقه ١٠٢، رقم القاعدة: ٢٣٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۹/۱۰/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۲۵/ ہزار روپئے دے کر ۷/ ہزار مزید لینا؟

سوال (۲۵۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے ۲۵/ ہزار روپئے بکر کو اس شرط پر دئے کہ مجھے نفع نقصان سے کوئی تعلق نہیں، ایک سال میں مجھے ۶/ ہزار روپئے آپ سے لینے ہیں، بکر نے زید کو ایک سال میں ۶/ ہزار روپئے دے دئے، یہ روپئے بطور نفع کے ہیں، اب زید نے کہا کہ مجھے دوسرے سال ۲۵/ ہزار روپئے پر ۷/ ہزار روپئے نفع لینے ہیں، میری ۲۵/ ہزار کی رقم جو میرا اَصل ہے وہ بھی دینا ہے۔ قابل غور امر یہ ہے کہ زید اور بکر کا یہ لین دین جس میں سود کی شکل معلوم ہوتی ہے اس طرح لین دین کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اِس شرط پر قرض دینا کہ واپسی اضافہ کے ساتھ ہوگی کھلا ہوا سود ہے؛ لہٰذا سوال میں ذکر کردہ معاملہ قطعاً جائز نہیں، اور مذکورہ شخص نے جتنا روپیہ قرض دیا ہے، اس سے ایک روپیہ زائد بھی اس کے لئے مقروض سے لینے کی قطعاً اجازت نہیں ہے، اگر کاروبار میں شرکت کا ارادہ ہوتو مضاربت اور شرکت کے شرعی اُصولوں کے مطابق معاملہ طے کیا جائے، اور اس بارے میں کسی جان کار عالم سے معلومات حاصل کرکے اس کے مشوروں کی روشنی میں کاروبار کیا جائے۔

كل قرض جر نفعًا حرام. (شامي، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية، فصل في القرض ١٦٦/٥ دار الفكر بيروت، ٣٩٥/٧ زكريا، الأشباه والنظائر، كتاب المداينات / الفن الثاني ١٤٤، قواعد الفقه ١٠٢، رقم القاعدة: ٢٣٠)

وفي الخلاصة: القرض بالشرط حرام والشرط لغو. (الدر المختار مع الشامي، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية، مطلب: في شراء المستقرض القرض من المقرض ١٦٦/٥ كراچی، ٣٩٥/٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۲/۴/۶ھ

قرض ادا کرنے کے لئے بیوی سے زیور بطورِ قرض لینا؟

سوال (۲۵۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شوہر کی طرف سے چڑھایا گیا، زیور شوہر نے یہ کہہ کر بیوی سے واپس لے لیا کہ مجھے قرض ادا کرنا ہے، اس وقت دے دو میں بعد میں بنوادوں گا، اب چوں کہ کاروباری حالات درست ہیں اور کچھ دن پہلے شوہر یہ بھی کہہ چکا ہے کہ میں زیور کے بدلے اب چوڑیاں بنوادوں گا، کیا یہ زیور شوہر کو واپس کرنا لازم ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر نے جب بیوی کا زیور بطور قرض لیا ہے، تو اُس پر واجب ہے کہ اب زیور یا اس کی قیمت کے بقدر کوئی اور چیز اسے واپس کرے۔

لا بأس بأن يستدين الرجل إذا كانت له حاجة لا بد منه وهو يريد قضائها، ولو استدان وقصد أن لا يقضيه فهو اٰكل السحت. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب السابع والعشرون في القرض والدين ٥/٣٦٦ زكريا)

ديون تفضي بأمثالها. (الأشباه والنظائر، كتاب المداينات / الفن الثاني ٢/٣٤٩ زكريا)

هو عقد مخصوص يرد على دفع المال بمنزلة الجنس مثله لآخر ليرد مثله وصح القرض في مثله لا في غيره (درمختار) فيستلزم إيجاب المثلي في الذمة. (شامي / باب المرابحة، فصل في القرض ٥/١٦١ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۲/۲۵ھ

مسجد کے متولی کا بلا معاوضہ مدرسہ کے قرض کو معاف کردینا؟

سوال (۲۵۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ۱۹۸۰ء کے زمانہ میں جب کہ سمنٹ کنٹرول تھا، اسی اثناء میں سائل حاجی عبدالمجید ساکن انصارنگر مدرسہ دارالعلوم مؤمن پورہ میں بحیثیت رکن تھا، اور مسجد قادر صاحب میں بحیثیت صدر تھا، اس وقت مسجد قادر صاحب کی تعمیری کام کے لئے سمنٹ کی سخت ضرورت تھی، جب کہ اس کی تحویل میں اتنے روپئے بھی تھے کہ آسانی سے سمنٹ خریدی جاسکتی تھی؛ لیکن کنٹرول ہونے کی وجہ سے مجبوری تھی، مسجد کمیٹی والوں کے مطالبہ پر جب کہ مدرسہ دارالعلوم میں سمنٹ موجود تھی، ۵۸؍ بوری سمنٹ مدرسہ کے صدر الحاج عبدالقادر صاحب مرحوم نے یہ کہہ کر بطور قرض دیا کہ ہم کو سمنٹ کا روپیہ نہیں چاہئے، سمنٹ ہی واپس چاہئے۔ پھر ایک عرصہ کے بعد جب کہ میں مدرسہ دارالعلوم کا صدر منتخب کیا گیا اور سکریٹری ڈاکٹر نذیر احمد صاحب انصاری تھے، ان کی سکریٹری شپ میں ایک

مرتبہ مسجد کمیٹی والوں کو ۵۸/ بوری سمنٹ کی واپسی کی درخواست دی گئی، مگر واپسی کی کوئی شکل سامنے نہیں آئی، پھر جب کہ تقریباً چار ہی مہینہ کے بعد میں دارالعلوم کی صدارت سے علیحدہ ہوا تو چارج شیٹ میں اس کا تذکرہ بھی موجود ہے کہ ۵۸/ بوری سمنٹ مسجد سے لینا ہے، میری علیحدگی کے چند ہی دن کے بعد موجودہ سکریٹری ڈاکٹر نذیر احمد انصاری مدرسہ کے صدر منتخب ہونے کے بعد اُنہوں نے مسجد کمیٹی والوں کو ۵۸/ بوری سمنٹ معاف کردیا، میں اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے مفتیانِ کرام سے یہ سوال عرض کرتا ہوں کہ مسجد کمیٹی کو قرض دی ہوئی ۵۸/ بوری سمنٹ مدرسہ دارالعلوم کو واپس کرنا ضروری ہے یا نہیں، یا مدرسہ کمیٹی کے معاف کرنے سے معاف ہوجاتی ہے؟

نوٹ:- مرحوم الحاج عبدالقادر صاحب کے قرض دینے کے اس واقعہ کے چار ہی مہینہ کے بعد میں مسجد کمیٹی کی صدارت سے سبک دوش ہوگیا، اس موقع پر نئی کمیٹی کو چارج دیتے ہوئے چارج شیٹ میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ ۵۸/ بوری سمنٹ مدرسہ دارالعلوم کو واپس کرنا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد اور مدرسہ کی ملکیت الگ الگ ہے، کسی متولی یا صدر کو یہ اختیار نہیں ہے کہ مسئولہ صورت میں وہ مدرسہ کا قرض بلامعاوضہ مفت میں معاف کردے، مسجد کے ذمہ داروں کو مدرسہ کا قرض بہرحال ادا کردینا چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۵/۸۱ ڈابھیل)

وأما إذا كان على أرباب معلومين و مستحقين مخصوصين، لا تجوز المسامحة والحط بالصلح مطلقًا. (البحر الرائق / كتاب الوقف ٥/٤٠٦ زكريا)

أكار تناول من مال الوقف فصالح المتولي على شيء، فهٰذا على وجهين: إما أن يكون الأكار غنيًا أو فقيرًا، ففي الوجه الأول لايجوز الحط من مال الوقف. (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الوقف / تصرف القيم في الأوقاف ٥/٧٦٠ إدارة القرآن كراچی، وكذا في الفتاوىٰ الهندية، كتاب الوقف / الباب الخامس في ولاية الوقف ٢/٤٦٢ زكريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۹/۶/۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

مسلم فنڈ کا قرض خواہ سے فارم خرچ کے نام پر زائد رقم وصول کرنا؟

سوال (۲۵۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسلم بیت المال، یا مسلم فنڈ قرض خواہوں کو قرض بلاسود فراہم کرتی ہیں، جس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ اگر ایک ہزار روپئے ایک ماہ کے لئے قرض مطلوب ہے، تو دس روپئے بنام فارم خرچ لے کر قرض دے دیا جائے گا، اگر ۵ ر ہزار چھ ماہ کے لئے مطلوب ہے، تو تین سو روپئے لے کر بنام فارم خرچ قرض دے دیا جائے گا، اگر یہ شخص چھ ماہ بعد زیور واپس لینے نہیں آیا؛ بلکہ دو سال بعد آیا تو جتنی میعاد زائد ہوگی، اتنے مہینہ کا ایک فیصد کے حساب سے جوڑ کر اس زائد مدت کا خرچہ بنام فارم خرچ لے لیا جاتا ہے، اور اس کی رسید کاٹ دی جاتی ہے، مدت متعینہ پر زیور واپس نہیں لیا اور اب کئی سال بعد جو زیور لیا جارہا ہے اس پر جو باقی مدت کا ماہانہ خرچہ لیا جارہا ہے وہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اِس معاملہ میں جواز کا حیلہ صرف یہ ہے کہ ہر قرض کی مدت کے اختتام پر باقاعدہ نیا فارم خرید کر ازسرنو معاملہ کیا جائے، یہ طریقہ شرعاً بالکل جائز نہیں ہے کہ مدتوں کے بعد واپسی کی صورت میں فیصدی کے حساب سے زائد رقم وصول کی جائے، یہ کھلا ہوا سود ہے، مسلم فنڈ والوں کو چاہئے کہ ضابطہ کے مطابق اگر بروقت ادائیگی نہ ہو تو مرہونہ زیورات فروخت کرکے اپنی رقم وصول کرلیا کریں، مرہونہ زیورات کی حفاظت کا کرایہ بھی نہیں لیا جاسکتا، اس کی حفاظت ادارہ کے ذمہ ہے۔

لأن الربا هو الفضل المستحق لأحد المتعاقدين في المعاوضة الخالي عن عوض شرط فيه. (الهداية / باب الربا ۳/ ۸۰ إدارة المعارف ديوبند، الفتاویٰ الهندية، الباب التاسع / الفصل السادس ۳/ ۱۱۷ زكريا، الفقه على المذاهب الأربعة / المبحث الربا ۲/ ۲۲۷ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۱۱/۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِمدادی سوسائٹی سے فارم پر قرض لینا؟

سوال (۲۶۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم بیت المال امدادی سوسائٹی کے نام سے ایک مسلم فنڈ چلا رہے ہیں، جس کا مقصد عوام میں بچت کی عادت ڈالنا وضرورت پڑنے پر بغیر سود کے قرض مہیا کرانا ہے؛ تاکہ لوگ مہاجن سے قرض لینے وسود کی لعنت سے بچ سکے۔

اب تک سوسائٹی قرض خواہ سے فارم فیس دس روپئے فی ہزار ماہانہ کے حساب سے وصول کررہی تھی، جس سے سوسائٹی کے اخراجات پورے ہورہے تھے؛ لیکن معلوم یہ ہوا کہ جو رقم ہم فارم فیس کے نام سے وصول کررہے ہیں سود کے مشابہ ہے، اگر فارم فیس نہیں لی جائے تو سوسائٹی کے اخراجات کے لئے کوئی شکل نہیں؛ لہٰذا سوسائٹی کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے یہ نئی شکل تجویز کی گئی کہ سوسائٹی کا خرچ جیسے تنخواہِ ملازمین اور اسٹیشنری وغیرہ کا کل سالانہ خرچ کو مقروض حضرات سے ہی وصول کیا جائے۔ اس کی شکل یہ ہے کہ جس سال کم خرچ ہوگا تو مقروضین سے کم رقم وصول کی جائے گی، اور جس سال زیادہ خرچ ہوگا اس سال زیادہ، یعنی خرچہ سوسائٹی کے نام سے لی گئی رقم گھٹتی بڑھتی رہے گی۔

مثلاً مبلغ چھ لاکھ چھتیس ہزار روپئے قرض کی شکل میں ضرورت مند حضرات کو ایک سال کے لئے دیا جائے، تو سال بھر میں ہونے والا خرچ تقریباً ایک لاکھ روپئے ہوتا ہے، اس رقم کا فی دس ہزار روپئے پر ۱۵۰۰/ سوا ۱۷/ روپئے سالانہ خرچ قرض خواہ کو دینا ہوگا، اور چھ ماہ کے لئے کوئی شخص لیتا ہے تو ۱۵/ ۱۷/ روپئے کا نصف وتین ماہ کے لئے چوتھائی ادا کرنا ہوگا، جب کہ سوسائٹی کے ذمہ داران کو کوئی ذاتی نفع نہیں ہے، یعنی یہ سوسائٹی تو ہر وقت نو لوس پر چلے گی، اس طرح سوسائٹی کا خرچ مقروض حضرات سے وصول کرنا درست ہے یا نہیں؟

نوٹ:- چھ لاکھ چھتیس ہزار روپئے قرض میں دینے کے لئے پورے سال میں تقریباً ایک کروڑ روپئے کا...... یعنی جمع واپسی ہوتی ہے، جس کو محصل حضرات گھر گھر ودوکان دوکان جا کر

لوگوں سے وصول کرتے ہیں، اس طرح تقریباً دس لاکھ روپئے تحویل میں رہتے ہیں، اسی میں سے چھ یا سات لاکھ روپئے قرض میں دے دئے جائیں گے، باقی تحویل میں رہیں گے۔ اگر یہ رقم بڑھ کر دس لاکھ سے بیس لاکھ ہو جائے تو قرض کی رقم بھی دوگنی ہو جائے گی، اور خرچ آدھا ہو جائے گا۔

شرائط قرض:-

(۱) قرض کی مدت تین ماہ، چھ ماہ، نو ماہ اور ایک سال ہی ہوگی۔

(۲) قرض کی رقم پانچ ہزار دس ہزار، پندرہ ہزار، یا بیس ہزار ہی ہوگی۔

(۳) خرچ سوسائٹی ہر سال گھٹتا بڑھتا رہے گا۔

(۴) خرچ کی رقم پیشگی لی جائے گی۔

(۵) مدت معینہ سے پہلے قرض جمع کرنے پر خرچ کی رقم واپس نہیں کی جائے گی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرض داروں سے فارم کی فروختگی اگر شرائط وضوابط کے مطابق کی جائے، تو اس کے جواز کی شرعاً گنجائش ہے؛ لیکن آپ نے فارم کی فروختگی کے بغیر قرض کے تناسب سے رقم وصول کرنے کی جو تجویز رکھی ہے، وہ صراحۃً سود ہے، اس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں نکل سکتی؛ لہٰذا بدرجۂ مجبوری ادارہ کے اخراجات پورے کرنے کے لئے فارموں کی فروختگی کا طریقہ ہی اپنایا جائے، اور اس میں شرعی ضوابط کی پوری رعایت رکھی جائے، مثلاً یہ کہ مدت قرض کے اختتام پر پرانا معاملہ ختم کرکے از سر نو معاملہ کیا جائے، اور نئے فارم کی خانہ پری کی جائے اور پرانے فارم کی توسیع نہ کی جائے وغیرہ۔

عن علي رضي اللّٰه عنه مرفوعًا: كل قرض جر منفعة أي إلى المقرض فهو ربا، أي في حكم الربا، فيكون حرامًا، وعقد القرض باطل. (السراج لمنير ۲۰/٤، تكملة فتح الملهم ١/٥٦٨ مكتبة دار العلوم كراچی، إعلاء السنن ١٤/٥٦٦ دار الكتب العلمية بيروت)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: من أسلف سلفًا فلا يشترط إلا

قضاؤه. (الموطأ لإمام مالك بحواله: تكملة فتح الملهم ١/٥٦٨ مكتبة دار العلوم كراچی)

وقال أبو يوسف: لا يكره هٰذه البيع – إلى قوله – حتى لو باع كاغذة بألف يجوز ولا يكره. (فتح القدير ٧/٢١٢ دار الفكر بيروت، شامي / كتاب البيوع ٥/٣٢٥ كراچی)

كل قرض جر منفعة فهو ربا. الحديث (طحاوي شريف ٢/٢٢٩، نصب الراية ٤/٦٠)

إن الصحابة كانوا يعتبرون كل زيادة على القرض ربا ويحرمونها. (تكملة فتح الملهم ١/٥٦٨ مكتبة دار العلوم كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۲/۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گورنمنٹ کا مقروض کو سات سال کے اندر قرض ادا کرنے پر رعایت دینا؟

سوال (۲۶۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گورنمنٹ کسی بھی آدمی کو قرض کے نام سے رقم دیتی ہے، اس میں یہ شرط مقرر ہوتی ہے کہ سات سال سے پہلے پہلے اگر مقروض بینک کا قرض ادا کردے، تو اُس کو یہ رعایت دی جاتی ہے کہ متعین رقم سے کچھ حصہ معاف کردیا جاتا ہے، مثلاً ۱۵/ ہزار روپئے کسی نے لئے، تو ۱۱/ ہزار روپئے ادا کرنے ہوں گے، اور اگر سات سال سے مدت تجاوز کرگئی، تو پھر ہر ماہ سود بڑھتا رہے گا، یعنی مقروض کو متعین رقم سے زیادہ دینا ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں مذکورہ شرط پر بینک سے نفس قرض کا معاملہ تو صحیح ہے؛ لیکن اس میں سات سال کے بعد سود دینے کی جو شرط لگی ہے وہ لغو ہے؛ لہٰذا اگر مقروض قرض لے کر سات سال کے اندر اندر قرض ادا کردے تو وہ گنہگار نہ ہوگا اور حکومت کی طرف سے جو قرض میں کمی ہوگی وہ ''ابرا'' یعنی قرض کی معافی کی ایک شکل ہوگی، اور اگر سات سال میں

قرض ادا نہ کرسکا اور اسے سود دینا پڑا، تو اب سود دینے کا اسے گناہ ہوگا۔

عن علي أمير المؤمنين رضي اللّٰه عنه مرفوعًا: كل قرض جرّ منفعة فهو ربا، وكل قرض شرط فيه الزيادة فهو حرام بلا خلاف. (إعلاء السنن، كتاب الحوالة / باب كل قرض جر منفعة فهو ربا ٤٩٩/١٤ إدارة القرآن كراچی)

قوله عليه السلام: كل قرض جر منفعة فهو ربا، أي في حكم الربا، فيكون عقد القرض باطلاً، فإذا شرط في عقده ما يجلب نفعًا إلى المقرض من نحو زيادة قدر أو صفة، بطل. (فيض القدير ٤٤٨٧/٩ رقم: ٦٣٣٦ مصطفىٰ الباز رياض)

وفي الخلاصة: القرض بالشرط حرام والشرط لغو. (الدر المختار مع الشامي، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية، مطلب: في شراء المستقرض القرض من المقرض ١٦٦/٥ كراچی، ٣٩٥/٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۴/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دوسروں سے روپئے لے کر کاروبار کرنا اور خرچ چلانا کیسا ہے؟

سوال (۲۶۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم لوگوں کا کافی روپیہ عرصہ سے نہ دے کر اپنا کاروبار کرتے ہیں اور اپنا خرچہ چلاتے ہیں، یہ عمل کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: کسی شخص سے قرضہ لے کر استطاعت کے باوجود اس کا قرض ادا نہ کرنا اور خود اپنا کاروبار کرتے رہنا ظلم ہے، اور ایسا شخص غاصب اور سخت گنہگار ہے؛ لیکن قرض ادا نہ کرنے کی وجہ سے اُس کی تجارت اور کاروبار کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا؛ کیوں کہ قرض کا لین دین تو آپس میں رضامندی کی وجہ سے ہوا ہے، بعد میں مقروض کی نیت میں کھوٹ پیدا ہونے

کی وجہ سے قرض کی ادائیگی سے انکار کررہا ہے، تو ایسا شخص بالضرور ظالم اور غاصب ہے، اس شخص کو چاہئے کہ جلد از جلد قرض سے سبک دوشی حاصل کرے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۲/۳۰۴)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: مطل الغني ظلم. (صحيح البخاري / كتاب الحوالة رقم: ٢٢٨٧، صحيح مسلم، كتاب المساقاة / باب تحريم مطل الغني رقم: ١٥٦٤، مشكاة المصابيح ٢٥١/١)

إن المستقرض بنفس القبض صار بسبيل من التصرف في القرض من غير إذن المقرض بيعًا وهبة وصدقة وسائر التصرفات، وإذا تصرف فيه نفذ تصرفه، ولا يتوقف على إجازة المقرض تلك أمارات الملك، إذ لو لم يملكه لما جاز له التصرف فيه. (الموسوعة الفقهية ١٢٢/٣٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۳/۶/۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

والد سے قرض لے کر بنایا ہوا مکان کس کی ملکیت ہے؟

سوال (۲۶۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مکان اعظم کے نام ہے، اعظم نے ہی خریدا تھا، اُن کے والد صاحب کہتے ہیں کہ اعظم نے مجھ سے ڈیڑھ لاکھ روپئے قرض لیا تھا، اس کے عوض یہ مکان میرا ہوگیا، جب کہ چالیس ہزار روپئے کی ادائیگی بھی ہوچکی ہے، اور یہ مکان اس وقت تقریباً دس لاکھ روپئے کی مالیت کا ہے، تو اعظم کے والد کا یہ کہنا شرعاً کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب کہ والد صاحب نے اپنے بیٹے اعظم کو قرض کے طور پر بلاشرط ڈیڑھ لاکھ روپئے دئے تھے، اور یہ رقم اعظم نے اپنے طور پر مکان کی خریداری میں لگالی اور مکان بھی اپنے ہی نام سے خریدا، تو اِس سے واضح ہوگیا کہ قرض محض قرض تھا، مکان کا

عوض نہ تھا، اس لئے والد صاحب کا اس مکان کو اپنا ذاتی مکان قرار دینا درست نہیں ہے، وہ صرف اپنا دیا ہوا قرض ہی واپس لے سکتے ہیں، اس سے زیادہ کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔

لو استقرض كرّ برّ مثلاً وقبضه فله حبسه ورد مثله، وإن طلب المقرض ردّ العين؛ لأنه خرج عن ملك المقرض، وقد ثبت له في ذمة المستقرض مثله لا عينه ولو قائماً. (شامي، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية، قبيل: مطلب في شراء المستقرض القرض من المقرض ۳۹۲/۷ زكريا)

كل قرض جر نفعًا حرام أي إذا كان مشروطًا. (شامي، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية، مطلب: كل قرض جر نفعًا الخ ۱۶۶/۵ كراچی، ۳۹۵/۷ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۶/۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرض خواہ کا نام بھول گیا؟

سوال (۲۶۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے اپنی زندگی میں کبھی کبھی کسی سے کچھ قرض لیا، اور اپنی کاپی میں اُس کو یادداشت کے لئے محفوظ کرلیا، سوء اتفاق کہ سفر میں کاپی غائب ہوگئی، اور جن حضرات کا جتنا یاد آیا، اُس کو پھر نقل کرلیا، اب جن حضرات کا خیال نہیں ہے کہ اُن کا باقی ہے یا نہیں؟ تو ایسی صورت میں قرض کی ادائیگی کیسے کرے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں ایسے شخص سے قرض کی ادائیگی ساقط ہوجائے گی، اور اس پر آخرت میں مؤاخذہ بھی نہ ہوگا، اور ساتھ ہی یہ نیت رکھے کہ جب یاد آجائے گا تو ادا کردیں گے۔

لو لم يقدر على الأداء لفقره، أو لنسيانه، أو لعدم قدرته، قال شداد والناطفي

رحمهما الله تعالى: لا يؤاخذ به في الآخرة إذا كان الدين ثمن متاع أو قرضًا. (شامي، كتاب اللقطة / قبيل مطلب فيمن عليه ديون أو مظالم جهل أربابها ٦/٣ ٤٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۲۶/۱/۱۴۲۵ھ

قرض وصول کرنے کی ذمہ داری کس کی ہے؟

سوال (۲٦۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک آدمی کا فقط ۲ روپئے باقی ہے، اور وہ بہت ہی دور رہتے ہیں، اگر ادائیگی کے لئے سفر کریں، تو بہت زیادہ مال خرچ ہوگا، تو یہ کیسے ادا کریں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے قرض دار کو کارڈ پر یا کسی اور ذریعہ سے مطلع کردے کہ میرے ذمہ آپ کے دو روپئے قرض ہیں، جو میرے پاس محفوظ ہیں، آپ کسی ذریعہ سے اُسے وصول کرلیں۔

الحق لا يسقط بتقادم الزمان. (قواعد الفقه ۷۷ رقم القاعدة ١١٦ المكتبة الأشرفية ديو بند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۲۶/۱/۱۴۲۵ھ

پلاٹ بنا کر دینے کے لئے رشتہ داروں سے رقم لی، اَب پلاٹنگ کی اِجازت نہیں ملی، کیا کرے؟

سوال (۲٦٦): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں نے ایک زمین خریدی تھی، جس میں کچھ رشتہ داروں کو پلاٹ بنا کر دوں گا، ایسا وعدہ کرکے اُن سے ایک ایک ہزار وصول کیا تھا، اب کئی سال کی محنت کے بعد بھی زمین کو پلاٹ بنا کر

تعمیر کی اجازت نہیں مل رہی ہے، ایسی صورت میں اُن کو رقم لوٹانے کی کیا شکل ہوگی، جب کہ کئی سال کے بعد اس زمین کی قیمت میں کافی اضافہ ہو چکا ہے۔ آیا وہ ایک ہزار کے مستحق ہوں گے یا رقم لوٹانے کے وقت اضافہ شدہ قیمت کے ساتھ؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت عقد بیع نہیں ہے، اور وصول کردہ رقم آپ کے ذمہ دین ہے، اگر آپ پلاٹ نہیں دے سکتے ہیں، تو شرعاً صرف رشتہ داروں سے وصول کردہ اصل رقم کی واپسی ضروری ہوگی، اِس سے زیادہ نہیں دی جائے گی۔

في العناية: هو معاهدة ينعقد العقد بالتعاطي إذا جاء به. (عناية مع الفتح القدير / باب السلم ۷/ ۱۱٤ دار الفكر بيروت)

وفي الفتح: مواعدة: وإنما ينعقد بالتعاطي عند الفراغ؛ ولهٰذا كان لصانع أن لا يعمل ولا يجبر عليه بخلاف السلم. (فتح القدير / باب السلم ۷/ ۱۱۵ دار الفكر بيروت، البحر الرائق / باب السلم ٦/ ۱۷۱ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/ ۴/ ۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بینک سے سودی قرض لے کر لوگوں کا قرض ادا کرنا؟

سوال (۲٦۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عبدالسلام ایک غریب شخص ہے، اُس کے اوپر بہت لوگوں کا قرض ہے، اور آمدنی کم ہونے کی وجہ سے قرض ادا کرنا بہت مشکل ہے، قرض والا تنگ کرتا ہے، ایک بار اپنے قرض کو ادا نہیں کرسکتا، بینک سے قرض لے کر اپنا قرض ادا کرنا چاہتا ہے، بینک والے کو تھوڑا تھوڑا ہفتہ بھر کے ادا کردے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب زید لوگوں کے قرض ادا

کرنے پر اِس وقت قادرنہیں ہے،تو سوال یہ ہے کہ بینک سے حاصل کردہ سودی قرض وہ کیسے ادا کرپائے گا؟ اِس لئے اُسے چاہئے کہ وہ سودی قرض لینے کے بجائے حلال ذرائع آمدنی حاصل کرے،اورسودی قرض کے جال میں وہ نہ پھنسے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة، جزء آیت: ۲۷۵]

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا الرِّبَا اَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوْا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [آل عمران: ۱۳۰]

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم ۷۲/۲ رقم: ۱۵۹۸، سنن الترمذي ۲۲۹/۱ رقم: ۱۲۰٦، مشكاة المصابيح، البيوع / باب الربا ۲٤٤، مرقاة المفاتيح ٤۳/٦ رقم: ۲۸۰۷ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۷/ ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرض کی رقم لے کر باوجود قدرت کے نہ دینا؟

سوال (۲٦۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: الف نے کاروبار کے لئے ''ب'' سے (جوایک سرکاری ادارہ ہے،اورسود پر روپیہ دیتا ہے) کچھ روپیہ سود پر قرض لیا، ''م'' نے اس کی ضمانت لی، کاروبار شروع ہوگیا، اوراس میں کافی نقصان ہوگیا، ''الف'' نے جو مشین کاروبار میں لگائی تھی،اس کو بیچ دیا،اور''ب'' کا قرض اتارنے کے لئے اس روپیہ سے زمین خریدلی؛ تاکہ اس سے نفع حاصل کرکے ''ب'' کے قرض سے سبک دوش ہوسکے۔ادھر''م'' نے اپنے روپیہ کی وصول یابی کے لئے ''الف'' سے کچھ روپیہ قرض مانگا''الف'' نے اس روپیہ میں سے جو مشین بیچ کرحاصل ہوا تھا، ''م'' کی ضرورت کے مطابق روپیہ دے دیا، باقی روپیہ سے ''الف'' نے زمین خریدلی، اسی طرح تقریباً پانچ سال گذرگئے، ''الف'' نے اس

درمیان چار زمینیں مختلف اوقات میں خرید کر بیچ دیں اور خاصا نفع کمایا، ''الف'' اور ''ب'' کے درمیان سمجھوتہ کی شکل بھی آ گئی؛ لیکن ''الف'' کے پاس اتنی رقم نہ ہوسکی جتنی پر ''ب'' تیار ہوتا تھا، ''الف'' نے ''م'' سے اپنا روپیہ مانگا، ''م'' نے روپیہ سے انکار کردیا اور کہا کہ جب ''الف'' ''ب'' کا سارا قرض ادا کرے گا جب دوں گا؛ کیوں کہ میں ''م'' اس میں ضامن ہوں، ''الف'' نے ''م'' سے کہا کہ ٹھیک ہے اس روپیہ سے زمین خرید لو؛ تاکہ اس کی قیمت میں اضافہ سے نفع حاصل کیا جا سکے، اور ادائیگی میں سہولت کی شکل ہو سکے؛ لیکن ''م'' نے نہ ہی رقم ''الف'' کو واپس ادا کی نہ ہی کوئی زمین خریدی، جب کہ ''م'' کے علم میں یہ بات تھی کہ ''الف'' نے ''ب'' سے جو رقم قرض لی ہے، اس پر مستقل سود لگ رہا ہے۔ کیا ''م'' کو شرعاً یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ ''الف'' سے ضرورت کہہ کر ایک رقم قرض لے، اور پھر اس رقم کو اس طرح روک لے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''م'' کو ''الف'' کی رقم قرض اِس طرح روکنے کا حق نہیں ہے، باوجود قدرت کے کسی قرض خواہ کی رقم کو روکنا ظلم ہے، ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے؛ تاہم ''الف'' کو ''ب'' کا قرض ادا کرنے میں جلدی کرنی چاہئے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: مطل الغني ظلم. (صحيح البخاري / كتاب الحوالة رقم: ٢٢٨٧، صحيح مسلم، كتاب المساقاة / باب تحريم مطل الغني رقم: ١٥٦٤، مشكاة المصابيح ٢٥١/١)

عن عمر بن الشريد عن أبيه رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ليُّ الواجد يحل عرضه وعقوبته. (سنن النسائي / مطل الغني ٢٣٣/١)

عن الشريد رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ليُّ الواجد يحل عرضه وعقوبته. قال ابن المبارك: يحل عرضه، يغلظ له عقوبته يحبس له. (مشكاة المصابيح / باب الإفلاس والإنظار، الفصل الثاني ٢٥٣)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من أخذ أموال الناس يُريد أدائها، أدّى اللّٰه عنه، ومن أخذ يريد إتلافها أتلفه اللّٰه عليه.

(مشكاة المصابيح، كتاب البيوع / باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول ۲۵۲)

قال القاري: مطل الغني أي تاخير أداء الدين من وقت إلى وقت. (مرقاة المفاتيح ۱۰۷/۶ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۹/۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مقروض کا قرض اَدا کرنے میں ٹال مٹول کرنا؟

سوال (۲۶۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم لوگ جس کو مال اُدھار دیتے ہیں، کافی عرصہ سے روپئے باقی ہے، تقاضہ کرنے پر بھی بقایا نہیں مل رہا ہے، تو کیا مقروض رقم ادا نہ کرنے اور ٹال مٹول کرنے اور اُدھار مال دینے والوں کو پریشان کرنے سے شرعاً گنہگار ہوگا یا نہیں اور اگر نہ ادا کرے، تو آخرت میں گرفت ہوگی یا نہیں؟ شرعی حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں مقروض اگر وسعت کے باوجود قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرتا ہے، اور حق داروں کو حق نہیں دیتا ہے، تو شرعاً سخت ظلم اور گناہ کا مرتکب ہے۔ اَحادیثِ شریفہ میں قرض ادا نہ کرنے پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: مطل الغني ظلم، فإذا أُتبعَ أحدُكم على مَلِيءٍ فليتبع. (صحيح البخاري / كتاب الحوالة رقم: ۲۲۸۷، صحيح مسلم، كتاب المساقاة / باب تحريم مطل الغني رقم: ۱۵۶٤، مشكاة المصابيح ۲۵۱/۱)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: نفس المؤمن معلقة بدينه حتى يقضى عنه. (مشكاة المصابيح ۲۵۲/۱، سنن ابن ماجة ۱۷٤

رقم: ۲۴۱۳، مسند الشافعي ۱۹۰/۲، المسند للإمام أحمد بن حنبل ۴۴۰/۲، سنن الترمذي رقم: ۱۰۸۹، سنن الدار قطني ۶۶۲/۲)

عن ثوبان مولى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من فارق الروح الجسد وهي بريء من ثلاث دخل الجنة من الكبر والغلول والدين. (سنن ابن ماجة ۱۷۴ رقم: ۲۴۱۳)

عن البراء بن عازب رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: صاحب الدَّين مأسورٌ بدينه، يشكو إلى ربه الوحدة يوم القيامة. (شرح السنة ۲۰۳/۸، لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح للخطيب التبريزي، كتاب البيوع / باب الإفلاس والإنظار ۶۰۳/۵ رقم: ۲۹۱۶ دار النوادر)

عن أبي موسىٰ الأشعري رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إن أعظم الذنوب عند اللّٰه أن يلقاه بها عبدٌ بعد الكبائر التي نهى اللّٰه عنها أن يموت رجل وعليه دينٌ لا يدعُ له قضاءً. (سنن أبي داؤد رقم: ۳۳۴۲، المسند للإمام أحمد بن حنبل ۳۹۲/۴، لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح للخطيب التبريزي، كتاب البيوع / باب الإفلاس والإنظار ۶۰۶/۵ رقم: ۲۹۲۲ دار النوادر)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من مات وعليه دِينارٌ أو درهم قُضيَ من حسناته، ليس ثم دينارٌ ولا درهم. (سنن ابن ماجة ص: ۵۵۸ رقم: ۲۴۱۴ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۷/۱۱ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اُدھار خریدنے والے کے انتقال کے بعد دوکان والے کا ورثہ سے مطالبہ کرنا؟

سوال (۲۷۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: ایک صاحب ایک دوکان سے کپڑا اُدھار لیا کرتے تھے، پھر صاحبِ اُدھار انتقال فرماگئے، اور دو تین سال بعد صاحبِ دوکان پیسہ مانگ رہا ہے، حالاں کہ کوئی گواہ نہیں ہے اور دوکان دار غیر مسلم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوکان دار جب تک ثبوت نہ پیش کرے میت کے وارث پر اس اُدھار رقم کی ادائیگی لازم نہیں ہے۔

البینة علی المدعي والیمین علی من أنکر. الحدیث. فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۸/۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَعزہ اور اَحباب کو سونا چاندی اُدھار دینا؟

سوال (۱۷۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دوست واحباب اور رشتہ داروں کو سونا اور چاندی اُدھار دینے کی کیا شکل ہوسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سونا چاندی کے متعین زیورات اُدھار پر دینے درست نہیں؛ اس لئے کہ اُدھار کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آدمی اُسے بھنا کر اپنی ضرورتیں پوری کرلے، اور زیورات کو بیچنے کا اختیار نہیں دیا جاتا، اور اگر بیچ دیا تو بعینہٖ اس جیسے زیور کی واپسی مشکل ہے؛ کیوں کہ بناوٹ کے اعتبار سے زیور ذوات الامثال میں نہیں رہتا؛ بلکہ ذوات القیم میں سے ہوجاتا ہے، اور ذوات القیم کو ادھار دینا درست نہیں ہے؛ البتہ اگر سونے چاندی کے سکے ادھار پر دے، اور قرض دار کو اختیار دے کہ اسے بیچ کر اپنی ضروریات میں خرچ کرے تو درست ہے، اور قرض کی واپسی کے وقت اسی طرح کے سکے اتنے ہی وزن کے واپس کرنے ہوں گے۔

وما لا یکون من ذوات الأمثال نحو الحیوان واللآلي والجواهر والأکارع والرؤوس، لا یجوز استقراضه. (المحیط البرهاني ۲٤۲/۸)

لا يصح القرض في غير المثلي؛ لأنه لايمكن الانتفاع به إلا باستهلاك عينه يستلزم إيجاب المثلي في الذمة، وهذا لا يأتي في غير المثلي. (شامي / باب المرابحة والتولية، فصل في القرض ۱۶۰/۵ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۱۱/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرض خواہ کے مطالبہ سے خاموش رہنے پر قرض معاف نہیں ہوتا؟

سوال (۲۷۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ا یک صاحب کے ذمہ میرے ایک لاکھ روپئے بطور قرض ہیں، ایک مدت کے بعد میرے مطالبہ کرنے کے بعد اُنہوں نے مجھ سے کہا کہ ۴۰؍ ہزار روپئے لے لو اور باقی ۶۰؍ ہزار روپئے معاف کردو، میں اِس ارادے سے خاموش رہا کہ یہ ۴۰؍ ہزار روپئے وصول کرکے بعد میں بقیہ کا مطالبہ کروں گا، معاف کرنے کا میرے دل میں وہم وخیال بھی نہ تھا اور نہ میں نے معاف کئے، اُنہوں نے ۴۰؍ ہزار روپئے دے دیئے اور باقی کا جب مطالبہ کیا گیا، تو وہ یوں کہتے ہیں کہ وہ تو معاف ہوگئے، چاہے کسی سے مسئلہ معلوم کرلو، کیا میرے خاموش رہنے سے بقیہ مطالبہ معاف ہوگیا، جب کہ اِس خوف سے خاموش رہا تھا کہ کہیں یہ رقم بھی دینے سے انکار کردے جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں حسبِ تحریر سوال آپ نے صراحۃً قرض معاف نہیں کیا، تو محض خاموش رہنے سے اُس کی معافی نہیں ہوگی، اور آپ کو اپنے قرض کی مابقیہ رقم کا مقروض سے مطالبہ کا حق شرعاً باقی رہے گا۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رجلاً تقاضى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فأغلظ له، فهمّ أصحابه، فقال: دَعُوه؛ فإن لصاحب الحق مقالاً، واشتروا له بعيرًا فأعطوه إياه، قالوا لانجد إلا أفضل من سِنِّهٖ، قال: اشتروه فأعطوه إياه،

فإن خيركم أحسنكم قضاءً. (صحيح البخاري رقم: ٢٣٠٦، صحيح مسلم، ١٦٠١، لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح للخطيب التبريزي، كتاب البيوع / باب الإفلاس والإنظار ٥٩٨/٥ رقم: ٢٩٠٦ دار النوادر)

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا يحل مال إمرء مسلم إلا بطيب نفس منه. (مسند أحمد ٧٢/٥، شعب الإيمان للبيهقي ٧٦٩/٢، مشكاة المصابيح ٢٥٥، مرقاة المفاتيح ٣٥٠/٣)

الديون تُقضى بأمثالها. (الرد المحتار، كتاب الأيمان / باب اليمن في الضرب والقتل وغير ذلك، مطلب: الديون تقضى بأمثالها ٨٤٨/٣ كراچی، الأشباه والنظائر، كتاب المداينات / الفن الثاني ٢٥٦)

هو عقد مخصوص يرد على دفع مثلي ليردّ مثله. (تنوير الأبصار مع الدر المختار / باب المرابحة والتولية، فصل في القرض ١٦١/٥ كراچی)

والذي يتحقق في النظر في دلائل القرآن والسنة ومشاهدة معاملات الناس أن المثلية المطلوبة في القرض هي المثلية في المقدار والكمية، دون المثلية في القيمة والمالية. (بحوث في قضايا معاصرة ١٧٤ مكتبة دار العلوم كراچی، وكذا في الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية / الباب السابع والعشرون في القرض والدين ٣٦٦/٥ زكريا)

القروض يجب في الشريعة الإسلامية أن تُقضى بأمثالها. (بحوث في قضايا معاصرة ١٧٤ مكتبة دار العلوم كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۵/۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِس شرط پر دھان قرض دینا کہ مہنگا ہونے پر وصول کروں گا؟

سوال (۲۷۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کوئی شخص دھان یا چاول خرید کر جمع کر کے رکھتا ہے اور کوئی قرض مانگنے کے لئے آتا ہے، تو

اُس کو اِس شرط کے ساتھ دیتا ہے کہ جس وقت تم ہمیں پیسہ یا روپیہ دوگے، اُس وقت جو قیمت دھان یا چاول کی ہوگی، اتنی ہی دینی ہوگی، تو کیا اِس شرط کے ساتھ قرض دینا یا لینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طریقہ سے قرض دینا جائز نہیں، مقروض کے لئے ضروری ہے کہ غلہ ہی ادا کرے، قیمت کمی بیشی کے ساتھ ادا کرنا درست نہیں۔

كذا كل ما يكال ويوزن، لما مر أنه مضمون بمثله فلا عبرة بغلائه ورخصه. (الدر المختار مع الشامي، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية، فصل في القرض ١٦٢/٥ كراچی، ٣٩٠/٧ زكريا، مستفاد: بهشتى زيور ٣٠/٥)

رجل استقرض من آخر مبلغًا من الدراهم وتصرف بها، ثم غلا سعرها، فهل عليه ردّها مثلها؟ الجواب: نعم، ولا ينظر إلى غلاء الدراهم ورخصها. (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية / باب القرض ٢٩٤/١ رشيدية)

ولو استقرض حنطة فأعطى مثلها بعد ما تغير سعرها يجبر المقرض على القبول. (الدر المختار مع الشامي، كتاب البيوع / باب المرابحة والتولية، فصل في القرض ١٦٢/٥ كراچی، ٣٩٠/٧ زكريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۱۱/۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ